تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (17)

سورہ نور	(مکمل)
سورہ فرقان	(مکمل)
سورہ شعراء	(مکمل)
سورہ نمل	(مکمل)
سورہ قصص	آیت ۱ تا ۵۰

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (17)

سورہ نور	(مکمل)
سورہ فرقان	(مکمل)
سورہ شعراء	(مکمل)
سورہ نمل	(مکمل)
سورہ قصص	آیت ۱ تا ۵۰

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب======== تفسیر الفرقان

نام مصنف======== محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر======== (17)

صفحات ======== 502

قیمت ======== 0

ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
سورہ النور	13
وجہ تسمیہ	13
تعبیر	13
سورہ النور کے فضائل	13
سورہ النور کا زمانہ نزول	14
مضامین کا خلاصہ	23
شان نزول: (آیت) "۔الزانی لاینکح الا زانیۃ"۔(الخ)	34
احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء	39
لعان کے شرعی معنی میں مذاہب فقہاء	42
زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم	42
لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء	43

شان نزول: (آیت) "۔ان الذین جآء وبالافک عصبۃ"۔(الخ)	49
تمام نیکیوں کا مدار	62
شان نزول: (آیت) "ولا یاتل اولوا الفضل منکم"۔(الخ)	71
شان نزول: (آیت) "۔ان الذین یرمون المحصنت"۔(الخ)	75
ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے لیے جنت کی بشارت	78
شان نزول: (آیت) "۔یایھا الذین امنوا لاتدخلوا"۔(الخ)	83
شان نزول: (آیت) "۔لیس علیکم جناح ان تدخلوا"۔(الخ)	89
شان نزول: (آیت) "۔وقل للمؤمنت یغضضن"۔(الخ)	95
شان نزول: (آیت) "۔ولیستعفف الذین لایجدون"۔(الخ)	107
شان نزول: (آیت) "۔ولاتکرھوا فتیاتکم علی البغآء"۔(الخ)	108
پرندے قدرت کی نشانی ہیں	129
ہر مخلوق اپنا اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے	129
شان نزول: (آیت) "۔واذا دعوا الی اللہ ورسولہ"۔(الخ)	140
مومنین مسلمین کو اطاعت کی تاکید	141

منافقوں کی جھوٹی قسمیں	144
شان نزول: (آیت) "۔وعداللہ الذین امنوا منکم"۔(الخ)	147
بالغ لڑکوں کا گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے	157
بوڑھی خواتین کا مسئلہ	159
شان نزول: (آیت) "۔لیس علیکم جناح"۔(الخ)	163
شان نزول: (آیت) "۔انما المؤمنون الذین امنوا"۔(الخ)	168
شان نزول: (آیت) "۔لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم"۔(الخ)	169
سورہ فرقان	175
وجہ تسمیہ	175
تعبیر خواب	176
زمانہ نزول	177
مضامین کا خلاصہ	177
حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب	178
منکرین نبوت کے شبہات	184

شان نزول: (آیت) "۔تبرک الذی نزل الفرقان"۔(الخ)	189
حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فقر پسندی	189
قیامت کے دن کے احوال	206
شان نزول: (آیت) "۔وقال الذین کفروا لو انزل"۔(الخ)	214
الرس کا معنی	219
اصحاب الرس کی تفسیر اور اس کے متعلق متعدد اقوال	220
خواہش نفس کے بندے	226
بروج کے لغوی اور عرفی معنی	243
آسمانی بروج کی تفصیل	244
شان نزول: (آیت) "۔والذین لا یدعون"۔(الخ)	255
عباد الرحمن کا اخروی مقام و مرتبہ	267
سورہ الشعراء	272
وجہ تسمیہ اور مقام نزول	272
تعبیر خواب	273

مضامین کا خلاصہ	273
ثعبان، حیۃ اور جآن کے معانی	291
فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا	294
بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب	299
بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ کا وارث بنا دیا	301
سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات	306
حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قبر کی نشاندہی	309
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل از نبوت شرک سے شدید نفرت تھی	314
حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا	317
تذکرہ حضرت نوح (علیہ السلام)	331
قوم عاد کی عمارت پرستی	331
قوم عاد کا مختصر تعارف	336
حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی	349
قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا	350

حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام بعثت	359
اہل مدین اور اصحاب الایکہ	360
قوم شعیب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب	364
حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو روح اور امین کہنے کی وجوہات	368
شانِ نزول: آیت الا الذین امنوا۔۔الخ	385
سورہ النمل	388
وجہ تسمیہ	388
تعبیر:	388
زمانہ نزول	389
مضامین کا خلاصہ	389
حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا آگ کو دیکھنا	394
تو نشانیوں کا بیان	397
قوم والوں کا انکار اور عذاب	398
داؤد (علیہ السلام) اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے علوم	400

چیونٹیوں کی وادی پر گذر	401
قوم سبا	405
سلیمان (علیہ السلام) کا خط	411
ملکہ بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ	412
بلقیس کا تخت اٹھانے کا پروگرام	416
عفریت کا معنی	417
حضرت صالح (علیہ السلام) اور قوم ثمود کا تعارف	420
اونٹنی کو قتل کرنے والے نو آدمیوں کے نام	421
صالح (علیہ السلام) پر حملہ کا پروگرام	422
قوم صالح پر عذاب	424
پتھروں کی بارش	426
اللہ کے برگزیدہ بندے	428
معبود کی نشانیاں	431
مسئلہ علم غیب	437

سماع موتی کا عقیدہ	444
باتیں کرنے والا جانور	447
قیامت کی دس نشانیاں	447
کتنی بار صور پھونکا جائے گا	451
سورہ القصص	459
وجہ تسمیہ	459
زمانہ نزول	459
تعبیر	460
مضامین کا خلاصہ	460
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کرنے کا بیان	465
موسیٰ (علیہ السلام) کا مدین کی طرف سفر	477
بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ	482
بقعہ مبارک میں غیبی آواز	486
اپنی تائید ونصرت کے لیے ہارون (علیہ السلام) کے تعاون کی درخواست	489

موسیٰ (علیہ السلام) پر جادو کا الزام	490
فرعون کی حماقت	492
فرعون کا تکبر اور ہلاکت	494

ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

سورہ النور

سورہ النور مدینہ میں اتری اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورہ النور ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے:

۔۔۔(النور:۳۵) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اور اسی کے نور سے آسمان اور زمین منور اور روشن ہیں اور اسی کے نور سے جن اور انس ہدایت پاتے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تمام انسانون کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام اور روشن کر دیئے ہیں، اور اس کے آداب اور فضائل بیان فرما دیئے ہیں اور اس کے فقہی احکام اور قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

تعبیر

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر کو بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کے لیے کسی سے محبت کرے گا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے گا دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سورہ النور کے فضائل

حضرت مسور بن مخرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

سورہ البقرہ، سورہ النساء، سورہ المائدہ، سورہ الحج اور سورہ النور کا علم حاصل کرو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔۔۔[1]

امام ابوعبید نے فضائل قرآن میں حارثہ بن مضرب سے روایت کیا ہے کہ ہماری طرف حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورہ النساء، سورہ الاحزاب اور سورہ النور کا علم حاصل کرو۔

امام حاکم نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حج کیا اور میرے ساتھ حضرت ابن عباسؓ بھی تھے، حضرت ابن عباس سورہ النور کو پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر کرتے تھے، میرے ساتھی نے کہا سبحان اللہ! اس شخص کے منہ سے کیسے جواہر پارے نکل رہے ہیں، اگر ترک ان کو سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔[2]

سورہ النور کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اپنے مردوں کی سورہ المائدہ کی تعلیم دو، اور اپنی عورتوں کو سورہ النور کی تعلیم دو۔[3]

سورہ النور کا زمانہ نزول

منافقین نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر جو بدکاری کی تہمت لگائی تھی، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی برأت بیان فرمائی ہے اور تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا

۱۔(المستدرک ج۲ ص۳۹۰، طبع قدیم، المستدرک طبع جدید رقم الحدیث:۳۰۴۵، اسنادہ صحیح)

۲۔(الدر المنثور ج۶ ص۱۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، اسنادہ مرسل)

۳۔(شعب الایمان رقم الحدیث:۲۴۰۴، اسنادہ مرسل)

حکم نازل فرمایا، تہمت لگانے کا یہ واقعہ غزوہ بنو مصطلق یا غزوۂ مریسیع میں پیش آیا تھا۔

خزاعہ قریش کا حلیف اور ان کا ہم عہد ایک قبیلہ تھا، خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، یہ خاندان مقام مرسیع میں تھا، مریسیع مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا، موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا اور النعمان بن راشد نے زہری سے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوہ المریسیع میں ہوا تھا۔ المریسیع مکہ کے شمال میں قدید کی طرف پانی کا ایک چشمہ ہے۔ [1]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۷۵۲ھ لکھتے ہیں:

المصطلق لقب ہے اور اس کا نام جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ ہے اور یہ بنو خزاعہ کے بطن سے ہے۔

المریسیع بنو خزاعہ کے پانی کے چشمہ کا نام ہے یہ الفرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ امام طبرانی نے سلیمان بن بریدہ سے روایت کیا ہے ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ غزوۃ المریسیع میں تھے اور یہی غزوہ بنو المصطلق ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا تھا (مغازی ابن اسحاق) امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا ہے، لیکن یہ سبقت قلم کی لغزش ہے۔ امام بخاری نے پانچ

۱۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی غزوہ بنو المصطلق اور یہی غزوۃ المریسیع ہے)

ہجری لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے قلم سے چار ہجری لکھا گیا۔ کیونکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں پانچ ہجری ہی لکھا ہوا ہے اور حاکم، ابوسعید نیشا پوری اور امام بیہقی وغیرہ نے بھی پانچ ہجری ہی نقل کیا ہے۔ ابن شہاب زہری نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنوالمصطلق اور بنولحیان سے شعبان پانچ ہجری میں جہاد کیا، اور حاکم نے اکلیل میں کہا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا، عروہ وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے، اور یہ ابن اسحاق کے قول سے زیادہ حق کے قریب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے درمیان تنازع ہو گیا تھا، اگر غزوہ المریسیع چھ ہجری میں ہوتا جب کہ تہمت لگانے کا واقعہ اسی غزوہ میں ہوا تھا، تو اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر غلط ہوتا ہے کیونکہ حضرت سعد بن معاذ ایام بنوقریظہ میں فوت ہو گئے تھے اور یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا، پس اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ غزوہ المریسیع شعبان پانچ ہجری میں ہوا تھا، اور یہ غزوہ خندق سے پہلے ہوا تھا اور غزوہ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا، اور غزوہ خندق، غزوہ بنوالمصطلق کے بعد ہوا تھا، اور حضرت سعد بن معاذ غزوہ المریسیع میں زندہ موجود تھے اور غزوہ خندق میں ان کو ایک تیر آ کا لگا تھا اور اس کے زخم میں حضرت سعد بن معاذ فوت ہو گئے تھے۔

غزوہ المریسیع کے پانچ ہجری میں ہونے کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ تہمت حدیث میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد ہوا تھا اور حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری میں نازل ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ غزوہ المریسیع چار ہجری کے بعد وقع پذیر ہوا لہٰذا یہ

راجح قرار پایا کہ غزوہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا ہے، اور علامہ واقدی نے جو یہ کہا ہے کہ پردہ کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے تو ان کا یہ قول مردود ہے، اور خلیفہ اور ابو عبید اور متعدد علماء نے کہا ہے کہ پردہ کے احکام تین ہجری میں نازل ہوئے، خلاصہ یہ ہے کہ پردہ کے احکام کے نزول کے متعلق تین قول ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ وہ چار ہجری میں نازل ہوئے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد دلائل اور شواہد سے یہ واضح کر دیا ہے کہ غزوۂ بنو المصطلق کی تاریخ کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی لائق مطالعہ ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنو المصطلق اور لحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

ابن شہاب نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ غزوہ بنو المصطلق اور بنو لحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔

واقدی نے کہا کہ غزوۃ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔ دو شعبان کو پیر کے دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ میں آئے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا تھا۔

امام محمد بن عمر واقد المتوفی ۲۰۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۲ شعبان، ۵ ہجری کو پیر کے دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غزوۃ المریسیع کے لیے روانہ ہوئے اور یکم رمضان کو مدینہ واپس آئے، آپ دو دن کم ایک ماہ مدینہ سے غائب رہے۔

۱۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۶۔۱۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، رمضان ۱۴۲۰ھ)

عمر بن عثمان المخزومی، عبداللہ بن یزید بن قسیط، عبداللہ بن یزید الھذلی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ بنو المصطلق خزاعہ کی شاخ ہیں اور وہ الفرع کی جانب رہتے تھے۔ یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف تھے، ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ وہ اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کے پاس گیا اور ان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی، سوانہوں نے گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے، ان کی طرف سے کچھ سوار آئے اور انہوں نے ان کی روانگی کی خبر دی۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو اس کی تحقیق کے لیے روانہ کیا، حضرت بریدہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ ان کو دھوکا دینے کے لے آپ کے خلاف باتیں کریں تا کہ ان کے راز معلوم ہوں آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ بنو المصطلق کے چشمہ (المریسیع) پر پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک مغرور قوم کو دیکھا جو ایک جمعیت کے ساتھ وہاں موجود تھی۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں تم ہی میں سے ایک شخص ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہاں پر اس مدعی نبوت کے لیے اکٹھے ہوئے ہو سو میں اپنی قوم میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں تا کہ ہم سب مل کر حملہ کریں اور اس شخص کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ الحارث بن ابی ضرار نے کہا ہمارا ابھی یہی مقصد ہے تم جلدی سے واپس آؤ۔ حضرت بریدہ نے کہا میں ابھی روانہ ہوتا ہوں، اور تمہارے پاس اپنی قوم اور اپنے موافقین کے متبعین کے ایک عظیم لشکر کو لے کر آیا ہوں۔ وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لوٹ آئے اور آپ کو ان لوگوں کے جمع ہونے کی خبر دی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں

کو بلایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کی خبر دی، پھر مسلمان جلدی روانہ ہوئے ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے، ان میں دس مہاجر گھوڑوں پر سوار تھے اور بیس انصار گھوڑوں پر سوار تھے۔ (امام واقدی نے سب کے نام ذکر کیے ہیں)۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بہت منافقین بھی روان ہوئے، اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنے منافقین روانہ نہیں ہوئے تھے۔ ان کو جہاد کرنے میں کوئی رغبت نہیں تھی، وہ صرف مال غنیمت حاصل کرنے کی طمع میں اور یہ سوچ کر نکلے تھے کہ یہ مقام زیادہ دور نہیں ہے، آپ نے مدینہ کے قریب الحلائق نام کی ایک بستی میں قیام کیا، وہاں عبدالقیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کرلیا۔ اس نے کہا میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی پھر آپ بقعاء (مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے وہاں مشرکین کا ایک جاسوس ملا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں ؟ اور کہاں ہیں، اس نے کہا مجھے معلوم نہیں! حضرت عمر بن خطاب نے کہا تم سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، تب اس نے بتایا میں بنوالمصطلق سے ہوں اور میرے پیچھے الحارث بن ابی ضرار ہے اور اس نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کرلیا ہے اور بہ کثرت لوگ اس کے ساتھ ہیں اور مجھے اس نے اس لیے بھیجا ہے کہ میں مدینہ جا کر تمہاری خبر لاؤں، آیا تم مدینہ سے روانہ ہو چکے ہو یا نہیں! اس پر اسلام پیش کیا گیا اس نے اسلام قبول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر بنوالمصطلق میں پہنچ گئی۔ حضرت جویریہ ؓ اُم المومنین بھی بنوالمصطلق سے تھیں اور بنوالمصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیا کہ ہمارے پاس اس جاسوس کے قتل کیے جانے اور رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حملہ کرنے سے قبل ہی یہ خبر پہنچ گئی تھی۔ میرے والد اور ان کے اصحاب اس خبر سے بہت خوفزدہ ہوئے اور عرب کے وہ قبائل ان جوان کے ساتھ آکر مل گئے تھے، وہ سب بھاگ گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) المریسیع (پانی کے چشمہ) پر پہنچ گئے۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور وہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ لگا دیا گیا، آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں۔ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب کی صفیں بنائیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو مہاجرین کا جھنڈا دیا اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو انصار کا جھنڈا دیا پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عمرؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنوالمصطلق میں یہ اعلان کریں کہ جس شخص نے لا الہٰ الا اللہ پڑھ لیا، اس کی جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، سب سے پہلے ان کی طرف سے ایک شخص نے تیر مارا پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عام حملہ کرنے کا حکم دے دیا، پھر مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کیا جس سے کوئی شخص بچ نہیں سکا، بنوالمصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ [1]

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غزوۃ المریسیع ہے جو شعبان پانچ ہجری میں واقع ہوا، بنو المصطلق خزاعہ کی ایک شاخ ہے، یہ بنوالمدلج کے حلیف تھے، یہ ایک کنویں کے پاس رہتے تھے جس کو

۱۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۴۰۴۔۴۰۷ عالم الکتب بیروت، الطبع الثالث، ۱۴۰۴ھ)

المریسیع کہا جاتا تھا، یہ کنواں الفرع سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور الفرع اور مدینہ کے درمیان آٹھ بریدکا فاصلہ ہے۔(ایک برید بارہ میل کی مسافت ہے) ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا اس نے اپنی قوم اور اپنے متبعین کے ساتھ مل کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف جنگ کی تیاری کی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو امام واقدی نے بیان کی ہے۔[1]

حضرت ام المومنین جویریہؓ بنت الحارث، بنوالمصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں جب بنوالمصطلق کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار ہوگئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جویریہ بن الحارث سے نکاح کرلیا، ان کے نکاح کی تفصیل امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب بنوالمصطلق کے قیدی تقسیم کئے گئے تو حضرت جویریہ، حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں یا ان کے عم زاد کے حصہ میں آئیں، انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب کرالیا، وہ بہت حسین عورت تھیں ان پر خواہ مخواہ نظر پڑتی تھی، وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے آئیں، جب وہ دروازہ پر کھڑی تھیں تو میں نے ان کو دیکھ لیا، اور میں نے ان کے وہاں پر آنے کو ناپسند کیا اور میں نے یہ جان لیا کہ جس طرح میں نے ان کے حسن کو دیکھا تھا اس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کی خوبصورتی کو دیکھ لیں گے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں، اور میرے گرفتار ہونے کا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے، اور میں (بہ طور باندی) حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں، اور میں

۱۔(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۰۔۴۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)۔

نے اپنے آپ کو مکاتب کرالیا ہے اور میں آپ سے بدل کتابت کا سوال کرنے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ اچھی بات نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا میں تمہاری کتابت کی رقم ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں! انہوں نے کہا میں نے یہ کرلیا۔ حضرت عائشہ نے کہا جب مسلمانوں نے یہ سنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جویریہ بنت الحارثؓ سے نکاح کرلیا ہے تو ان کے پاس بنوالمصطلق کے جتنے قیدی تھے، انہوں نے ان سب کو آزاد کردیا اور کہا یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سسرالی رشتہ دار ہوگئے (اب ہم ان کو کیسے غلام رکھ سکتے ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہؓ کے علاوہ اور کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو ان کے سبب سے بنوالمصطلق کے سو گھرانے آزاد کردیئے گئے۔ [1]

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے دلائل، اور امام بیہقی، امام واقدی اور امام محمد بن سعد کی روایت کردہ صریح احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ غزوہ بنوالمصطلق شعبان پانچ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابن اسحاق کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غزوۂ بنوالمصطلق چھ ہجری میں ہوا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے امام ابن اسحاق کے قول کو اختیار کیا ہے۔ [2]

مضامین کا خلاصہ

۱۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۲۴۳، دارالحدیث قاہرہ، سنن کبریٰ بیہقی ج ۹ ص ۷۴)

۲ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۰۷)

رکوع ۱:۔ زنا کی سزا، زانی، زانیہ کے نکاح کا بیان ہے۔ پھر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اور بیوی پر تہمت یا لعان کا حکم مذکور ہے۔

رکوع ۲: واقعہ افک، مومنوں کو نصیحت اور بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: شیطان کی پیروی کی ممانعت، تہمت لگانے والوں کا انجام اور بدکار مردوں اور عورتوں کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۴: غیر گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت۔ اجازت سے مستثنیٰ مکان اور نظریں نیچی رکھنے حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر ستر کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں افلاس کی بنا پر نکاح ترک کرنے کی ممانعت۔ مکاتبت اور اعانت مملوک کا بیان ہے۔

رکوع ۵: زمین و آسمان کا نور، صبح و شام اللہ کی تسبیح کرنے والوں کو ذکر پھر کافروں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۶: کائنات کی تسبیح، اولوں کے پہاڑ، مظاہر قدرت اور منافقین کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۷: مومنین مخلصین کا حال اور منافقوں کی قسموں کا بیان۔ پھر مومنوں سے خلافت ارضی کا وعدہ اور کفار کے ٹھکانے کا بیان ہے۔

رکوع ۸: گھر میں اجازت لے کے داخل ہونا اور معذوروں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: مجلس نبوی کے آداب اور آپ کا خاص ادب بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے۔

﴿ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ۝١ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢

یہ ایک عظیم الشان سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کو (تم پر) فرض کیا ہے اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔(۱) بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان کے بارے میں اللہ کے دین کے معاملے میں کوئی ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہیے۔(۲)

یہ سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور۔۔ہم نے ہی اس کے احکام کی بجا آوری کو مقرر اور لازم کیا ہے اور ہم نے اس سورت میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم نصیحت پکڑو اور یاد رکھو یعنی سورہ نور ایک سورت ہے اس کو بھی ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام کو بھی ہم ہی نے فرض کیا ہے اور مقرر فرمایا ہے اگر چہ بعض احکام اس میں مستحب اور مندوب بھی ہیں لیکن چونکہ احکام واجبہ اور فرض زیادہ

ہیں۔اس لیے فرضنا ھا فرمایا اوران احکام مقررہ پر دلالت کرنے کے لیے صاف صاف آیتیں نازل فرمائیں جوان احکام پر دلالت کرتی ہیں یعنی سورت کا بیشتر حصہ احکام ہیں پھر ہم نے ان معانی پر دلالت کرنے والی واضح آیات نازل کیں تا کہ سمجھنے والے آسانی سے سمجھ کراس پر عمل کریں آگے احکام کی تفصیل ہے۔

اَنْزَلْنٰهَا "(نازل کرنے) سے ظاہر ہے کہ اسے اتارنے والا بلندی پر ہے اوراس نے اسے بلند مقام عرش سے اتارا ہے، جیسا کہ خود اس نے فرمایا: (اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى)[طٰہٰ: ٥] "وہ بیحد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔" ان مفسروں پر افسوس ہوتا ہے جو یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے، اس لیے وہ "ہم نے نازل کیا" کی بھی تاویل بلکہ تحریف پر اصرار کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں، نہ کسی جگہ میں ہے، وہ نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں، نہ آگے ہے اور نہ پیچھے۔ پھر وہ کہاں ہے؟ کہتے ہیں کسی جگہ بھی نہیں۔مگر وہ اس فطری تقاضے کا کیا کریں گے جو ہر انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اور اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائے۔ان حضرات میں سے کئی ایسے دیدہ دلیر بزرگ بھی گزرے ہیں اور کئی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ سوال ہی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ بلکہ جو شخص یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ کافر ہے۔ان لوگوں کو یہ خوف بھی نہیں آتا کہ ان کے فتوے کی زد میں کون کون آرہا ہے۔خود رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک لونڈی کے ایمان کا امتحان لیتے ہوئے دو سوال کیے تھے، ایک یہ کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: "آسمان میں۔" دوسرا سوال یہ کیا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: "آپ

اللہ کے رسول ہیں۔" تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ مومنہ ہے۔"[1]

وَفَرَضْنٰهَا: یعنی اس سورت میں جو احکام دیے گئے ہیں وہ محض سفارشات نہیں ہیں کہ جی چاہے تو مانو، ورنہ جو جی میں آئے کرتے رہو، بلکہ یہ قطعی احکام ہیں جن پر عمل کرنا ہم نے تم پر اور تمہارے بعد آنے والوں پر فرض کر دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا: "اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا" سے اس سورت کی عظمت اور اہمیت بیان کرنا مقصود ہے، یہ مقصد نہیں کہ دوسری سورتوں کی یہ شان نہیں ہے۔

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ: یعنی اس سورت میں ہم نے جو احکام و مسائل بیان کیے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی یا ابہام نہیں ہے، صاف اور واضح ہدایات ہیں، جن کے متعلق تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ فلاں بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی، تو ہم اس پر عمل کیسے کرتے؟ اس پر زور تمہید سے اس سورت میں مذکور احکام کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔ اس کے بعد احکام شروع ہوتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کر دیجیے۔ یہ سن کر اس کا فریق مخالف کھڑا ہوا اور وہ اس کی نسبت زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے کہا، یا رسول اللہ! یہ سچ کہتا ہے، بیشک میرا اور اس کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کر دیجیے اور مجھے اجازت دیجیے (کہ میں صورت حال بیان کروں) آپ نے فرمایا: "ہاں بیان کرو۔" وہ کہنے لگا، میرا بیٹا اس کے گھر میں کام کاج کے لیے نوکر تھا، وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر بیٹھا۔ (اب اس نے میرے بیٹے کو پکڑ لیا اور) میں نے اسے سو بکریاں اور ایک غلام دے کر چھڑا لیا۔ پھر (جو بعد میں) میں نے علماء سے مسئلہ

---

[1] [مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة۔۔: ۵۳۷]

پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے پڑیں گے اور وہ ایک سال کے لیے جلاوطن ہوگا اور اس کی بیوی سنگسار ہوگی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ سن کر فرمایا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا، وہ یہ کہ سو بکریاں اور غلام تجھ کو واپس کیا جائے گا اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے پڑیں گے اور وہ ایک سال کے لیے جلاوطن ہوگا اور اے انیس! تم کل صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو۔" چنانچہ سیدنا انیسؓ اس کے پاس گئے تو اس نے زنا کا اقرار کیا اور یوں سیدنا انیسؓ نے اس کو سنگسار کر دیا۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس شخص کے بارے میں جو غیر شادی شدہ ہو اور زنا کرے یہ فیصلہ کیا کہ اس کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے اور حد لگائی جائے۔ [2]

سیدنا زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ اس شخص کے لیے جو کنوارا ہو اور زنا کرے یہ حکم دیتے تھے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ [3]

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ زانی اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا جلاوطنی کے ساتھ ایک سو

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب ھل یأمر الإمام رجلاً فیضرب الحد غائبًا عنہ: ۶۸۵۹، ۶۸۶۰۔ مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی: ۱۶۹۷، ۱۶۹۸]

۲۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب البکران یجلدان وینفیان۔۔الخ: ۶۸۳۳]

۳۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب البکران یجلدان وینفیان۔۔الخ: ۶۸۳۱]

دُرّے بھی ہے اور اگر وہ محصن ہو، یعنی اس نے نکاح صحیح میں مباشرت کی ہو اور وہ آزاد، بالغ اور عاقل ہو تو اس کی سزا رجم ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا، جب کہ وہ منبر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تشریف فرما تھے، اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب کو نازل کیا، تو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا (یعنی قرآن مجید) اس میں سنگسار سے متعلق آیت بھی تھی، ہم نے اس کو پڑھا، اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (زنا کرنے والے کو) رجم کیا اور ہم لوگ بھی آپ کی وفات کے بعد (زانی کو) رجم کرتے رہے ہیں، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ایک مدت گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ اللہ کی قسم! رجم کا حکم تو ہم کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) میں نہیں پاتے اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرض جس کو اس نے اتارا، ترک کر کے گمراہ ہو جائے۔ دیکھو! جو فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، شادی شدہ ہو کر زنا کرے تو اللہ کی کتاب میں اس پر رجم برحق ہے، اس وقت جب کہ زنا واضح دلیل (چار گواہوں کی شہادت) سے، یا حمل سے، یا اقرار سے ثابت ہو جائے۔ [1]

زنا کی سزا کے لیے چار مرتبہ زنا کا اعتراف کرنا بھی کافی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد میں تھے کہ اتنے میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پکار کر کہنے لگا، یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ اس طرف آیا جدھر آپ نے منہ پھیر لیا تھا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ پھر وہ اس طرف آیا جس طرف آپ نے منہ پھیرا تھا اور کہنے لگا، یا رسول

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب رجم المحبلی فی الزنا إذا أحصنت: ۶۸۳۰۔ مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الثیب فی الزنی: ۱۶۹۱]

اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ جب چار مرتبہ اس نے زنا کا اقرار کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا: "تو دیوانہ تو نہیں ہے؟" کہنے لگا، نہیں یا رسول اللہ! میں دیوانہ نہیں ہوں۔ آپ نے پوچھا: "کیا تو شادی شدہ ہے؟" کہنے لگا، جی ہاں! یا رسول اللہ! پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا: "اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔"[1]

اگر کنواری لونڈی زنا کرے تو اس کو کوڑے مارے جائیں اور اگر وہ دوبارہ زنا کرے تو اسے پھر کوڑے مارے جائیں اگر وہ پھر زنا کرے تو اسے کوڑے مارے جائیں اور اسے فروخت کر دیا جائے، چاہے اسے ایک رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس لونڈی کے متعلق پوچھا گیا جو شادی شدہ نہ ہو اور زنا کرے۔ آپ نے فرمایا: "اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ، اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ اور اس کو بیچ دو، خواہ ایک رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔"[2]

اگر زانیہ ایسی حالت میں ہو کہ کوڑے مارنے سے ہلاکت کا ڈر ہو تو کوڑے مارنے میں تاخیر کرنی چاہیے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ اپنی لونڈی اور غلاموں کو حد لگاؤ، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے، کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک لونڈی نے زنا کیا تو آپ نے مجھے اسے حد لگانے کا حکم دیا، حالانکہ اسے ابھی حال ہی میں وضع حمل ہوا تھا، میں ڈرا کہ کہیں کوڑے مارنے سے یہ مر ہی نہ

---

[1] ۔[بخاری، کتاب الحدود، باب سؤال الإمام المقر هل أحصنت: ٦٨٢٥]

[2] ۔[بخاری، کتاب الحدود، باب إذا زنت الأمة: ٦٨٣٧، ٦٨٣٨]

جائے۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "تم نے اچھا کیا۔"[1] اگر زانیہ حاملہ ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہو اور بچے کا دودھ نہ چھڑا دیا جائے اسے سنگسار نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ سیدنا بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک غامدیہ عورت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی اور کہنے لگی، اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے، آپ نے اس کو واپس بھیج دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیوں لوٹاتے ہیں؟ شاید آپ اسی طرح لوٹانا چاہتے ہیں، جیسے آپ نے ماعز بن مالکؓ کو لوٹایا تھا، لیکن اللہ کی قسم! میں تو حاملہ ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اچھا اگر تو نہیں لوٹتی (اور توبہ کی بجائے رجم کے ذریعے سے پاک ہونا چاہتی ہے) تو جا بچہ جننے کے بعد آنا، چنانچہ جب اس نے بچہ جن لیا، وہ اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے پاس لائی اور کہنے لگی کہ میں نے یہ بچہ جن لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جا اس کو دودھ پلا اور جب اس کا دودھ چھڑا لے تو تب آنا۔" پھر جب اس نے بچے کا دودھ چھڑا دیا تو وہ اس کو لے آئی، یوں کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان کے حوالے کر دیا۔ بعد ازاں اس کے سینے تک ایک گہرا گڑھا کھودا گیا اور پھر آپ نے اس کے رجم کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے اسے سنگسار کر دیا۔ خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا تو خون کے چھینٹے اڑ کر خالدؓ کے منہ پر گرے۔ اس پر خالدؓ نے اس کو برا بھلا کہا اور ان کا یہ برا بھلا کہنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سن لیا، آپ نے فرمایا: "خبردار! اے خالد! (ایسا مت کہو) اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

---

[1]۔ [مسلم، کتاب الحدود، باب تاخیر الحد عن النفساء: ۱۷۰۵]

!اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز محصول لینے والا بھی ایسی توبہ کرے تو اس کا گناہ بھی بخش دیا جائے۔" پھر آپ نے حکم دیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کر دی گئی۔ (۱)

زانی اور زانیہ کو سنگسار کرتے وقت ایک گڑھے میں کھڑا کر دیا جائے، جس کی گہرائی ان کے سینوں تک ہو، جیسا کہ سیدنا بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ماعز بن مالک اسلمیؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ میں زنا کر بیٹھا، اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک فرما دیں۔ آپ نے ان کو واپس کر دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو وہ پھر آئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے پھر ان کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد ان کی قوم کے پاس کسی کو بھیجا اور فرمایا: "کیا تم ان کی عقل میں کچھ فتور پاتے ہو اور کیا تم نے ان کی کوئی ناگوار بات دیکھی ہے؟" انھوں نے کہا، ہم نے تو کوئی فتور نہیں دیکھا اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں یہ ہمارے اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر تیسری بار ماعز آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی قوم کے پاس پھر کسی کو بھیجا اور انھوں نے پھر یہی کہا کہ ان کو کوئی بیماری نہیں اور نہ ان کی عقل میں کچھ فتور ہے، چنانچہ جب چوتھی بار وہ آئے تو آپ نے ایک گڑھا ان کے لیے کھدوایا اور پھر حکم دیا تو وہ رجم کر دیے گئے۔ (۲)

اگر زنا کا اعتراف کرنے والا سنگسار کرتے وقت بھاگے اور چیخے چلائے تو اسے حاکم کے پاس لے آنا چاہیے، جیسا کہ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ میں جابر بن عبداللہؓ کے پاس آیا اور ان سے ذکر کیا کہ قبیلہ اسلم کے چند لوگ حدیث بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔[مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی: ۲۳/۱۶۹۵]

۲۔[مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی: ۲۳/۱۶۹۵]

وسلم) کو بتایا کہ جب ماعز کو پتھر لگنے لگے تو وہ ان کی چوٹ برداشت نہ کر سکا تو آپ نے فرمایا: "تم نے ان کو چھوڑ کیوں نہ دیا" میں اس حدیث کو سمجھ نہیں سکا۔ سیدنا جابرؓ نے کہا، اے میرے بھتیجے! میں اس حدیث کو خوب جانتا ہوں، میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے ماعز کو سنگسار کیا تھا۔ جب ہم ان کو لے کر گئے اور ان کو سنگسار کرنے لگے تو جب ان کو پتھروں سے تکلیف پہنچی تو وہ چلائے اور انھوں نے کہا، اے لوگو! مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس واپس لے چلو، کیونکہ میری قوم نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے قتل کروا دیا، انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قتل نہیں کریں گے، لیکن ہم لوگ ان سے جدا نہیں ہوئے جب تک کہ انھیں مار نہیں ڈالا۔ پھر جب ہم لوٹ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا اور میرے پاس کیوں نہیں لے آئے۔" (غرض یہ تھی کہ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے ثابت قدم رہنے کا کہتے (کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے) یہ مفہوم نہیں تھا کہ آپ نے حد چھوڑ دینے کی غرض سے یہ کہا ہو۔ تو تب میں (یعنی حسن بن محمد) حدیث کا مفہوم سمجھ سکا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنھوں نے آپس میں زنا کیا تھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا: "تم (رجم کے بارے میں) اپنی کتاب (تورات) میں کیا حکم پاتے ہو؟" انھوں نے بتایا کہ ہمارے علماء بیان کرتے ہیں کہ (تورات میں اس کی سزا یہ ہے کہ) چہرے کو سیاہ کر کے گدھے پر الٹا سوار کیا جائے۔ عبداللہ بن سلامؓ

---

[1] [أبوداؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک: ٤٤٢٠]

نے کہا، اے اللہ کے رسول! ان سے کہیں کہ تورات لائیں۔ چنانچہ وہ تورات لائے، انھوں نے اسے کھولا تو ان میں سے ایک شخص نے رجم والی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور آیت کے ماقبل اور مابعد کو پڑھا (یعنی رجم کی آیت کو نہ پڑھا)۔ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا، تم اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ چنانچہ اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت موجود تھی۔ چنانچہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دونوں کے بارے میں (رجم کا) حکم فرمایا اور ان کو رجم کر دیا گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ دونوں بلاط کے پاس رجم کیے گئے اور میں نے دیکھا کہ یہودی یہودن (کو بچانے کے لیے اس) پر جھک گیا تھا۔ [1]

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کو بدکاری وفحاشی سے پاک کرنے کے لیے زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں پر قرآن وسنت سے ثابت شدہ حد کو ضرور نافذ کریں اور شیطان کے ورغلانے میں آ کر ان پر رحم کھاتے ہوئے شرعی حد کے نفاذ میں لیت ولعل سے کام نہ لیں۔ حدود الٰہی سے متعلق اس کی بہترین مثال اس حدیث سے واضح ہے جسے سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ قریش کو ایک مخزومی عورت (کے معاملے) نے، جو چوری کا ارتکاب کر بیٹھی تھی، پریشانی میں مبتلا کر دیا اور انھوں نے آپس میں کہا کہ کون ہے جو اس عورت کی بابت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گفتگو کرے، اسامہ بن زیدؓ کے سوا؟ (کیونکہ) وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہیتے ہیں۔ چنانچہ اسامہؓ نے آپ سے گفتگو کی، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(اے اسامہ!) کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟" پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب الرجم فی البلاط: ۶۸۱۹]

میں فرمایا: "لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے کوئی بلند رتبہ آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ (سنو!) اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر لے تو ضرور میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔"[1]

﴿ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا، اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور ایمان والوں کے لیے ایسا (نکاح) کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔الزانی لا ینکح الا زانیۃ"۔ (الخ)

امام نسائیؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ام مہزول نامی ایک عورت بدچلن تھی، اصحاب نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے ایک صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تب یہ آیت مبارکہ نازل

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد إذا رفع إلی السلطان: ۶۷۸۸۔ مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ۔۔الخ: ۱۶۸۸]

ہوئی، یعنی زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا سوائے زانیہ یا مشرکہ کے، اور امام ابوداؤدؒ، ترمذیؒ نسائیؒ اور امام حاکمؒ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت نقل کی ہے کہ مرثد نامی ایک شخص مکہ مکرمہ سے قیدیوں کو لے جایا کرتے تھے۔

اور مکہ مکرمہ میں عناق نامی ایک عورت ان کی دوست تھی انہوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے مرثد کہ زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا سوائے زانیہ یا مشرکہ کے لہٰذا تم اس عورت سے شادی مت کرو، اور سعید بن منصورؒ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا تو زانیہ عورتیں بہت خوبصورت تھیں تو لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ پھر ان عورتوں سے نکاح ہی کیوں نہ کرلیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٧ھ لکھتے ہیں:

۔۔۔(النور:۳۲)

تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ، سالم، جابر بن زید، عطا، طاؤس، امام مالک بن انسؒ اور امام

ابوحنیفہ اور ان کے اصحابؒ کا بھی یہی قول ہے، امام شافعیؒ نے کہا سعید بن مسیبؒ کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت انشاء اللہ منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابرؓ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا اوّل زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پل خرید لے، اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ام مہزول نامی ایک بدکار عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے یہ آیت پڑھی: (اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ) [النور: ۳] "زانی نکاح نہیں کرتا مگر کسی زانی عورت سے، یا کسی مشرک عورت سے، اور زانی عورت، اس سے نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثدؓ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا کر مدینہ پہنچایا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکردار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی اور جاہلیت کے زمانے میں ان کا اس

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۵۷۔۱۵۶، ملخصا، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [مسند أحمد: ۲/۱۵۹، ح: ۶۴۸۷]

عورت کے ساتھ تعلق رہا تھا۔ مرثدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ کے ایک قیدی سے مدینہ پہنچانے کا وعدہ کیا، پھر جب میں قیدی کو لینے مکہ گیا تو میں ایک باغ کی دیوار کے نیچے تھا، رات کا وقت تھا اور چاندنی پھیلی ہوئی تھی، اتفاق سے عناق آ پہنچی، اس نے دیوار کے پاس میرا سایہ دیکھا، پھر میرے قریب آئی اور مجھے پہچان لیا اور آواز دے کر کہا کہ کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا، ہاں، مرثد ہوں۔ اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھ سے کہنے لگی، چلو! رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا، عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کر دی ہے۔ (جب وہ مایوس ہوگئی) تو اس نے (مجھے پکڑوانے کے لیے) کہا اے خیمے والو! یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرا کر لے جایا کرتا ہے۔ لوگ جاگ اٹھے اور آٹھ آدمی مجھے پکڑنے کے لیے میرے پیچھے دوڑے۔ میں خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا، لیکن لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آئے اور میرے سر کے اوپر کھڑے ہو گئے اور وہیں پیشاب کرنے لگے، ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا، لیکن اللہ نے انھیں اندھا کر دیا اور ان کی نگاہ مجھ پر نہ پڑی۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور میں بھی اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس آیا اور اسے اٹھایا، وہ بھاری بدن کے تھے اور جب میں اذخر میں پہنچا تو تھک گیا، اب میں نے ان کو کمر سے اتارا، ان کے بندھن کھول کر انھیں آزاد کر دیا اور انھیں بھی اٹھاتا اور چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ اب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور میں نے دو دفعہ عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے شادی کر لوں؟ لیکن آپ خاموش رہے، آپ نے کوئی جواب نہ دیا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: (○ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ) [النور: ۳] "زانی نکاح نہیں کرتا مگر کسی زانی عورت سے، یا کسی مشرک عورت سے، اور زانی عورت، اس سے نکاح نہیں

کرتا مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔" تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے بلایا اور اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: "اے مرثد! (زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے) تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "وہ زانی جسے کوڑے لگ چکے ہوں وہ اپنے ہی جیسی کسی عورت سے شادی کرے گا۔"[2]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ ﴾

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی بھی کبھی قبول مت کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں۔ (۴) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان

۱۔ [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورہ النور: ۳۱۷۷۔ أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فی قولہ تعالیٰ: (الزانی لاینکح إلا زانیۃ): ۲۰۵۱]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فی قولہ تعالیٰ: (الزانی لاینکح إلا زانیۃ): ۲۰۵۲]

ہے۔(۵)

جو شخص کسی پاک دامن مسلم مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگائے، پھر چار گواہ نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق تین حکم دیے ہیں، پہلا یہ کہ اسے اسّی (۸۰) کوڑے مارو، دوسرا یہ کہ اس کی کوئی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ یہی لوگ فاسق (نافرمان) ہیں (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ میں قصر قلب ہے)، نہ کہ وہ لوگ جنھیں یہ فاسق ثابت کرنا چاہتے تھے۔

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دان ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماعت کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد ظاہریؒ نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمدؒ سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے، امام شافعی، ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمگ لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد، صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے یہ امام مالک اور اسحاق کا

قول ہے، اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔ [1]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزد، (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاک دان ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۔۔۔(النساء:۲۵)

ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔ [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تباہ و برباد کرنے والے سات گناہوں سے بچو۔" لوگوں نے عرض کی، وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھا جانا، جنگ کے دن پیٹھ دکھانا اور مومن و پاک دامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔" [3]

۱۔(المغنی مع الشرح الکبیر ج۱۰ ص۱۹۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

۲۔(ہدایہ اولین، ۴۹۰۔۴۸۹، ملتان)

۳۔[بخاری، کتاب الحدود، باب رمی المحصنات۔۔الخ:۶۸۵۷]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو کوئی اپنے غلام پر (بدکاری کی) تہمت لگائے، جبکہ وہ اس سے پاک ہو تو قیامت کے دن اس کو کوڑے پڑیں گے، سوائے اس صورت کے کہ وہ غلام ایسا ہی ہو جیسا اس نے کہا۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور کوئی گواہ نہ لا سکیں تو ہر ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو وہ چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا

---

[1] [بخاری، کتاب الحدود، باب قذف العبید: ٦٨٥٨]

ہے۔(۶)اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔(۷)اور اس عورت سے (زنا کی) سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔(۸) اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ سچا ہو۔(۹) اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی (تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں) اور یہ کہ اللہ تو بہ قبول فرمانے والا نہایت ہی حکمت والا ہے ۔(۱۰)

لعان کے شرعی معنی میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ لعان کا شرعی معنی ہے ایسی شہادات جو قسموں سے موکد ہوں، اور لعنت کے ساتھ مقرون ہوں، اور امام شافعی فرماتے ہیں یہ دو قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ موکد ہوں، امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے اس لیے مسلمان اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے اس لیے لعان ایسے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔[1]

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم

۱۔(عمدۃ القاری جز۲۰ ص۲۹۰)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کر لیں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو، یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ [1]

امام ابوحنیفہ ؒ کا قول جمہور کے موافق ہے، اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ [2]

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا تلوار کافی گواہ ہے، پھر فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ نشہ اور غیرت میں آ کر دھڑا دھڑ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ [3]

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی ؒ لکھتے ہیں کہ امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس

۱۔ (شرح مسلم ج ا ص ۴۸۸، کراچی)

۲۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹، لاہور)

۳۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

لعان سے، لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہوجاتی ہے، امام مالک اوران کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہوجاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہوجات ہے۔ سحنون مالکیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اوران کے اصحاب اور سفیان ثوریؒ کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے، اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دوقول ہیں، ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔ [1]

علامہ ابوالحسن مراداوی حنبلؒ لکھتے ہیں کہ وجیز میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہوجاتی ہے اور محرر، نظم، رعایتیں، حاوی صغیر، فروع وغیرہ کتب حنابلہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (المغنی ابن قدامہ کا متن) کا یہی مختار ہے۔ قاضی، شریف، ابوالخطاب اور ابن النساء وغیرہم فقہاء حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، ہدایہ، مذہب، مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنابلہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور انتصار میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنابلہ کا بھی یہی مختار ہے۔ [2]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ عویمر، عاصم بن عدی کے پاس آیا، جو بنی عجلان قبیلے کا سردار تھا، اس نے پوچھا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی شخص کو پائے تو تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا وہ اس کو مار ڈالے؟ (اگر وہ ایسا کرے تو) پھر تم اس کو (قصاص میں) مار ڈالو گے، تو پھر آخر وہ کیا کرے؟ عویمر نے کہا، عاصم! تم میرے لیے یہ مسئلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھو۔

۱۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۵، مصر)

۲۔ (الانصاف ج ۹ س ۲۵۲۔۲۵۱، بیروت)

عاصم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے دریافت کیا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس قسم کے سوالات کو برا سمجھا۔ جب عویمر نے عاصم سے پوچھا تو عاصم نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے سوالوں کو پسند نہیں فرمایا۔ عویمر نے کہا، اللہ کی قسم! میں تو اس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھ کر رہوں گا۔ آخر عویمر آیا اور اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو وہ کیا کرے؟ اگر اس کو مار ڈالے تو آپ اس کو (قصاص میں) مار ڈالیں گے، تو پھر وہ کیا کرے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن اتارا ہے۔" پھر آپ نے عورت اور مرد دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر کہنے لگا، یا رسول اللہ! اگر میں اب اس عورت کو رکھوں تو میں نے اس پر ظلم کیا۔ الغرض عویمر نے اس کو طلاق دے دی۔ پھر اس کے بعد لعان کرنے والوں کے درمیان یہی طریقہ قائم ہو گیا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کی نسبت سے تہمت لگائی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہلال سے فرمایا: "تم (چار) گواہ لاؤ، نہیں تو تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی۔" انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی کو برا کام کرتے ہوئے دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے؟ تاہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی کہتے رہے: "گواہ لاؤ،

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل: (والذین یرمون أزواجہم ولم یکن لہم شہداء۔۔الخ): ۴۷۴۵۔ مسلم، کتاب اللعان: ۱۴۹۲]

ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی۔" ہلالؓ نے کہا، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ضرور کوئی ایسا حکم اتارے گا جس سے میری پیٹھ سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) اترے اور یہ آیت نازل ہوئی: (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ)[النور:٦] "اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ بلاشبہ یقیناً وہ سچوں سے ہے۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب (ان آیتوں کے نزول کے بعد) فارغ ہوئے تو ہلالؓ کی بیوی کو بلوایا۔ ہلال نے لعان کی گواہیاں دیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے تھے: "دیکھو! اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرتا ہے؟" پھر عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی گواہیاں دے دیں، جب پانچویں گواہی کا وقت آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا، یہ پانچویں گواہی (اگر جھوٹ ہے) تو تجھ کو عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ ابن عباسؓ نے کہا، یہ سن کر وہ عورت ذرا جھجکی اور رک گئی، ہم سمجھے کہ وہ اقرار کر لے گی (لیکن ایسا نہیں ہوا) اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو تمام عمر کے لیے رسوا نہیں کر سکتی اور پانچویں گواہی بھی اس نے دے دی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اب دیکھتے رہو، اگر اس کا بچہ کالی آنکھوں والا، موٹے سرین والا، موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا نطفہ ہے۔" پھر اس عورت کا بچہ اسی صورت کا پیدا ہوا تو اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ کا لعان کے

بارے میں یہ حکم نہ اترا ہوتا تو میرا اور اس عورت کا معاملہ (کچھ اور) ہوتا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا، یا رسول اللہ! اگر میں اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دیکھوں تو کیا اس کو چار گواہ لانے تک مہلت دوں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں!"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنی عجلان کے مرد اور عورت میں علیحدگی کرادی اور (لعان سے پہلے) آپ نے فرمایا: "اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرتا ہے؟" تاہم ان دونوں نے توبہ سے انکار کیا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر فرمایا: "اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا کوئی توبہ کرتا ہے؟" ان دونوں نے پھر انکار کیا۔ آپ نے پھر فرمایا: "اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا کوئی توبہ کرتا ہے؟" اب کی بار بھی دونوں نے توبہ سے انکار کیا تو آخر آپ نے (لعان کے بعد) ان دونوں کو جدا کر دیا۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں اپنی بیوی سے لعان کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دونوں میں جدائی کرا دی اور بچے کا نسب ماں سے ملا دیا۔[4]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! میرے ہاں ایک بچہ کالے رنگ کا پیدا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "تیرے پاس اونٹ ہیں؟"

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ویدرؤا عنہا العذاب): ۴۷۴۷]

۲۔ [مسلم، کتاب اللعان: ۱۴۹۸/۱۵]

۳۔ [بخاری، کتاب الطلاق، باب صداق الملاعنۃ: ۵۳۱۱]

۴۔ [مسلم، کتاب اللعان: ۱۴۹۴]

کہنے لگا، جی ہاں! آپ نے فرمایا: "ان کا رنگ کیسا ہے؟" اس نے کہا، سرخ۔ آپ نے فرمایا: "ان اونٹوں میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟" اس نے کہا، جی ہاں! آپ نے فرمایا: "پھر یہ خاکی رنگ کہاں سے آ گیا؟" وہ کہنے لگا، شاید کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو؟ آپ نے فرمایا: "تو یہاں بھی کسی رگ نے اس رنگ کو کھینچ لیا ہوگا۔"[1]

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا
لَّكُم ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ
مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾
لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ
خَيْرًا ۙ وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ
شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ
الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ ﴾

---

[1] ۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا عرّض بنفی الولد: ۵۳۰۵۔ مسلم، کتاب اللعان: ۱۵۰۰]

بیشک جولوگ (حضرت عائشہ پر) بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے، تم اس واقعہ کو اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ کمایا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔(۱۱) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے دل میں نیک گمان کیا اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا بہتان ہے۔(۱۲) پھر وہ (تہمت لگانے والے) اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پس جب وہ گواہ نہیں لا سکتے تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔(۱۳) اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس (شغل میں) تم پڑے تھے اس کی وجہ سے تم پر بہت بڑا عذاب واقع ہو جاتا۔(۱۴)

شان نزول: (آیت) "۔ان الذین جآء وبالافک عصبۃ"۔(الخ)

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کسی سفر پر تشریف لے جانا چاہتے تو بیویوں میں قرعہ ڈالتے جس کا نام نکل جاتا اس کو ساتھ لے جاتے ایک مرتبہ ایک جہاد پر تشریف لے گئے اور قرعہ میں میرا نام نکل آیا اس لیے میں حضور

اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ چل دی یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے بعد کا ہے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دستور تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا، اسے سفر میں ساتھ لے جاتے۔ حسب معمول ایک مرتبہ ایک لڑائی سے قبل آپ نے ہمارے درمیان قرعہ ڈالا۔ اس میں میرا نام نکل آیا، سو میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ چلی گئی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا، چنانچہ مجھے ایک ہودج میں بٹھا کر (اونٹ پر) چڑھا دیا جاتا اور اسی طرح اتار لیا جاتا تھا، بہرحال ہم اسی طرح سفر کرتے رہے۔ جب اس جہاد سے لوٹے اور ہم مدینہ کے نزدیک پہنچے تو ایک رات آپ نے (بعد از قیام) کوچ کے لیے اعلان کرایا، سو جب کوچ کے لیے پکارا گیا تو میں بھی اٹھی اور (حاجت کے لیے) چلی گئی اور لشکر سے دور نکل گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی اور اپنی جگہ آئی تو اب جو میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ میں پھر لوٹی اور ہار ڈھونڈنے لگی اور اسے ڈھونڈنے میں مجھے دیر ہوگئی۔ ادھر وہ لوگ آن پہنچے جو میرا ہودج اٹھایا کرتے تھے۔ وہ سمجھے میں ہودج ہی میں بیٹھی ہوئی ہوں، سو انھوں نے ہودج اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا، جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ اس زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں، ذرا سا کھانا کھاتی تھیں اور موٹی و پر گوشت نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے جب ہودج اٹھانے والوں نے ہودج اٹھایا تو انھوں نے اس کے ہلکا ہونے کو محسوس نہیں کیا، دوسرا میں اس وقت تھی بھی ایک کم سن لڑکی، غرض یہ کہ انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہو گئے۔ جب سارا لشکر وہاں سے چلا گیا، اس وقت میرا ہار ملا۔ میں جو پڑاؤ کی جگہ آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ وہاں نہ کوئی بات کرنے والا ہے اور نہ کوئی جواب دینے والا، آخر (مجبور ہو کر) میں اس مقام پر چلی

گئی جہاں میں ٹھہری تھی۔ میں نے سوچا کہ جب قافلے والے مجھے (ہودج میں) نہیں پائیں گے تو یہیں ڈھونڈتے ہوئے آئیں گے، سو نا چار میں اسی جگہ بیٹھی تھی کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔ ایک شخص تھا صفوان بن معطل سلمی ذکوانؓ وہ (اتفاقاً رہ جانے والی اشیاء اٹھانے کے لیے) لشکر کے پیچھے رہا کرتا تھا، وہ جو میری جگہ آیا تو اس نے دیکھا کہ کوئی شخص سو رہا ہے، پھر قریب آتے ہی اس نے مجھے پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم اترنے سے پہلے اس نے مجھے دیکھا تھا، چنانچہ اب اس نے مجھے پہچان کر (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ) پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً چادر سے اپنا منہ چھپا لیا۔ اللہ کی قسم! نہ ہم دونوں نے کوئی بات کی اور نہ میں نے اس کی کوئی بات سنی، سوائے (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ) کے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور میں اونٹ پر سوار ہوگئی اور وہ اونٹ کو آگے سے پکڑے ہوئے چلتے رہے، یہاں تک کہ ہم دونوں سخت گرمی کے وقت ٹھیک دوپہر کو لشکر میں پہنچے۔ اس وقت لشکر کے لوگ آرام کے لیے پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ پھر جو لوگ تباہ ہونے والے تھے وہ تباہ ہوئے اور ان طوفان اٹھانے والوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں سفر سے مدینہ آئی تو بیمار ہوگئی اور ایک مہینے تک یہ بیماری چلتی رہی۔ ادھر لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا تھا، تاہم مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ذرا سا شک اس وجہ سے تو ہوتا تھا کہ جیسی شفقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ پر پہلے کرتے تھے ویسی میں نے اس بیماری میں نہیں پائی۔ آپ اندر آ کر سلام کرتے اور صرف یہ پوچھتے کہ تمہاری طبیعت کیسی ہے اور پھر واپس چلے جاتے۔ اس بات سے مجھے شک ہوتا لیکن طوفان کی مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ جب میں بیماری سے ذرا صحت یاب ہوئی تو مسطح کی ماں کے ساتھ "مناصع" کی طرف گئی۔ وہاں ہم لوگ قضائے حاجت کے لیے جایا

کرتے تھے اور ہم صرف رات ہی کو قضائے حاجت کے لیے جاتے۔ اس زمانہ میں ہمارے گھروں کے ساتھ بیت الخلا نہیں بنے تھے اور ہم اگلے زمانے کے عربوں کی طرح جنگل میں قضائے حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ گھروں میں بیت الخلا بنانے سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی۔ خیر میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے نکلیں، وہ ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور ان کی والدہ (رانطہ) صخر بن عامر کی بیٹی اور ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھیں، ان کے بیٹے مسطح بن اثاثہ ہیں، تو جب میں اور وہ دونوں قضائے حاجت سے فارغ ہوکر گھر کی طرف آرہی تھیں تو اس وقت ان کا پاؤں ان کی چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں اور کہنے لگیں، مسطح برباد ہوجائے۔ میں نے کہا، تم نے بری بات کہی، مسطح تو بدر کی لڑائی میں شریک تھا اور تم اس کو برا کہتی ہو۔ انھوں نے کہا، ارے! کیا تم نے مسطح کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا، کیا بات؟ تو جب انھوں نے سب حالات بیان کیے تو میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں گھر پہنچی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس آئے اور آپ نے سلام کیا تو پوچھا: "اب طبیعت کیسی ہے؟" میں نے عرض کی، آپ مجھے میرے ماں باپ کے پاس جانے کی اجازت دے دیجیے۔ میری نیت یہ تھی کہ میں ان کے پاس جا کر اس خبر کی تصدیق کروں گی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ میں اپنے ماں باپ کے پاس چلی آئی، میں نے اپنی ماں سے کہا، اے اماں! یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انھوں نے کہا، اے بیٹی! تو اتنا رنج نہ کر، اللہ کی قسم! ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب کسی خوبصورت خاتون کی سوکنیں ہوں اور شوہر اس کو چاہتا ہو تو وہ سوکنیں ایسی تدبیریں کرتی ہی رہتی ہیں۔ میں نے کہا، سبحان اللہ! کیا لوگ ایسی باتیں منہ سے نکال رہے ہیں؟ کہتی ہیں کہ وہ ساری رات روتے ہوئے گزری، صبح تک نہ آنسو تھمے تھے اور نہ نیند آئی، صبح کو بھی میں رو رہی تھی۔ ادھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب

وحی اترنے میں دیر ہوتے دیکھی تو علی اور اسامہ بن زیدؓ کو بلایا، ان سے پوچھا اور اپنی بیوی کو چھوڑنے کے سلسلہ میں ان سے مشورہ لیا۔ اسامہؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہی مشورہ دیا جو وہ جانتے تھے کہ وہ ایسی باتوں سے پاک ہیں۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے۔ انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم ان کو نیک سمجھتے ہیں۔ علیؓ نے کہا، یا رسول اللہ! اللہ نے آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں رکھی اور بہت سی عورتیں ہیں (لیکن) آپ ذرا لونڈی (بریرہؓ) سے تو پوچھیے! وہ سچ سچ ان کا حال بتادے گی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بریرہؓ کو بلایا اور پوچھا: "بریرہ! کیا تو نے عائشہ سے کبھی کوئی ایسی بات دیکھی ہے، جس سے ان کی پاک دامنی میں شک پیدا ہو؟" بریرہ نے کہا، اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے! میں نے تو کبھی کوئی بات ان میں عیب کی نہیں دیکھی، اتنی بات ضرور ہے کہ ابھی کم عمر لڑکی ہیں، گھر میں آٹا گوندھا ہوا رکھا ہوتا ہے اور وہ سو جاتی ہیں تو بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور اسی دن آپ نے عبداللہ بن ابی کی شکایت کی، آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا: "اے مسلمانو کے گروہ! اس شخص سے کون میرا بدلہ لیتا ہے، جس کی اذیت رسائی اب میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کے بارے میں سوائے خیر کے کوئی بات نہیں جانتا اور نہ اس شخص میں جس پر تہمت لگائی گئی ہے، سوائے خیر کے کوئی بات جانتا ہوں۔ وہ جب کبھی میرے گھر گیا تو میرے ساتھ گیا۔" یہ سنتے ہی سعد بن معاذ، جو بنی عبدالاشہل قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میں آپ کا بدلہ لیتا ہوں۔ اگر یہ تہمت لگانے والا میرے قبیلہ اوس میں سے ہے تو ابھی اس کی گردن اڑادوں گا اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہوا تو آپ حکم دیجیے،

جو آپ حکم دیں گے، وہ ہم بجالائیں گے۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں، یہ سن کر سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے، وہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ نیک آدمی تھے، مگر اس کی قوم کی حمیت نے اسے ابھارا۔ وہ سعد بن معاذؓ سے کہنے لگے، اللہ کی بقا کی قسم! تم غلط کہتے ہو، تم اس کو نہیں مار سکتے اور نہ اس کی قدرت رکھتے ہو۔ یہ سن کر اسید بن حضیرؓ کھڑے ہوئے، جو سعد بن معاذؓ کے چچا زاد بھائی تھے، انھوں نے سعد بن عبادہؓ سے کہا، تم جھوٹے ہو، اللہ کی بقا کی قسم! ہم ضرور اس کو قتل کریں گے، تم منافق ہو، تب ہی تو منافق کی حمایت کرتے ہو۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں، اس پر دونوں قبیلے اوس اور خزرج کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر کھڑے تھے، آپ انھیں خاموش کرانے لگے، یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی خاموش ہو گئے۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں، میں سارا دن مسلسل روتی رہی، نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی، اب جب (دوسری) صبح ہوئی تو میرے ماں باپ بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں دو رات اور ایک دن سے مسلسل رو رہی تھی۔ اس عرصہ میں مجھے نہ نیند آئی تھی اور نہ آنسو تھمتے تھے۔ والدین سوچنے لگے کہ کہیں روتے روتے میرا کلیجہ نہ پھٹ جائے۔ میرے ماں باپ بھی میرے پاس تھے اور میں رو رہی تھی کہ انصار کی ایک عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے اجازت دے دی اور وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگ گئی۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اتنے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، حالانکہ جس دن سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی، اس دن سے آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ (تہمت کے بعد) ایک مہینا تک آپ نے انتظار کیا اور میرے معاملہ میں کوئی وحی آپ پر نہیں آئی تھی۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں، آپ نے

بیٹھ کر خطبہ پڑھا، پھر فرمایا: "امابعد! اے عائشہ! مجھے تمہاری طرف سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے، اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ عنقریب تمہاری پاک دامنی بیان کر دے گا اور اگر تم کسی گناہ میں آلودہ ہو گئی ہو تو اللہ سے معافی مانگو، کیونکہ بندہ اگر اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کر لے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔" سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بات مکمل کر چکے تو اچانک میرے آنسو بند ہو گئے اور ایسے بند ہوئے کہ پھر ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میری طرف سے جواب دیجیے۔ انھوں نے کہا، اللہ کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کی بات کا کیا جواب دوں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات کا آپ جواب دیجیے۔ انھوں نے بھی یہی کہا، اللہ کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں؟ بالآخر میں نے خود ہی کہنا شروع کیا، اس وقت میں ایک کم سن لڑکی تھی، قرآن بھی میں نے زیادہ نہیں پڑھا تھا، میں نے کہا، اللہ کی قسم! آپ لوگوں نے یہ بات سنی اور وہ بات آپ لوگوں کے دل میں جم گئی اور آپ لوگوں نے اس کو سچ سمجھا، اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے، لیکن اگر میں گناہ کا اقرار کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ تصدیق کریں گے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس آپ لوگوں کے لیے کوئی مثال نہیں ہے، سوائے یوسف (علیہ السلام) کے والد کے اس ارشاد کے کہ انھوں نے کہا تھا: "پس صبر ہی اچھا ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ ہی میرا مددگار ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اپنا منہ پھیر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے معلوم تھا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، سو وہ ضرور میری پاک دامنی بیان کرے گا، مگر مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ میرے بارے میں قرآن

اترے گا، جو (قیامت تک) پڑھا جائے گا، کیونکہ میں اپنی حیثیت اتنی نہیں سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کلام کرے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ شاید رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے معاملہ میں کوئی خواب دکھایا جائے گا، جس کے ذریعے سے اللہ میری پاک دامنی ظاہر کر دے گا۔ پھر اللہ کی قسم! ابھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی جگہ سے جہاں بیٹھے ہوئے تھے، سر کے بھی نہ تھے اور نہ گھر کا کوئی آدمی باہر گیا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر طاری ہوئی جو وحی کے نازل ہوتے وقت طاری ہوتی تھی، یعنی آپ کو پسینا آ گیا اور پسینا موتیوں کی طرح آپ کے جسم اطہر سے ڈھلنے لگا، حالانکہ سردی کے دن تھے۔ یہ کیفیت آپ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوتی تھی جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔ الغرض، جب وحی کی حالت موقوف ہو گئی تو آپ مسکرائے اور پہلی بات جو آپ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی: "اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاک دامنی بیان فرما دی۔" اس وقت میری والدہ کہنے لگیں، اٹھو! آپ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں تو آپ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، میں تو بس اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے میری پاک دامنی کے سلسلہ میں دس آیتیں نازل فرمائیں۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدہ عائشہؓ سے ان کی آخری بیماری میں عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، جب اجازت ملی تو فرمانے لگے، آپ تو وہ ہیں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیوی ہیں اور آپ کے علاوہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور جب آپ کے خلاف منافقین کی طرف سے طوفان کھڑا کیا گیا اور بہتان لگایا گیا تو

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسہم خیرًا۔۔الخ): ۴۷۵۰]

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آپ کی پاکدامنی میں قرآن نازل فرمایا۔ [1]

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْم : سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے اس تہمت کا بڑا بوجھ اٹھایا تھا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافق) تھا۔ [2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت کی آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے برأت پر مشتمل آیات کو تلاوت فرمایا، اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور حکم دیا کہ دو مردوں (یعنی حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہؓ اور ایک عورت (حمنہ بنت جحشؓ کو حد قذف لگائی جائے، چنانچہ ان کو حد کے کوڑے مارے گئے۔ [3]

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہؓ کے پاس تھا کہ سیدنا حسان بن ثابتؓ نے آپؓ سے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی، میں نے عرض کی کہ آپ انھیں بھی اجازت دے دیتی ہیں؟ (حالانکہ انھوں نے بھی آپ پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تھا) اس پر سیدہ عائشہؓ نے کہا، کیا انھیں اس کی ایک بڑی سزا نہیں ملی؟ سفیان نے کہا کہ ان کا اشارہ ان کے نابینا ہونے کی طرف تھا۔ سیدنا حسانؓ نے اس وقت سیدہ عائشہؓ کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاک دامن اور بڑی عقل مند ہیں کہ ان کے متعلق کسی کو کوئی شبہ بھی نہیں گزرا، وہ غافل، پاک دامن عورتوں کا گوشت کھانے سے مکمل پرہیز کرتی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ [4]

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ولولا إذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا أن نتکلم بھذا): ۴۷۵۳]

۲۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الإفک: ۴۱۴۱]

۳۔ [أبوداؤد، کتاب الحدود، باب فی حد القاذف: ۴۴۷۴۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورہ النور: ۳۱۸۱]

۴۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (یعظکم اللہ أن تعودوا لمثلہ أبدًا): ۴۷۵۰]

اس آیت کے تین مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس بہتان کو سن کر اپنے دلوں میں (عائشہؓ کے متعلق) اچھا گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ صریح بہتان ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس بہتان کو سن کر مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے بارے میں اچھا گمان کرتے۔ یعنی تم اپنے متعلق سوچتے کہ اگر تم اپنی ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ اکیلے ہوتے تو کبھی یہ حرکت کرتے۔ تو تم نے یہ کیسے گمان کر لیا کہ صفوانؓ اپنی اور تمام مومنوں کی ماں کے ساتھ ایسا خیال بھی کرے گا، بلکہ کیا تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی قافلے سے بچھڑی ہوئی کوئی خاتون مل جائے تو اس کے ساتھ ایسی خسیس حرکت کرو۔ یہ وہی شخص سوچ سکتا ہے جس میں ایمان نہ ہو اور انتہائی گندے ذہن کا مالک ہو، وہ دوسرے کو بھی ایسا ہی گندا سمجھے گا جیسا خود گندا ہے۔ پاک باز شخص دوسرے کے متعلق بھی پاک بازی ہی کا گمان کرے گا۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ "بِاَنْفُسِهِمْ" سے مراد دوسرے مومن ہیں، کیونکہ تمام مومن ایک جان کی مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ) [النساء: ۲۹] "اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔" اور فرمایا: (فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ) [النور: ٦١] "اپنے آپ کو سلام کہو۔" اور فرمایا: (وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ) [الحجرات: ۱۱] "اور اپنے آپ پر عیب نہ لگاؤ۔" مراد کسی دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے کو سلام کہنا اور کسی دوسرے پر عیب لگانا ہے۔ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے بارے میں یعنی دوسرے مومنوں کے بارے میں اچھا گمان کرتے، کیونکہ وہ اور دوسرے مومن ایک ہی ہیں۔ نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا

تَدَاعٰی لَهُ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی)[1] "تم مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم، ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور ایک دوسرے پر شفقت کے معاملہ میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہو تو اس کی خاطر سارا جسم بخار اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ : صاف جھوٹ اور صریح بہتان اس لیے کہ جو کچھ ہوا اس میں شک کی گنجائش ہی نہ تھی، ام المومنین ؓ دن کے وقت عین دوپہر کی روشنی میں صفوان بن معطل ؓ کی سواری پر آ رہی ہیں۔ صفوان مہار پکڑے ہوئے ہیں، پورا لشکر آپ کو دیکھ رہا ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنفس نفیس موجود ہیں۔ اگر (بالفرض) شک والی کوئی بات ہوتی تو وہ چھپ چھپا کر آتے، اکٹھے آنے کی جرات نہ کرتے اور دن کے بجائے رات کو آتے، جیسا کہ یوسف (علیہ السلام) کے بھائی رات کو آئے تھے، فرمایا: (وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ)[یوسف:۱۶] "اور وہ اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے آئے۔" اس لیے یہ بات واضح تھی کہ ام المومنین ؓ پر جو الزام لگایا گیا صاف جھوٹ اور صریح بہتان ہے اور ایمان والے ہر مرد اور عورت کو یہی کہنا لازم ہے۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک تشریعی حکم کی تعلیم دی گئی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ بات اپنی زبان سے کہی، تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ مسلمان اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کرتے اور وہ چار کیا ایک گواہ بھی پیش نہیں کر سکتا تھا تو اس کا جھوٹ اسی کی طرف لوٹ جاتا اور اس پر بہتان تراشی کی حد جاری کی جاتی، لیکن مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا، اسی لیے اس آیت کریمہ میں ان کو ڈانٹ پلائی گئی ہے کہ تم لوگوں نے اس منافق کی تکذیب کیوں نہیں کی اور مسلم معاشرے میں اسے شر پھیلانے کا موقع کیوں دیا

---

[1] ۔[صحیح بخاری، الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم: ۶۰۱۱]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ۔۔: یعنی اگر دنیا میں تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا کہ اس نے تمہیں دنیا میں بیشمار نعمتیں دی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ گناہ پر فوراً مواخذہ کے بجائے وہ مہلت دیتا ہے اور اگر آخرت میں اس کا فضل نہ ہوتا کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے، تو تم جس کام (بہتان) میں مشغول ہوئے تھے اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب آلیتا۔

﴿ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ﴾

”جب تم اس (جھوٹ) ایک دوسرے کی زبان سے پھیلا رہے تھے اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے۔ جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ ایک بہت بڑی بات تھی۔

وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ : حالانکہ بہتان کسی پر بھی ہو، اللہ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے، تو جب وہ ام المومنین پر ہو، جو خاتم الانبیاء، سید المرسلین اور سید ولد آدم (علیہ السلام) کی بیوی ہے تو کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ رازی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تین گناہوں کا مرتکب قرار دیا اور اس پر عذاب عظیم کے خطرے سے آگاہ فرمایا۔ پہلا گناہ یہ کہ ایک دوسرے سے سن کر اسے پھیلانا برائی کی اشاعت ہے، جو بہت بڑا گناہ ہے۔ دوسرا گناہ وہ بات کرنا ہے جس کا علم نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہی بات کرنی چاہیے جس کا علم ہو، ایسی بات کرنا جس کے سچا ہونے کا علم نہ ہو اسی طرح حرام ہے جیسے وہ بات کرنا حرام ہے جس کے جھوٹا ہونے کا علم ہو، جیسا کہ فرمایا: (وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ) [بنی اسرائیل: ۳۶]

"اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔" اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ) [مسلم، المقدمة: ۵] "آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر بات جو سنے آگے بیان کر دے۔" تیسرا گناہ یہ کہ وہ اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ: مجاہدؒ نے کہا کہ "اِذْ تَلَقَّوْنَه" کے معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے بعض، بعض سے اس واقعے کا ذکر کرتے تھے۔ [1]

سیدہ عائشہؓ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتی تھیں: (اِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ) "جب تم اپنی زبانوں سے اس (جھوٹ) کو مسلسل پھیلا رہے تھے۔" [2]

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ: یعنی تم ام المومنین کے بارے میں جو بات کر رہے تھے تو اسے ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھتے تھے، ام المومنین اگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ محترمہ نہ ہوتیں، تو پھر بھی یہ کوئی ہلکی اور معمولی بات نہیں تھی، مگر وہ تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ کے رسول کی بیوی کے بارے میں ایسی بات کی جائے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "انسان بعض اوقات اللہ کی ناراضی کا کوئی کلمہ کہہ گزرتا ہے جس کی کوئی وقعت اس کے نزدیک نہیں ہوتی، لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم (کے اتنے نچلے طبقے) میں

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ۔۔الخ)، قبل الحدیث: ۴۷۵۱]
۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب: (اِذ تلقونہ بألسنتکم۔۔الخ): ۴۷۵۲]

پہنچ جاتا ہے کہ جتنا دور مغرب مشرق سے ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" صحابہ نے کہا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہارا ایسے انداز میں اپنے مسلمان بھائی کا ذکر کرنا جسے وہ پسند نہ کرے۔" کہا گیا، اے اللہ کے رسول! اگر مسلمان بھائی میں وہ غلطی موجود ہو جس کا میں ذکر کروں تو (کیا یہ بھی غیبت ہے)؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر اس میں وہ عیب موجود ہو جس کا ذکر تو کرے تو یقیناً تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ چیز موجود ہی نہیں جو تو نے اس کے متعلق بیان کی تو پھر تو نے اس پر بہتان باندھا۔"[2]

سیدنا ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ کونسا اسلام (یعنی مسلمان) بہتر اور افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"[3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے، یا خاموش رہے۔"[4]

تمام نیکیوں کا مدار

۱۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔۔الخ: ۶۴۷۷، ۶۴۷۸۔ مسلم، کتاب الزھد، باب حفظ اللسان: ۲۹۸۸]

۲۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ: ۲۵۸۹]

۳۔ [بخاری، کتاب الإیمان، باب أی الإسلام أفضل؟: ۱۱]

۴۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔۔الخ: ۶۴۷۵]

حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کردے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جن کے لیے اللہ آسان کردے اس کے لیے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو، آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتادوں (یا درکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے، خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھادیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت "تتجافی جنوبھم عن المضاجع ۔۔یعملون"۔ تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتادوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتادوں جس پر ان سب کا مدار ہے، میں نے عرض کیا ضرور فرمایئے ،حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ

اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾

اور جب تم نے اس کو سنا تھا، تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنا بھی زیب نہیں دیتا، اے اللہ تو پاک ہے۔ یہ بڑا بہتان ہے۔(۱۶) اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا، اگر تم مومن ہو۔(۱۷) اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیات صاف بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔(۱۸)

کسی مسلمان عورت کے بارے میں ایسے تہمت بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کے رسول کی زوجہ محترمہ کے بارے میں ایسی غلط بیانی کا جرم عظیم ہونا تو بالکل واضح ہے۔ سو تمہیں تو سنتے ہی کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اس میں تو غور وفکر کی بھی گنجائش نہیں ہم ایسی لغو بات زبان پر لا کر اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ محترمہ کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات کو صاف صاف اور کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ اچھے اور برے امور سے خوب واقف ہے اس لیے بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے منع فرماتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات سے باخبر ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرما لیا ہے، جب تک وہ زبان سے نہ کہیں، یا اسے عمل میں نہ لائیں۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، اس لیے کہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔"[2]

سیدنا حفص بن عاصمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات جو وہ سنے اسے بیان کر دے۔"[3]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب چھپا لیتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔"[4]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

۱۔[بخاری، کتاب العتق، باب الخطأ والنسیان فی العتاقۃ۔۔الخ: ۲۵۲۸۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس۔۔الخ: ۱۲۷]

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب: (یأیھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن۔۔الخ): ۶۰۶۶]

۳۔[مسلم، المقدمۃ، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع: ۵]

۴۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۸۰]

رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾

بیشک جولوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔(۱۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور بلاشبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔(۲۰)

اللہ تعالیٰ کے احکام واضح ہیں کہ کسی پاکدامن عورت اور مرد پر تہمت نہ لگائی جائے۔ کیونکہ اس سے ایک طرف انفرادی طور پر مسلمان کی بے حرمتی ہوتی ہے اور دوسری طرف معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے۔ جس معاشرے میں پاکدامن مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں وہاں بے شرمی اور بے حیائی عام ہوجاتی ہے۔ جولوگ بے حیائی کو پھیلاتے اور رواج دیتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اذّیت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پہلی ذلت یہ ہے کہ اسے سرعام اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں ظاہر ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوسکتی ہے۔ دوسری ذلت یہ ہے کہ وہ اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے جس وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ آخرت میں اس کے لیے عظیم عذاب کی سزا ہے۔ جس معاشرے میں بے حیائی عام ہوجائے وہاں کسی کی عزت سلامت نہیں رہتی۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ پامال ہوجاتا ہے اور عزت والا شخص اپنی عزت کے بارے میں ہر وقت ایک خوف محسوس کرتا ہے۔ جہاں تک بے حیائی پھیلانے والوں کا تعلق ہے وہ بھی قلبی سکون سے محروم ہوجاتے ہیں بظاہر وہ کتنے ہی فیشن ایبل اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے ہوں۔ لیکن اندر سے کھوکھلے ہوجاتے ہیں دل کا سکون

پانے کے لیے ایسے مرد اور عورتیں شراب نوشی اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرتے ہیں بالآخر اپنی صحت بھی برباد کر لیتے ہیں اکثر اوقات ان کا دنیا میں بھی انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ فیشن اور آزادی کے نام پر بے حیائی پھیلاتے ہیں جنہیں پہچاننا اور ان سے بچنا قدرے مشکل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو تنبیہ کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے اور مسلمانوں تم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کس کس طریقے سے تمہارے درمیان بے حیائی پھیلاتے ہیں۔ بے حیا لوگوں کی بے حیائی سے بچنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا: (قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)[الاعراف:۳۳] "کہہ دے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔" اور فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ)[النحل:۹۰] "بیشک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ فرما رہے تھے: "میری امت کا ہر فرد درگزر کے قابل ہوگا، سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرنے والے ہوں

گے اور یہ بھی اعلانیہ گناہ میں سے ہے کہ آدمی رات کو کوئی (گناہ کا) کام کرے، پھر صبح کو، باوجود اس بات کے کہ اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا، وہ کہے، اے فلاں شخص! گزشتہ رات میں نے اس طرح کیا، حالانکہ اس نے وہ رات اس طرح گزاری تھی کہ اس کے رب نے اس کی پردہ پوشی کر دی تھی اور یہ صبح کو وہ پردہ چاک کر رہا ہے جو اللہ نے اس پر ڈال دیا تھا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لایا گیا، اس نے شراب پی ہوئی تھی، آپ نے اسے زدوکوب کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم میں سے کوئی اسے اپنے ہاتھ سے، کوئی اپنے جوتے سے اور کوئی اپنے کپڑے سے مار رہا تھا۔ پھر جب وہ (آدمی) چلا گیا تو ایک آدمی نے کہا، کیا ہو گیا ہے اسے، اللہ اسے رسوا کرے۔ آپ نے فرمایا: "(اس طرح مت کہو) اپنے بھائی کے مقابلے میں شیطان کی مدد مت کرو۔"[2]

سیدنا ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ، نہ انھیں طعنہ دو اور نہ ان کے عیوب تلاش کرو، کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب تلاش کرے گا، یہاں تک کہ اسے اس کے گھر میں بھی رسوا کر دے گا۔"[3]

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب ستر المؤمن علی نفسہ: ۶۰۶۹۔ مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن ھتک ال إنسان ستر نفسہ: ۲۹۹۰]

۲۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر۔۔الخ: ۶۷۸۱]

۳۔ [مسند أحمد: ۵/۲۷۹، ح: ۲۲۴۶۴، اسنادہ صحیح]

يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو وہ (اسے) بے حیائی اور بری باتوں ہی کا حکم دے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی (توبہ کر کے) پاک نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

علامہ ابن الاثیر الجزری ؒ نے لکھا ہے کہ الفحش اور الفحشاء ہر اس معصیت اور گناہ کو کہتے ہیں جس کا قبح بہت زیادہ ہو اس کا اکثر اطلاق زنا پر کیا جاتا ہے اور ہر قبیح قول یا فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے، حدیث میں ہے اللہ ہر فاحش اور متفحش سے بغض رکھتا ہے۔ [1]

فاحش کا معنی ہے جو شخص برے کام کرے اور بری باتیں کرے اور متفحش کا معنی ہے جو شخص تکلفاً اور قصداً برے کام اور بری باتیں کرے۔ [2]

۱۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

۲۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

المنکر، المعروف کی ضد ہے، قرآن مجید اور احادیث میں منکر کا بہ کثرت ذکر ہے اور یہ ہر وہ کام اور ہر وہ فعل ہے جو شرعاً معیوب اور قبیح ہو یا جس کام کو شریعت نے مکروہ یا حرام قرار دیا ہو۔ [1]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ۔۔: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی شخص کسی طرح بھی اپنے آپ کو پاک نہیں رکھ سکتا، نہ پاک کر سکتا ہے۔ اگر انسان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو کوئی انسان بھی پاک نہ رہ سکے، کیونکہ شیطان اور اس کے لشکر اسے گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور "فحشاء" اور "منکر" کو خوش نما بنا کر اس کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں، نفس امارہ ان کی طرف مائل ہے اور ان کا حکم دیتا ہے۔ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے، یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہی ہے جس کی بدولت کوئی شخص گناہوں سے پاک رہتا ہے، یا گناہ کے بعد توبہ کے ساتھ پاک ہوتا ہے۔

اس مقام پر ان الفاظ سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعہ افک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہ جاتے جس میں بعض مسلمان بہ گئے تھے۔ اس لیے شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے ان کو زیادہ ہدف ملامت نہ بناؤ، بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کرو۔

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ : یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے، مگر اس کی مشیت اندھی نہیں، بلکہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اپنے اس علم ہی کی وجہ سے جسے پاک کرنے کے لائق جانتا ہے پاک کر دیتا ہے، جیسا کہ فرمایا: (اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ

---

[1] ۔(النہایہ ج ۵ ص ۱۰۱، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸)

اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ) [القصص:۵۶] "بیشک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔"

﴿ وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ ﴾

اور جو لوگ تم میں سے فضل والے اور وسعت والے ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتے داروں اور مسکینوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے۔ اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

شان نزال: (آیت) "وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ

یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کے خالہ زاد بھائی مسطح نے بھی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا اور جب حضرت عائشہ کی برات نازل ہوگئی اور مسطح کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو

حضرت ابوبکرؓ کو بہت رنج ہوا، کیونکہ مسطح یتیم تھے اور ان کی حضرت ابوبکرؓ نے پرورش کی تھی سو انہوں نے کہا میں اب مسطح پر بالکل خرچ نہیں کروں گا۔ مسطح نے معافی مانگی اور معذرت کی لیکن حضرت ابوبکرؓ سخت غم وغصہ میں تھے وہ دوبارہ مسطح کے اخراجات بحال کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کیوں نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے اور میں اب مسطح پر پہلے سے زیادہ خرچ کروں گا۔ [1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (میرے بارے میں) یہ آیتیں نازل فرمائیں: (اِنَّ الَّذِيْنَ جَاۗءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ ۔۔ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ)[النور:۱۱ تا ۲۰] پوری دس آیتیں نازل ہوئیں۔ تو جب یہ آیتیں میری پاک دامنی ظاہر کرنے کے لیے اتریں، تو ابوبکر صدیقؓ جو مسطح بن اثاثہؓ سے رشتہ داری اور مفلسی کی وجہ سے اس پر خرچ کیا کرتے تھے، کہنے لگے اللہ کی قسم! اب میں مسطح کو کبھی کچھ نہیں دوں گا، اس نے عائشہ کے متعلق اس طرح کی باتیں کی ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: (وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[النور:۲۲] "اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے اس بات سے قسم نہ کھالیں کہ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دیں اور لازم ہے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" [2]

۱۔(جامع البیان جز۱۸ ص۱۳۷۔۱۳۶، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون۔۔الخ): ۴۷۵]

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا : یعنی اس برائی اور تکلیف سے جو انھوں نے پہنچائی ہے، اس پر بھی انھیں معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ یہ آیت کریمہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں صدیق اکبرؓ کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ پر شفقت و درگزر کریں۔ عفو و درگزر کی فضیلت پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں، سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "صدقہ و خیرات کرنے سے مال میں کچھ کمی نہیں آتی اور معاف کرنے میں اللہ تعالیٰ بندے کو مزید عزت و اکرام ہی سے نوازتے ہیں اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کر دیتا ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں اور میں ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اگر تیری بات درست ہے تو گویا کہ تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیرے ساتھ ہمیشہ (ایک فرشتہ) ان کے خلاف مددگار رہے گا جب تک تو اس کی پابندی کرے گا۔"[2]

سیدنا اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔"[3]

۱۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸]

۲۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتہا: ۲۵۵۸]

۳۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ: (قل ادعوا اللہ۔۔الخ): ۷۳۷۷۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت: ۹۲۳]

سیدنا جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔"[1]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾﴾

جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو محض بے خبر (اور) ایمان والی ہیں (تو) وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۲۳) جس دن ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال کی جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۲۴) اس دن اللہ ان کو انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔ جس کے وہ مستحق ہیں اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ برحق اور حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔ (۲۵)

---

[1] [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ: (قل ادعوا اللہ أو ادعوا الرحمٰن۔۔الخ): ۷۳۷۶]

شان نزول: (آیت) "۔ان الذین یرمون المحصنت "۔(الخ)

نیز ضحاک بن مزاحم ؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ خاص طور پر ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

ابن ابی حاتم ؒ نے سعید بن جبیرؓ کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور ابن جریرؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ جو کچھ میرے خلاف طوفان برپا کیا گیا میں اس سے بالکل بے خبر تھی، بعد میں اس چیز کی مجھے خبر ہوئی اسی دوران میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی پھر وحی کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھے اور اپنے چہرہ انور سے پسینہ پونچھا، اس کے بعد فرمایا عائشہ صدیقہؓ خوشخبری قبول کرو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ خوشخبری قبول کرتی ہوں، آپ کے شکریہ کے ساتھ نہیں قبول کرتی، چنانچہ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں کہ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں، یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں، اور امام طبرانی نے ثقہ راویوں کی سند سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان الخبیثات کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیتیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ جس وقت منافق مردود نے انکے خلاف طوفان برپا کیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ یہ بکتے پھرتے تھے اس سے بری کر دیا۔

لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) [الاحزاب: ۵۷] "بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف

پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔
“

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو۔“ صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ میں پیٹھ دکھانا اور پاک دامن و بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔“[1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھے کہ آپ ہنس دیے اور فرمانے لگے: ”جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟“ ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں بندے کی اس گفتگو پر ہنسا ہوں جو وہ (قیامت کے دن) اپنے رب سے کرے گا، وہ کہے گا، اے اللہ! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں! دی ہے، تو وہ کہے گا، میں آج اپنے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا، سوائے اپنی ذات کی گواہی کے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا تیری ہی ذات کی گواہی تجھ پر آج کے دن کفایت کرتی ہے اور کراماً کاتبین کی گواہی۔ اب اس کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور اس کے مختلف اعضا کو حکم ہوگا کہ بولو، تو وہ اس کے سارے کیے ہوئے کام بول کر بتا دیں گے۔ پھر آدمی کو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی، اس وقت بندہ کہے گا،

۱۔ [بخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ: (إن الذین یأکلون أموال الیتٰمی ظلمًا۔۔الخ): ۲۷۶۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الکبائر و أکبرھا: ۸۹]

چلو دور ہو جاؤ، تمہارے لیے بربادی ہو، میں تمہاری خاطر ہی تو جھگڑ رہا تھا۔"[1]

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ: اللہ تعالیٰ کی صفت "الْحَق" کے دو معنی ہیں، ایک معنی "ثابت" ہے، کیونکہ اس کی ذات ہمیشہ سے ہے، نہ اس پر پہلے عدم ہے اور نہ اس پر کبھی فنا ہے، دوسری کسی چیز میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے۔ لفظ "اَللّٰه" اور اس کی خبر "الْحَقُّ" پر الف لام آنے سے اور ان دونوں کے درمیان "هُوَ" لانے سے کلام میں حصر پیدا ہو گیا، یعنی حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، باقی سب باطل ہیں، کیونکہ حق کے مقابلے میں باطل ہے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ : أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ)[2] "سب سے سچی بات جو شاعر نے کہی ہے، وہ لبید کی بات ہے کہ سن لو! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔" "حق" کا دوسرا معنی عدل و انصاف ہے، مراد "ذُو الْحَقِّ أَيْ ذو الْعَدْلِ" ہے، یعنی عدل و انصاف والا ہے، جیسے "زَيْدٌ عَدْلٌ" بول کر مراد "ذُو الْعَدْلِ" لیتے ہیں۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہتان لگانے والوں کو ان کا صحیح بدلا دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حق فیصلہ کرنے والا ہے، سچ کو سچ ظاہر کرنے والا ہے۔ کیونکہ دوسرے حاکم حق فیصلہ کریں بھی تو اس میں خطا اور کوتاہی کا امکان رہتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا ہر فیصلہ حق ہے۔

3 اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ ۔۔" سے مراد کفار و منافقین ہی ہیں، کیونکہ مومن کو تو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے "الْحَقُّ الْمُبِيْنُ" ہونے کا علم ہے، اس لیے اگر اس سے بہتان کی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اللہ کے خوف سے توبہ کر لیتا ہے، جبکہ کافر اور منافق اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنے

---

[1] ۔[مسلم، کتاب الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر: ۲۹۶۹]

[2] ۔[بخاري، مناقب الأنصار، باب أيام الجاهلية: ۳۸۴۱]

کی وجہ سے بہتان باندھنے پر جمے رہتے ہیں، انھیں قیامت کو اللہ تعالیٰ کے "اَلْحَقُّ الْمُبِیْنُ" ہونے کا علم ہوگا۔

﴿ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾ ﴾

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے یہ لوگ ان باتوں سے پاک ہیں جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی بھی ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے لیے جنت کی بشارت

النور: سے لے کر النور: ۲۶ تک سولہ آیتیں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں کی لگائی ہوئی تہمت کی برات کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، عطاءؒ وغیرھم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہؓ زوجہ رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی منافقین کی تہمت سے برات کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس کا معنی ہے بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگوں کے لیے بری باتیں ہیں۔ [1]

مجاہدؒ نے کہا اس میں فرمایا وہ لوگ اس تہمت سے بری ہیں اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطلؓ ہیں ہر چند کہ یہ دو افراد ہیں اور ان کے لیے تثنیہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے جیسے فان کان لاہ اخوۃ (النساء:۱۱) میں اخوۃ سے مراد اخوان ہیں یعنی جمع کے صیغہ سے دو فرد مراد ہیں۔ [2]

اور ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی ہے خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب ان پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تہمت سے بری کر دیا اور عبداللہ بن ابی خبیث مرد تھا اس کے لائق خبیث عورت تھی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طیب اور پاک تھے اور آپ کے لائق طیبہ اور پاک عورت تھی اور حضرت عائشہؓ طیبہ تھیں اور وہی آپ کی شان کے لائق تھیں۔ [3]

یہ دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری باتیں ہیں اور دوسری تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری عورتیں ہیں امام بن جریر طبری نے پہلی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ [4]

امام ابوالقاسم طبرانی نے ان دونوں تفسیروں کو حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، حضرت ابن عمرؓ، ضحاک، مجاہد وغیرھم سے روایت کیا ہے:

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۶۰۶، ۱۹۶۰۵، ۱۹۶۰۴، ۱۹۶۰۱، ۱۹۵۹۷، ۱۹۵۹۵)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۶۰۸)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۶۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۴۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۱۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے اس ترجمہ کو اختیار کیا ہے جو راجح تفسیر کے مطابق ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث ہیں: امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مغفرت سے مراد دنیا میں گناہوں سے محفوظ رہنا اور آخرت میں بخشش ہے اور رزق کریم سے مراد جنت کا رزق اور ثواب عظیم ہے سعید بن جبیر اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ (۱)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (۲)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۶۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی برات نازل ہوگئی تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (۳)

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "عائشہؓ کی فضیلت (دوسری) عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی تمام کھانوں پر۔" (۴)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا: "اے

۱۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳، رقم الحدیث: ۲۵۹، ۲۵۴، ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۹)

۳۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکۃ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

۴۔ [بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب فضل عائشۃ (رض): ۳۷۷۰۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین (رض): ۲۴۴۶]

عائشہ! یہ جبرائیل تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔" تو میں نے جواب دیا، و (علیہ السلام) و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔[1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: "میں نے تم کو دو بار خواب میں دیکھا، ایک شخص ایک ریشمی کپڑے میں تم کو اٹھائے ہوئے تھا اور کہہ رہا تھا، یہ تمہاری بیوی ہیں۔ میں نے کپڑا کھول کر جو دیکھا تو تم تھیں۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا، اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ (ضرور) اسے پورا کرے گا۔"[2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تحفہ بھیجنے کے لیے عائشہ کی (یعنی میری) باری کا انتظار کرتے رہتے تھے، اس سے غرض یہ تھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوش ہوں۔[3]

سیدنا ہشام اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے مرض (موت) میں بھی اپنی بیویوں کی باری کی پابندی فرماتے رہے، البتہ یہ پوچھتے رہے: "کل مجھے کس کے ہاں ٹھہرنا ہے؟" کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیدہ عائشہؓ کی باری کے خواہاں تھے۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر جب میری باری کا دن آیا تو آپ کو سکون ہو گیا۔[4]

۱۔[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب فضل عائشۃؓ: ۳۷۶۸۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین (رض): ۲۴۴۷]

۲۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب کشف المرأۃ فی المنام: ۷۰۱۱۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین رضی اللہ عنہا: ۲۴۳۸]

۳۔[بخاری، کتاب الھبۃ، باب قبول الھدیۃ: ۲۵۷۴۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین (رض): ۲۴۴۱]

۴۔[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب فضل عائشۃ (رض): ۳۷۷۴]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (مرض الموت میں) دریافت فرماتے تھے: "آج مجھے کس کے ہاں ٹھہرنا ہے؟ کل مجھے کس کے ہاں قیام کرنا ہے؟" یہ خیال کرتے کہ ابھی عائشہ کی (یعنی میری) باری میں دیر ہے، پھر میری باری کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا لیا، (اس حالت میں کہ آپ کا سر) میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان میں تھا۔ [1]

سیدنا عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو ذات السلاسل کی لڑائی میں سپہ سالار بنا کر بھیجا، تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا، میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپ نے فرمایا: "عائشہ سے۔" میں نے پوچھا، مردوں میں سے؟ فرمایا: "اس کے باپ سے۔" [2]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ﴾

۱۔ [مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین (رض): ۲۴۴۳]

۲۔ [بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب: ۳۶۶۲۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أبی بکر الصدیق (رض): ۲۳۸۴]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تم اجازت حاصل نہ کر لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تا کہ تم یاد رکھو۔(۲۷) اور اگر تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو اس میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لیے پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے۔(۲۸)

شان نزول: (آیت)"۔ یایھا الذین امنوا لا تدخلوا"۔(الخ)

فریابیؒ اور ابن جریرؒ نے عدی بن ثابتؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری عورت نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں چاہتی ہوں کہ اس حالت میں مجھے کوئی اور شخص نہ دیکھے اور میرے پاس میرے خاندان کے آدمی آتے رہتے ہیں اور میں اسی حالت میں ہوتی ہوں تو ایسی صورت میں، میں کیا کروں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں نہ داخل ہو۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے گھر میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ اس حال میں میں یہ نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ میرا والد ہو یا میرا بیٹا ہو اور

ہمارے گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور میں ایسے حال میں ہوتی ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ جب تمہارے بچے بالغ ہوجائیں تو وہ اجازت طلب کریں ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پوچھا کیا کسی شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی ماں اور محارم کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت طلب کرے، انہوں نے کہا ہاں عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کرے؟ آپ نے فرمایا: اس نے کہا میرے علاوہ اس کا اور کوئی خدمت گار نہیں ہے، کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کروں؟ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اس کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ [2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو تین مرتبہ ارشاد فرماتے، تاکہ لوگ اس کو خوب سمجھ لیں اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لے جاتے تو ان کو تین بار سلام کرتے۔ [3]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ابوموسیٰ اشعریؓ آئے، وہ ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا، کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگے، مجھے عمرؓ نے بلایا تھا، جب میں عمرؓ کے دروازے کے پاس گیا تو تین بار اجازت مانگی، لیکن مجھے اجازت نہیں

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲۰)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲٤)

۳۔[بخاری، کتاب العلم، باب من أعاد الحدیث ثلاثا لیفہم عنہ: ۹۵]

ملی، تو میں لوٹ گیا۔ (بعد میں) عمرؓ نے مجھ سے پوچھا، تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے؟ تو میں نے کہا، میں آپ کے پاس آیا تھا اور میں نے آپ کے دروازے پر آپ سے تین بار اجازت مانگی، لیکن مجھے اجازت نہیں ملی، چنانچہ میں لوٹ آیا، کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: "جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ ملے تو اس کو چاہیے کہ لوٹ جائے۔" عمرؓ نے یہ حدیث سن کر کہا، اللہ کی قسم! (اس حدیث کی صحت پر) تم گواہ پیش کرو، ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ تو ابی بن کعبؓ نے کہا کہ ہم (گواہی کے لیے) قوم میں سے سب سے کم عمر لڑکے کو تیرے ساتھ بھیجتے ہیں (یہی گواہی دے گا) چنانچہ میں ان کے ساتھ عمرؓ کے پاس گیا اور گواہی دی (کہ یہ حدیث ایسے ہی ہے) تو عمرؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک حکم مجھ سے پوشیدہ رہ گیا؟ افسوس! مجھے بازاروں کی خرید و فروخت نے مشغول رکھا۔ آپ کی مراد تجارت سے تھی۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ اجازت لینے کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آنا چاہیے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ آپ کے گھر میں گیا، آپ نے وہاں ایک دودھ کا پیالہ دیکھا تو فرمایا: "ابو ہریرہ! جاؤ اور صفہ والوں کو میرے پاس بلا لاؤ۔" ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں ان کے پاس گیا اور ان کو بلایا، وہ آئے، انھوں نے اجازت مانگی، جب انھیں اجازت دے دی گئی تو پھر وہ اندر داخل ہوئے۔ [2]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے (ابو بکرؓ کے گھر میں) مجھ سے اندر آنے کی

۱۔ [مسلم، کتاب الآداب، باب الاستیذان: ۲۱۵۳/۳۳ ۔ بخاری، کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارۃ ۔۔ الخ: ۲۰۶۲]

۲۔ [بخاری، کتاب الاستئذان، باب اذا دعی الرجل فجاء ہل یستأذن؟: ۶۲۴۶]

اجازت مانگی، تو میں نے اس کو اجازت دے دی۔[1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویوں نے آپ کی بیٹی فاطمہؓ کو آپ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے اجازت مانگی اور تب آپ میرے ساتھ میری چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، آپ نے ان کو اجازت دے دی۔[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیدنا سعد بن عبادہؓ سے اجازت مانگی، فرمایا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" سیدنا سعدؓ نے جواب میں "وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ" تو کہہ دیا لیکن ایسی آواز سے کہ آپ نہ سنیں۔ چنانچہ تین بار یہی ہوا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سلام کرتے اور آپ جواب دیتے رہے، لیکن اس طرح کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ سنیں۔ اس کے بعد آپ وہاں سے واپس لوٹے تو سیدنا سعدؓ آپ کے پیچھے آئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ نے جتنی بار سلام کہا وہ میں نے سنا اور میں نے ہر سلام کا جواب بھی دیا تھا، لیکن اس خیال سے کہ آپ کی بہت ساری دعائیں لے لوں اور زیادہ برکت حاصل کروں، جواب اس طرح نہ دیا کہ آپ کو سنائی دے، اب آپ چلیے! تشریف رکھیے، چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کے سامنے کشمش لاکر رکھی، آپ نے تناول فرمائی اور فارغ ہو کر فرمانے لگے: (أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ) "نیک وصالح لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے

---

[1] ۔[بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الإفک: ۴۱۴۱]

[2] ۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عائشۃ أم المومنین (رض): ۲۴۴۲]

تمہارے لیے دعائیں کرتے رہیں اور تمہارے ہاں روزے دار افطار کرتے رہیں۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں بغیر تیری اجازت کے جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔"[2]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں اس قرض کے بارے میں حاضر ہوا جو میرے والد پر تھا، میں نے دروازے پر دستک دی تو آپ نے پوچھا: "کون ہیں؟" میں نے کہا، میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں، میں؟" گویا آپ نے یوں کہنے کو ناپسند فرمایا۔[3]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سفر سے رات کے وقت (بغیر اطلاع) گھر آجانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت یا چوری کو پکڑنا، یا ان کے قصور کو ڈھونڈنا ہے۔[4]

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا: یعنی اگر تمہیں واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ، نہ غصہ کرو، نہ کبر کی وجہ سے تنگی یا بے عزتی محسوس کرو، کیونکہ گھر والے نے تمہارا کوئی ایسا حق نہیں روکا جو

---

[1]۔[مسند أحمد: ۳/۱۳۸، ح: ۱۲۴۱۵]

[2]۔[بخاری، کتاب الدیات، باب من اطلع فی بیت قوم۔۔الخ: ۶۹۰۲۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵۸]

[3]۔[بخاری، کتاب الاستئذان، باب إذا قال من ذا؟ فقال أنا: ۶۲۵۰۔ مسلم، کتاب الآداب، باب کراہۃ قول المستأذن أنا۔۔الخ: ۲۱۵۵]

[4]۔[بخاری، کتاب العمرۃ، باب لا یطرق أہلہ إذا بلغ المدینۃ: ۱۸۰۱۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب کراہۃ الطروق۔۔الخ: ۱۸۴/۷۱۵، بعد الحدیث: ۱۹۲۸]

اس پر واجب ہو، وہ اجازت کا اختیار رکھتا ہے، چاہے دے یا نہ دے، لوگوں کے اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں، کسی کو کیا خبر کہ کوئی کس حال میں ہے۔

هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ: یعنی تمہارا واپس آجانا تمہارے لیے زیادہ عزت اور پاکیزگی کا باعث ہے، کیونکہ اس طرح تم کسی کے دروازے پر کھڑے رہنے کی بے قدری سے بچ جاؤ گے، واپس چلے آنے سے صاحب خانہ کے دل میں تمہاری حیا ہوگی اور سب سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے اجر ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ: اس میں جاسوسی یا کسی بری نیت سے کسی گھر میں داخل ہونے پر وعید ہے۔

ابن جریر طبریؒ نے بعض مہاجرینؓ سے نقل کیا ہے کہ میری ساری عمر یہ آرزو رہی ہے کہ میں کسی کے گھر جاؤں اور اندر سے مجھے یہ جواب ملے کہ واپس چلے جاؤ اور میں واپس چلا آؤں، تاکہ مجھے اس آیت پر کم از کم ایک مرتبہ تو عمل کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾

(البتہ) تمہارے لیے (اس میں) کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور جن میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو اور تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔لیس علیکم جناح ان تدخلوا"۔(الخ)

اور ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل بن حیانؒ سے روایت کیا ہے کہ جب گھروں میں اجازت لے کر داخل ہونے کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر قریش کے ان تاجروں کے بارے میں کیا حکم ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور شام کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں اور راستوں پر ان کے متعین شدہ مکانات ہیں (یعنی مسافر خانے) تو وہ ان مکانوں میں کیسے اجازت طلب کریں اور کیوں کر وہاں سلام کریں جب کہ ان میں کوئی رہنے والا نہیں، تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی یعنی تمہیں اس قسم کے مکانات میں خاص اجازت کے بغیر چلے جانے میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔

امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی مکانات) کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) قتادہؒ نے کہا اس سے مراد سرائے، بیت الخلاء اور گودام وغیرہ ہیں جن میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

(۲) عطاءؒ نے کہا اس سے مراد ویران مکان، کھنڈرات اور بیت الخلاء ہیں۔

(۳) محمد بن حنیفہؒ نے کہا اس سے مراد مکہ کے مکان ہیں کیونکہ وہ وقف عام ہیں ان کا کوئی مالک نہیں۔ اس کو امام مالک کا قول بیان کرتا ہے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں لوگ سب ان میں شریک ہیں کیونکہ مکہ سختی کے ذریعے فتح کیا گیا تھا۔ ابن زید اور شعبی نے کہا: سبزیوں کی دکانیں ہیں۔

(۴) ابن زید نے کہا اس سے مراد تاجروں کی دکانیں ہیں جو راستوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔
(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد تمام غیر رہائشی مکانات ہیں کیونکہ داخل ہونے کے لیے اجازت کی شرط مکان میں رہنے والوں کے اعتبار سے ہے اور جب وہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر یہ شرط بھی نہیں ہے۔[1]

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ ﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) مومنوں کو ہدایت کیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ طریقہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اور آپ مسلمان مردوں سے فرما دیجیے کہ وہ حرام چیزوں کے دیکھنے سے اپنی نگاہیں روکے رکھیں اور حرام کام سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ آنکھ اور شرم گاہ کی حفاظت ان کے لیے زیادہ درستگی اور نیکی کا باعث ہے اور نیکی اور بدی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا:
(قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

۱۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاۗءَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ) [المؤمنون: ۱ تا ۷] "یقیناً کامیاب ہو گئے مومن۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغو کاموں سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اور وہی جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔"

سیدنا جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اچانک نگاہ پڑ جانے کے سلسلہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا تو آپ نے مجھے نگاہ پھیر لینے کا حکم دیا۔ [1]

سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: "اے علی! نظر کے پیچھے نظر مت لگاؤ، کیونکہ پہلی نظر (جو اچانک پڑ گئی) وہ تو تجھے معاف ہے، لیکن دوسری نظر (جو قصداً پڑی وہ) معاف نہیں ہے۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی (کی تقدیر میں اس) کے لیے زنا کا جو حصہ لکھ دیا ہے وہ لامحالہ اس سے دوچار ہوگا، تو آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے، دل تو تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس خواہش کو سچا کرتی ہے، یا جھٹلا دیتی

۱۔ [مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءۃ: ۲۱۵۹]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فی مایؤمر بہ من غض البصر: ۲۱۴۹۔ ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی نظر الفجاءۃ: ۲۷۷۷۔ مسند أحمد: ۳۵۱/۵، ح: ۲۳۰۳۸]

ہے۔"[1]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔" صحابہ کرامؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہماری یہ مجلسیں تو بہت ضروری ہیں، کیونکہ ہم وہیں روزمرہ کی گفتگو کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اچھا! جب تم ان مجلسوں میں بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستوں کا حق ادا کرتے رہو۔" انھوں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نگاہ نیچی رکھنا، راہ گیروں کو اذیت دینے سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا۔"[2]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دے، تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔"[3]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کوئی عورت کسی دوسری عورت سے ملنے کے بعد اپنے شوہر سے اس عورت کا ذکر اس طرح نہ کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔"[4]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "عورت شیطان کی صورت

۱۔ [بخاری، کتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج: ۶۲۴۳۔ مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا: ۲۶۵۷]

۲۔ [بخاری، کتاب الاستئذان، باب قول اللہ تعالیٰ: (یٰأیہا الذین منوا لاتدخلوا بیوتًا۔۔الخ): ۶۲۲۹۔ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النھی عن الجلوس فی الطرقات۔۔الخ: ۲۱۲۱]

۳۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔۔الخ: ۶۴۷۴]

۴۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب لاتباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتھا لزوجھا: ۵۲۴۰]

میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں پیٹھ پھیرتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس آجائے۔ ایسا کرنے سے اس کے دل کا خیال جاتا رہے گا۔ [1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی حجرے میں جھانکا، تو آپ تیر لے کر کھڑے ہوئے، گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، آپ چاہتے تھے کہ اس کی آنکھ پر تیر چبھو دیں۔ [2]

سیدنا عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے نوجوانو کی جماعت! جو کوئی تم میں سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جو شخص طاقت نہ رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ روزے رکھے، ایسا کرنا اس کے لیے ڈھال بن جائے گا۔" [3]

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(پہلے) اس عورت کو دیکھ لو، کیونکہ تم دونوں میں موانست کا یہ بہتر طریقہ ہے۔" [4]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک آدمی آیا جو کسی انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا: "کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟" اس نے

۱۔ [مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسہ إلی أن یأتی امرأتہ۔۔الخ: ۱۴۰۳]

۲۔ [بخاری، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان من أجل البصر: ۶۲۴۲۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵۷]

۳۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم: ۵۰۶۶۔ مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ إلیہ۔۔الخ: ۱۴۰۰]

۴۔ [ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی النظر إلی المخطوبۃ: ۱۰۸۷]

کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: "جا اور اسے دیکھ لے، کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔"[1]

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ

---

[1]۔[مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من أراد نکاح امرأۃ إلی أن ینظر إلی وجہہا۔۔الخ:١٤٢٤]

اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی ہم مذہب عورتوں کے یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے ان خدام کے جن کو عورتوں کی خواہش نہ ہو یا ان بچوں کے جو ابھی تک عورتوں کی شرم والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہیں اور مومن عورتیں اپنے پاؤں کو اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

شان نزول: (آیت) "۔وقل للمؤمنت یغضضن"۔(الخ)

ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ اسماء بن مرثد اپنے کھجوروں کے باغ میں تھیں تو ان کے پاس عورتیں چادریں اچھی طرح اوڑھ کر نہیں آتی تھیں جس سے ان کے پیروں کے زیورات یعنی پازیب اور ان کے سینے اور

مینڈھیاں کھل جاتی تھیں تو اس پر حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ یہ کس قدر بڑی چیز ہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اور ابن جریرؒ نے حضرمی سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے چاندی کے پازیب بنوائے تھے اور پاؤں کے کڑے بھی تو اس کا ایک قوم پر سے گزر ہوا۔ اس سے اپنا پیر زور سے رکھا تو پازیب کڑوں پر گر پڑے جس کی وجہ سے آواز پیدا ہوئی تب آیت کریمہ نازل ہوئی، (آیت) "ولا یضربن بارجلھن"۔ (الخ) یعنی اپنے پیر زور سے نہ رکھیں۔

سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور میمونہؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں ابن ام مکتومؓ آئے اور گھر میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (ہم سے) فرمایا: "ان سے پردہ کرو۔" ہم نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا یہ نابینا نہیں ہے، ہمیں دیکھتا بھی نہیں اور پہچانتا بھی نہیں؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم بھی اندھی ہو، کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو؟"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا کی طرف بھی نظر نہیں اٹھانی چاہیے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا، اس وقت حبشہ کے کچھ لوگ مسجد میں (نیزوں) سے کھیل رہے تھے، تو رسول اللہ

۱۔ [مسند أحمد: ۲۹۶/۶، ح: ۲۶۵۹۳۔ أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی قولہ تعالیٰ: (وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارہن): ۴۱۱۲۔ ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال: ۲۸۷۸]

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے اپنی چادر میں چھپالیا، تاکہ میں ان کے کھیل کود دیکھ سکوں۔ [1]

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ: خُمُرٌ، خِمَارٌ کی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جس سے سر کو ڈھانپا جائے، انھیں لوگ آج کل اوڑھنی کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ) "اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں" انھوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔ [2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت اتری: (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ) تو عورتوں نے اپنے تہ بند کے حاشیوں کو پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنائیں (اور ان سے اپنا جسم ڈھانپ لیا)۔ [3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا، ایک تو وہ لوگ جن کے پاس بیل کی دموں کی مانند کوڑے ہونگے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور ایک وہ عورتیں جو کپڑے تو پہنے ہوں گی لیکن ننگی ہوں گی، (مردوں کو) مائل کرنے والی اور خود (ان کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر گویا بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہونگے، وہ جنت میں نہیں جائیں گی، بلکہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں

۱۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب أصحاب الحراب فی المسجد: ۴۵۴۔ مسلم، کتاب صلوۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب الذی لامعصیۃ فیہ۔۔الخ: ۸۹۲/۱۸]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن): ۴۷۵۸]

۳۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن): ۴۷۵۹]

گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آتی ہے۔"[1]

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ .. اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ : آیت میں دوبارہ اظہار زینت سے منع کیا ہے، تاکہ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جائے جن کے سامنے مسلمان عورت بغیر پردہ کیے جاسکتی ہے۔ وہ یہ ہیں، عورت کا بیٹا، پوتا اور پر پوتا، شوہر کے بیٹے، پوتے اور پر پوتے، سگا بھائی، باپ کی جانب سے بھائی، ماں کی جانب سے بھائی اور ان کے بیٹے، پوتے اور پر پوتے، بھائی کا بیٹا، پوتا اور پر پوتا، بہن کا بیٹا، پوتا اور پر پوتا اور بہن چاہے سگی ہو، یا ماں کی جانب سے یا باپ کی جانب سے، اس لیے کہ یہ لوگ عورتوں کے محرم ہیں، ان کی جانب سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ باپ تو ان کا ولی ہوتا ہے جو ان کی حفاظت کرتا ہے اور بھائی تو باپ کے بعد سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح بھائی کا بیٹا بھی اپنی پھوپھی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اور یہی حال بہن کے بیٹے کا ہے۔ مسلمان عورت کے لیے اپنی رشتہ دار کسی عورت کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنا جائز ہے۔ (اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ) سے مراد غلام اور لونڈی دونوں ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو رشتے نسب کے لحاظ سے حرام ہیں، وہی رشتے رضاعت کے لحاظ سے بھی حرام ہیں۔"[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیدہ فاطمہؓ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ ایک غلام بھی تھا، جو آپ نے ان کو ہبہ کیا تھا۔ اس وقت سیدنا فاطمہؓ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے

---

[1]۔[مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات: ۲۱۲۸]

[2]۔[بخاری، کتاب الشہادات، باب الشہادۃ علی الأنساب والرضاع۔۔الخ: ۲۶۴۵۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ: ۱۴۴۴، عن عائشہؓ]

تھیں۔ جب اس سے سر کو ڈھانپتیں تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں ڈھانپتیں تو سر کھل جاتا۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فاطمہ کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا: "(اگر تمہارا سر اور پاؤں کھلا رہے تو) تمہارے لیے کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہاں تمہارا باپ ہے، یا تمہارا غلام ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسری عورت سے ملنے کے بعد اس کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔"[2]

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ: وہ افراد جو گھر والوں میں شامل ہیں اور جو عورتوں میں کوئی رغبت نہ رکھتے ہوں، جیسے بہت بوڑھا آدمی، نامرد، پاگل وغیرہ، لیکن ایسے مخنث جو عورتوں کے بارے میں کسی بھی قسم کی دلچسپی رکھتے ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں، جیسا کہ سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا، میں نے سنا کہ وہ عبداللہ بن ابی امیہؓ سے کہہ رہا تھا، اے عبداللہ! اگر کل اللہ نے تم کو طائف پر فتح دی تو تم غیلان کی بیٹی کو لے لینا، وہ جب سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے آٹھ نظر آتی ہیں۔ یہ سن کر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ مخنث آئندہ تمہارے پاس نہ آئیں۔"[3]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویوں کے پاس ایک مخنث آیا کرتا تھا

۱۔ [أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی العبد ینظر إلی شعر مولاتہ: ۴۱۰۶]

۲۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب لا تباشر المرأۃ المرأۃ۔۔الخ: ۵۲۴۰]

۳۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف۔۔الخ: ۴۳۲۴۔ مسلم، کتاب السلام، باب منع المخنث من الدخول علی النساء الأجانب: ۲۱۸۰]

اور لوگ اسے ان لوگوں میں سے سمجھتے تھے، جن کو عورتوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ایک دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی کسی بیوی کے پاس آئے تو وہ ایک عورت کی تعریف کر رہا تھا کہ وہ جب سامنے سے آتی ہے تو چار شکنوں کے ساتھ اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں۔ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں یہاں جو عورتیں ہیں، یہ ان کو بھی پہچانتا ہوگا، یہ اب تمہارے پاس نہ آئے۔" پھر اس سے لوگوں نے پردہ کروانا شروع کر دیا۔ [1]

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ: یعنی وہ بچے جو کم عمری کی وجہ سے عورتوں کے حالات، ان کی پردے کی چیزوں، ان کے نرم کلام، ان کی چال اور ان کی حرکات وسکنات کو نہ سمجھتے ہوں۔ اگر بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ وہ ان چیزوں کو سمجھتا نہ ہو تو اس کا عورتوں کے پاس آنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر بچہ بالغ یا قریب البلوغت ہو، ان چیزوں کو جانتا پہچانتا ہو تو اسے عورتوں کے پاس نہ آنے دیا جائے۔ سیدنا عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔" انصار کے ایک آدمی نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! دیور اور جیٹھ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ تو موت ہے۔" [2]

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ: یعنی مسلمان عورت کے لیے جس طرح لوگوں کی نگاہوں سے اپنی زینت چھپانا ضروری ہے، اسی طرح ان کے کانوں تک اپنے زیور کی آواز بھی نہیں پہنچنے دینی چاہیے۔ اگر کسی عورت نے پازیب پہن رکھا ہے، تو اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ پاؤں پٹخ کر چلے اور لوگ اس کے پازیب کی جھنکار سن کر اس کی طرف مائل ہوں۔ اس ممانعت

۱۔ [مسلم، کتاب السلام، باب منع المخنث من الدخول علی النساء الأ جانب: ۲۱۸۱]

۲۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأۃ إلا ذو محرم۔۔الخ: ۵۲۳۲۔ مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوۃ: ۲۱۷۲]

میں ہر وہ چھپی ہوئی زینت داخل ہے جو حرکت کرنے سے ظاہر ہو، اسی ضمن میں عورت کا ایسی خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی آتا ہے، جو مردوں تک پہنچے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی سیدہ زینبؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔" [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی قوم کے پاس سے گزرتی ہے، تاکہ وہ اس کی خوشبو پالیں تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔" آپ نے بڑی سخت بات فرمائی۔ [2]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو عورت کسی خوشبو کی دھونی لے تو وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء میں شریک نہ ہو۔" [3]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مومن عورتیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ فجر کی نماز پڑھنے آتیں تو وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اور پھر نماز کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتیں تو بھی اندھیرے کی وجہ سے ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "عورت ساری

۱۔ [مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء إلی المساجد إذا لم یترتب علیہ فتنۃ۔۔الخ: ۱۴۲/۴۴۳]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب الترجل، باب فی طیب المرأۃ للخروج: ۴۱۷۳۔ ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی کراہیۃ خروج المرأۃ متعطرۃ: ۲۷۸۶]

۳۔ [مسلم، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء إلی المساجد إذا لم یترتب علیہ فتنۃ۔۔الخ: ۴۴۴]

۴۔ [بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت الفجر: ۵۷۸]

ہی پردہ ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔"[1]

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے تھے: "اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔"[3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(روز قیامت) اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنس دے گا، جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا ہوگا (اور پھر بھی) وہ دونوں جنت میں داخل ہونگے، (وہ اس طرح کہ) یہ پہلا قتل ہونے والا اللہ کے راستے میں لڑتا رہا اور پھر شہید کر دیا گیا اور پھر اللہ نے اس (کافر) قاتل کو توبہ کی توفیق دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور وہ بھی اللہ کی راہ میں شہید کر دیا گیا۔"[4]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر انسان کے پاس ایک وادی سونے کی ہو تو بھی وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں۔ اس کا منہ تو (قبر

۱۔[ترمذی، کتاب الرضاع، باب استشراف الشیطان۔۔الخ: ۱۱۷۳]

۲۔[بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فی الیوم واللیلۃ: ۶۳۰۷]

۳۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ: ۲۷۰۳]

۴۔[بخاری، کتاب الجہاد، باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسدد بعد ویقتل: ۲۸۲۶۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان الرجلین یقتل أحدھما۔۔الخ: ۱۸۹۰]

کی) مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ اس پر رجوع فرماتا ہے، جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے (یعنی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے)۔"[1]

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ ﴾

اور تم میں سے (جو مرد اور عورتیں) بے نکاح ہیں ان کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آزاد مردوں، اسی طرح عورتوں اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرانے کا حکم دیا ہے۔ اس میں خطاب اولیاء کو ہے۔ احادیث میں نکاح کی مسؤلیت انھی کے سپرد کی گئی ہے، جیسا کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"[2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس عورت نے اپنے ولی

۱۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب لوأن لابن آدم وادیین لابتغی ثالثاً: ۱۰۴۸، ۱۰۴۹۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال۔۔الخ: ۶۴۳۶]

۲۔[ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لانکاح إلا بولی: ۱۱۰۱]

کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، پھر (ناجائز نکاح کے بعد) اگر مرد نے ہم بستری کی تو اس عورت کے لیے مہر ہوگا، جس کے عوض اس نے عورت کی شرم گاہ (اپنے لیے) حلال کرنا چاہی اور اگر ولی آپس میں اختلاف کرنے لگیں تو یاد رکھو! جس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا ولی حاکم وقت ہے۔"[1]

سیدنا علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "علی! تین کاموں میں دیر نہ کرنا، فرض نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب موجود ہو (تو اس کو دفن کرنے میں) اور بیوہ عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو (ہم سر) مل جائے۔"[2]

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: یعنی فقیری اور محتاجی شادی سے مانع نہیں ہونی چاہیے، اللہ کا وعدہ ہے کہ شادی کے بعد وہ محتاجی کو دور کر دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تین قسم کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ کے ذمے حق ہے، ایک وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو، دوسرا نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کے لیے نکاح کرے اور تیسرا وہ مکاتبت کرنے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو۔"[3]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روبرو (نکاح کے لیے) اپنا آپ پیش کیا، (لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کچھ جواب نہ دیا تو) ایک

---

[1]۔[ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح إلا بولی: ۱۱۰۲]

[2]۔[ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الوقت الأول من الفضل: ۱۷۱]

[3]۔[نسائی، کتاب الجہاد، باب فضل الروحۃ فی سبیل اللہ عزوجل: ۳۱۲۲۔ ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی المجاہد والناکح۔۔الخ: ۱۶۵۵]

شخص نے آپ سے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس کا نکاح مجھ سے کر دیجیے۔ آپ نے پوچھا: "تیرے پاس کیا چیز ہے؟" وہ بولا، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: "جا کر کوئی چیز ڈھونڈو، اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔" وہ جا کر پھر دوبارہ آیا اور کہنے لگا، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! مجھے کچھ نہیں ملا، لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی، لیکن میرے پاس یہ تہ بند ہے، آدھا اس کو دے دیجیے۔ سیدنا سہلؓ کہتے ہیں کہ اس کے پاس دوسری چادر بھی نہیں تھی۔ آپ نے جواب دیا: "تیری چادر کا وہ کیا کرے گی؟ اسے اگر تو پہنے گا تو عورت کو اس سے کچھ نہیں ملے گا اور اگر عورت پہنے گی تو تجھے کچھ نہیں ملے گا۔" وہ (مایوس ہو کر) بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر جانے لگا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے (جاتے) دیکھ کر خود بلایا، یا کسی سے بلوایا اور فرمایا: "تجھے قرآن کی کون کون سی سورتیں یاد ہیں؟" اس نے کئی سورتیں گن کر کہا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے، تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہم نے تجھے قرآن مجید (جو تمہیں یاد ہے اس) کے عوض اس عورت کا مالک بنا دیا (یعنی نکاح کر دیا)۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم کچھ نوجوان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں رہتے تھے اور (نکاح کے لیے) ہمارے پاس کچھ نہیں تھا، تو آپ نے ہمیں ارشاد فرمایا: "اے نوجوانو! تم میں سے جو کوئی نکاح کی طاقت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ نکاح کر لے، کیونکہ نکاح نگاہ نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کے لیے خوب چیز ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھا

۱۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب عرض المرأۃ نفسہا علی الرجل الصالح: ۵۱۲۱۔ مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم القرآن۔۔ الخ: ۱۴۲۵]

کرے، کیونکہ روزے (اس کی شہوت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے) ڈھال کا کام دیں گے۔"[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عثمان بن مظعون ؓ کو تبتل (مجرد یا عورت سے الگ تھلگ رہنے) کی اجازت نہیں دی، اگر آپ اسے اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔[2]

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٣﴾ ﴾

اور جو لوگ نکاح کی قدرت نہ رکھتے ہوں ان کو چاہیے کہ وہ پاک دامن رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی اور مالدار بنا دے اور تمہارے مملوکوں

۱۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم: ۵۰۶۶]

۲۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء: ۵۰۷۳]

میں سے جولوگ مکاتبت (کچھ لے دیکر آزادی کی تحریر) ہونے کی خواہش کریں تم ان سے مکاتبت کرلوگرتم ان میں بہتری کے آثار پاؤاوران کواللہ کے اس مال میں سے دیا کرو جواس نے تم کوعطا فرمارکھا ہےاوراپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبورنہ کیا کرو، بالخصوص جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں اورتم بے شرمی سے یہ حرکت محض اس لیے کروکہ تم دنیا کا کچھ مال حاصل کرسکو پھر یادرکھو کہ جوان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہونے کے بعدان کی بخشش فرمادے گا کہ بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔ولیستعفف الذین لایجدون"۔(الخ)

اگلی آیت کریمہ جویطب بن عبدالعزی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کا ایک غلام تھا، اس نے ان سے مکاتب (غلام جس سے معاوضہ لے کرآزاد کیا جائے) ہونے کی درخواست کی تھی توانہوں نے اس کومکاتب نہیں کیا تھا۔

اورتمہارے غلاموں میں سے جومکاتب ہونے کے خواہاں ہوں ان کومکاتب بنادیا کرو، اگران میں بہترائی اوروفا عہد کے آثار پاؤاوراللہ تعالیٰ کے دیے مال میں سے جواس نے تمہیں دے رکھا ہے ان کو بھی دو، تاکہ یہ بدل کتابت جلدی ادا کرکے آزاد ہوجائیں، یا یہ کہ اس آیت میں مالک کو بدل کتابت کا تہائی حصہ چھوڑنے کی ترغیب دی ہے۔

اگلی آیت عبداللہ بن ابی منافق اوراس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان لوگوں کے پاس لونڈیاں تھیں یہ ان سے زبردستی زنا کراتے تھے تاکہ ان کی کمائی اور اولاد حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے اس کام کو منع فرمادیا اوراس کو حرام کردیا، چنانچہ فرماتا ہے کہ اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور مت کرو، بالخصوص جب کہ وہ زنا سے پاک دامن رہنا چاہیں، محض اس لیے کہ ان کی کمائی اور اولاد تمہیں حاصل ہوجائے اور جو شخص ان باندیوں کو زنا پر مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ مجبور کیے جانے اور ان کی توجہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت فرمانے والے اور مرنے کے بعد ان پر رحمت فرمانے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔ولیستعفف الذین لایجدون"۔(الخ)

ابن السکنؒ نے معرفۃ صحابہ میں عبداللہ بن صبیحؒ سے ان کے والد کے ذریعے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں جویطب بن عبدالعزی کا غلام تھا میں نے ان سے مکاتب (وہ غلام جس سے معاوضہ لے کر آزاد کیا جائے) ہونے کی درخواست کی، انھوں نے مکاتب کرنے سے انکار کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جو تم سے مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں ان کو مکاتب کردیا کرو۔

شان نزول: (آیت) "۔ولاتکرھوافتیاتکم علی البغآء"۔(الخ)

امام مسلمؒ نے ابی سفیان کے طریق سے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق اپنی باندی سے کہتا تھا کہ جا اور زنا کر کے ہمارے لیے کچھ لا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز امام مسلمؒ نے اسی طریق سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے ایک باندی مسیکہ اور امیمہ نامی تھی، یہ ان دونوں باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور کیا کرتا تھا ان دونوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آکر شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی مملوکہ باندیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کیا کرو

(الخ)۔

اور امام حاکمؒ نے ابی الزبیرؒ کے طریق سے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ مسیکہ نامی انصار میں سے کسی کی باندی تھی اس نے آ کر عرض کیا کہ میرا آقا مجھے زنا کرانے پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بزارؒ اور طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی ایک باندی تھی جو زمانہ جاہلیت میں زنا کیا کرتی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا تو اس نے کہا اللہ کی قسم میں تو اب کبھی بھی زنا نہیں کروں گی اور ابن ابی نے اس کو مجبور کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور بزار نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن دینارؒ کے واسطہ سے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کی مسیکہ اور معاذہ نامی دو باندیاں تھیں وہ ان کو زنا کرانے پر مجبور کرتا تھا تو ان میں سے ایک باندی کہنے لگی اگر یہ اچھی چیز ہے تو میں نے اس سے بہت فائدہ حاصل کر لیا اور اگر بری بات ہے تو مجھے اس کا چھوڑنا ضروری ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوسفیان نے خبر دی کہ جب ہرقل شاہ روم نے اس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ نبی تم لوگوں کو کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں؟ تو اس نے (اگرچہ اس وقت وہ کافر تھے) ہرقل سے کہا، وہ ہمیں نماز، صدقہ، عفت و پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔[1]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ اس روز انھیں اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا، جس دن اس کے سائے کے

---

[1]۔[بخاری، کتاب الأدب، باب صلة المرأة أمها ولها زوج: ۵۹۸۰]

علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا: 1 انصاف کرنے والا حکمران۔ 2 ایسا نوجوان جس نے اپنے رب کی عبادت میں نشوونما پائی۔ 3 ایسا آدمی کہ اس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہے۔ 4 ایسے دو آدمی جو آپس میں محض اللہ کی خوشنودی کے لیے محبت کرتے ہیں، اسی پر ملتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔ 5 ایسا آدمی کہ اسے اقتدار اور جمال کی مالکہ عورت نے بدکاری کی دعوت دی، مگر اس نے (دعوت رد کرتے ہوئے) کہا، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ 6 ایسا آدمی کہ اس نے صدقہ اس قدر چھپا کر کیا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی بے خبر رہا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ 7 اور ایسا آدمی کہ جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔" (۱)

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہارا (اپنی بیوی سے) جماع کرنا بھی صدقہ ہے۔" صحابہ نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اپنی خواہش کی وجہ سے یہ کام کرتا ہے تو کیا یہ کام بھی باعث اجر ہے؟ فرمایا: "(کیوں نہیں) تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اسے حرام مقام پر پورا کرے تو کیا اسے اس کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا؟ تو اسی طرح جب وہ حلال طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو یہ اس کے لیے باعث اجر وثواب ہے۔" (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا، نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا (اور یہی نہیں) بلکہ انھیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا، (ان میں سے) ایک عمر رسیدہ زانی (جو بوڑھا ہو چکا ہے اور زنا کرتا ہے)، دوسرا جھوٹا بادشاہ (جو شاہ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے) اور

{9622 ??} [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمین: ۱۴۲۳۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل إخفاء الصدقۃ: ۱۰۳۱]

۲۔ [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان أن اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف: ۱۰۰۶]

تیسرا متکبر فقیر (جو محتاج ہو کر بھی غرور و تکبر کرتا ہے)۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعا کیا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی) "اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا کی درخواست کرتا ہوں۔"[2]

سیدنا سمرہ بن جندبؓ سے ایک طویل روایت ہے کہ معراج کے موقع پر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گناہ گاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی، اس موقع پر ایک منظر یہ تھا کہ آپ نے فرمایا: "تو ہم ایک تنور جیسی چیز پر آئے، اس سے شور اور مختلف آوازیں آ رہی تھیں، ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں اور ان کے نیچے سے ان کی طرف آگ کی لپٹ آتی تھی، تو جب آگ انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی تو وہ چلانے لگتے۔ میں نے ان دو فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے مجھے بتایا کہ یہ زنا کار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے، جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے تھے۔"[3]

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۔۔ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ: مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ اگر ان کے غلام چاہیں کہ مال دے کر آزادی حاصل کر لیں، تو انھیں اس پر رضامند ہو جانا چاہیے اور اسے تحریر میں لے آنا چاہیے، تاکہ لکھی ہوئی شرط کے مطابق قسطوں میں مطلوبہ رقم ادا کر کے وہ آزاد ہو جائیں۔ امام بخاریؒ نے بیان فرمایا ہے کہ رَوْح

۱۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار۔۔الخ: ۱۰۷]

۲۔ [مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی الأدعیۃ: ۲۷۲۱]

۳۔ [بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح: ۷۰۴۷]

نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا، جب مجھے یہ معلوم ہو کہ غلام کے پاس مال ہے تو کیا میرے لیے اس سے مکاتبت کرنا واجب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک تو یہ واجب ہی ہے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ آپ اسے کسی سے روایت کرتے ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا، نہیں! پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ موسیٰ بن انس نے انھیں خبر دی کہ سیرین نے سیدنا انسؓ سے مکاتبت کے بارے میں سوال کیا اور وہ کثیر المال تھے، مگر سیدنا انسؓ نے انکار کر دیا تو وہ سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس چلا گیا، تو سیدنا عمرؓ نے بھی فرمایا کہ ان سے مکاتبت کر لو، مگر انھوں نے انکار کر دیا تو سیدنا عمرؓ نے انھیں دُرّے کے ساتھ مارا اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: (فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا) "تو ان سے مکاتبت کر لو، اگر ان میں کچھ بھلائی معلوم کرو۔" تو انھوں نے مکاتبت کر لی۔ [1]

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا : آیت کے اس حصہ میں صفت امانت وقوت کی طرف اشارہ ہے، تاکہ وہ قسطیں ادا کرنے کے لیے چوری نہ کریں، بلکہ تجارت یا مزدوری کے ذریعے سے مطلوبہ مال حاصل کریں۔ اسلام کی نگاہ میں آزادیٔ انسان کی اہمیت کے پیش نظر اللہ عزوجل نے مکاتب غلام کے آقا کو حکم دیا کہ وہ خود بھی مالی طور پر اس کی مدد کرے، یعنی اس کی کچھ قسطیں معاف کر دے۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ بریرہؓ میرے پاس آئی، وہ اپنی مکاتبت (وہ معاہدہ جو غلام اپنے آقا سے آزادی کے لیے کرتا ہے) کے سلسلہ میں مجھ سے معاونت چاہتی تھی۔ انھوں نے کہا، اگر تو چاہے تو میں تیرے مالکوں کو رقم ادا کر دیتی ہوں، مگر ولاء (آزادی کی نسبت) میری ہوگی، لیکن اس کے مالکوں نے کہا، اگر آپ چاہیں تو

---

[1] [بخاری، کتاب المکاتب، باب المکاتب ونجومہ فی کل سنۃ نجم، الخ قبل الحدیث: ۲۵۶۰]

مکاتبت کی بقایا رقم ادا کر (کے اسے آزاد کر) دیں، مگر اس کی ولاء ہمارے ہی لیے ہوگی۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور میں نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو اور ولاء تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے۔" پھر آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ (سنو) جو شخص کوئی ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو اس شرط کی کوئی حیثیت نہیں، چاہے وہ ایسی سو شرطیں لگائے۔"[1]

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا: زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لیے بھیج دیا کرتے اور ان سے ٹیکس وصول کیا کرتے، لیکن جب دین اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کام سے منع فرما دیا۔ سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا۔ وہ ان دونوں سے جبراً زنا کرواتا تھا۔ انھوں نے اس کی شکایت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کی، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: (وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) [النور: ۳۳] "اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں، تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان طلب کرو اور جو انھیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"[2]

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: دنیاوی فوائد سے مراد ان کا ٹیکس، مہر اور ان کی اولاد ہے۔ سیدنا

۱۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد: ٤٥٦]

۲۔ [مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قولہ تعالیٰ: (ولا تکرہوا فتیاتکم علی البغاء): ۳۰۲۹/۲۷]

ابو مسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کے مہر اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

سیدنا ابو جحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گودنے اور گدوانے والی عورت پر اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر لعنت کی اور کتے کی کمائی اور بدکار عورت کی کمائی سے منع فرمایا اور تصویر بنانے والے پر لعنت کی۔ (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لونڈیوں کی (زنا کی) کمائی سے منع فرمایا۔ (۳)

سیدنا رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سب سے بری کمائی بدکار عورت کی کمائی، کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کی کمائی ہے۔" (۴)

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشنے والا، مہربان ہے اور ان کا گناہ اسے ہوگا جو انھیں مجبور کرے گا۔ صفیہ بنت ابی عبید بیان کرتی ہیں کہ حکومت کے ایک غلام نے حصہ خمس کی (لونڈیوں میں سے) ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا، یہ مقدمہ سیدنا عمرؓ کے یہاں پیش ہوا تو آپ نے (ثبوت کے بعد) غلام پر حد جاری کی اور اسے شہر بدر

۱۔[بخاری، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب: ۲۲۳۷۔ مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب۔۔الخ: ۱۵۶۷]

۲۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب مہر البغی والنکاح الفاسد: ۵۳۴۷]

۳۔[بخاری، کتاب الإجارۃ، باب کسب البغی والإماء: ۲۲۸۳]

۴۔[مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب۔۔الخ: ۱۵۶۸]

کر دیا، جبکہ لونڈی کو بری کر دیا، کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی۔ [1]

سیدنا ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں، معاف کر دیے ہیں۔" [2]

﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾ ﴾

اور بیشک ہم نے تمہاری طرف کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور ان لوگوں کی عبرتناک مثالیں بھی نازل کر دی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بھی ہم نے نازل کی ہے۔

وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ "مَثَلًا" کا معنی ہے ضرب المثل، وہ چیز جو دوسری چیز کے مشابہ ہو، کسی کا حال جو دوسرے کے حال سے ملتا جلتا ہو، کسی چیز کی صفت اور قصہ عجیبہ، یعنی ہم نے تمہاری طرف کھول کر بیان کرنے والی آیات نازل کی ہیں اور پہلے لوگوں کے کچھ احوال نازل کیے ہیں جو تمہارے احوال سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں وہ احکام و حدود بھی شامل ہیں جو امت مسلمہ کی طرح پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے، مثلاً زنا کی حد، قصاص، فحاشی کی اشاعت کی روک تھام وغیرہ اور پہلی امتوں کے وہ حالات و واقعات جو اس امت کے احوال سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً عائشہؓ پر بہتان کا واقعہ

---

[1] ۔[بخاری، کتاب الإکراہ، باب إذا استکرہت المرأۃ علی الزنا فلا حد علیہا۔۔الخ: ۶۹۴۹]

[2] ۔[ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی: ۲۰۴۳]

اور مریم پر یہودیوں کے بہتان اور یوسف (علیہ السلام) پر عزیز مصر کی بیوی کے بہتان کا واقعہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ تینوں واقعات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی پاک دامنی قیامت تک کے لیے قرآن میں ثبت فرما دی اور بہتان لگانے والوں کا جھوٹ ہمیشہ کے لیے واضح کر دیا۔

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ : یعنی ہم نے ڈرنے والوں اور نافرمانی سے بچنے والوں کے لیے عظیم نصیحت نازل فرمائی، کیونکہ جسے اللہ کا خوف نہیں اسے ان آیات سے کچھ حاصل نہیں۔

سیدنا ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ہدایت اور علم کی مثال، جس کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، اس تیز بارش کی سی ہے جو زمین پر برسے، تو جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے، پھر اس سے بہت سارا چارا اور گھاس اگتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے، پھر اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ (اس کو) پیتے ہیں اور (اپنے جانوروں کو) پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور کچھ بارش زمین کے دوسرے حصہ کو پہنچی جو بالکل چٹیل میدان ہے، وہ زمین نہ پانی کو روکتی ہے اور نہ سبزہ اگاتی ہے۔ پس یہی مثال ہے اس شخص کی جو اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرے اور جس چیز کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، وہ اس کو فائدہ دے اور وہ (اس کو) پڑھے اور پڑھائے اور مثال اس شخص کی جس نے اس کی طرف سر تک نہ اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو، جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، قبول نہ کیا (بے آب و گیاہ بنجر زمین اور چٹیل میدان کی ہے)۔"[1]

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم: ۷۹]

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا
مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ
يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى
اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ ﴾

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے
اس میں چراغ ہے اور وہ چراغ ایک شیشہ کے قندیل میں ہے وہ قندیل ایسا ہے
جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ بابرکت درخت سے یعنی زیتون کے مبارک
درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے بڑی
روشنی پر روشنی ہو رہی ہے اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور
اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے تو لوگوں کے سمجھانے کے لیے اور اللہ ہر چیز سے

واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طرح ہے جس طرح ایک طاق میں چراغ ہو۔ چراغ شیشے کے فانوس میں رکھا ہوا ہے فانوس اس چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے اس کے اندر رکھے ہوئے چراغ میں زیتون کا تیل ہے جو ایسے مبارک درخت سے لیا گیا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ چراغ کے تیل کو آگ نہ بھی دکھلائی جائے مگر پھر بھی روشن ہو جائے۔ دیکھنے والے کو یوں لگے جیسے روشنی پر روشنی پھوٹ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے تا کہ انہیں بات سمجھنے اور حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس آیت میں دی گئی مثال کو اہل علم نے تین انداز میں سمجھا ہے [1] اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہے اور اسی کے نور سے ہر چیز چمک رہی ہے جسے سمجھانے کے لیے ایسے چراغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو چراغ اپنی جگہ رکھا ہوا ہے اور اس چراغ میں زیتون کے ایسے درخت سے تیل لیا گیا ہے جو باغ کی مشرقی اور مغربی جانب ہونے کی بجائے درمیان میں ہے جس کا تیل اور پھل دوسرے پودوں سے عمدہ ہوتا ہے۔ کچھ مفسرین نے "لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ" کا یہ مفہوم لیا ہے کہ وہ ایسا درخت ہے جو کھلے میدان میں اپنے چاروں جانب سے روشنی اور ہوا لے رہا ہے اس کا تیل باقی زیتون کے پودوں سے زیادہ چمکدار ہوتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کا نور نہ شرقی ہے نہ غربی۔ بلکہ وہ اپنی ہر جانب روشن کیے ہوئے ہے اس سے مراد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے اور اس کے نور سے ہر چیز فیض یاب ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے نور کو سمجھانے کے لیے نور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

مومن کے دل میں نور ہدایت ڈالتا ہے جس کے لیے یہ مثال دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی سراپا نور ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے وقت جو دعا پڑھتے اس میں یہ کلمات بھی ہیں: (وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ) "اور تیری ہی تعریف ہے، تو نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔"[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار تمام مخلوقات کو خاکستر کر دیں، جہاں تک اس کی نگاہ پڑے۔"[2]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ تو نور ہے، میں کیسے اسے دیکھتا؟"[3]

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ: یہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دی ہے کہ جیسے کسی دیوار میں ایک طاق ہو، اس طاق میں ایک چراغ رکھا ہو اور وہ چراغ بلوریں شیشے میں ہو اور وہ شیشہ اتنا صاف شفاف اور چمک دار ہو کہ جیسے چمکتا ہوا کوئی ستارہ اور اس چراغ کا تیل زیتون کے ایسے درخت کا ہو جو بیچ باغ میں اونچی جگہ ہو، جس پر سارا دن دھوپ پڑتی رہتی ہو، کیونکہ ایسے زیتون کا تیل نہایت عمدہ اور صاف ہوتا ہے، جس کا تیل اتنا صاف شفاف ہو کہ چراغ کو روشن کرنے سے پہلے خود تیل سے روشنی

۱۔[بخاری، کتاب التہجد، باب التہجد باللیل: ۱۱۲۰۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودعاہ باللیل: ۷۶۹]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قولہ (علیہ السلام): إن اللہ لا ینام۔۔الخ: ۱۷۹]

۳۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قولہ (علیہ السلام): نور أنی أراہ۔۔الخ: ۱۷۸]

پھوٹ رہی ہو۔یعنی وہ چراغ کیا ہے گویا نور ہی نور ہے، روشنی ہی روشنی ہے۔اس طرح اللہ کا نور بھی روشنی ہی روشنی ہے، وہاں ظلمت وتاریکی کا نام ونشاں نہیں ہے۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک اندھیرے میں پیدا کیا، پھر اس دن ان پر اپنا نور ڈالا، تو جسے اس دن اس کا نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہوا۔اس لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو چکا۔"[1]

﴿ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ ﴾

(وہ چراغ روشن ہوتا ہے) ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان میں ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

یہ آیت اس سے پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے اور پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے کہ اس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے اب یہ فرمایا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے، وہ طاق ان گھروں میں ہے جن کو بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے جہاں صبح اور شام اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے، ان گھروں سے کیا مراد ہے حضرت ابن عباس ؓ اور جمہور کے

---

[1] [مسند أحمد: ۲/ ۱۷۶، ح: ۶۶۵۲۔ ابن حبان: ۶۱۶۹]

نزدیک ان گھروں سے مراد مساجد ہیں، اور مجاہدؒ نے کہا ان گھروں سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج کے حجرے ہیں اور حسن بصریؒ نے کہا اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ (۱)

سیدنا عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص مسجد بنائے اور اس کے ذریعے سے اللہ کی رضا چاہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں اس جیسا گھر بنا دیتا ہے۔" (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں میں سب سے محبوب مقامات مسجدیں ہیں اور سب سے برے و ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔" (۳)

سیدنا ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اپنے گھر سے باوضو ہو کر فرض نماز ادا کرنے کے لیے نکلتا ہے، اس کو حج کا احرام باندھنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے۔" (۴)

سیدنا عمرؓ نے طائف کے رہنے والے دو آدمیوں سے کہا (جو مسجد نبوی میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے) اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، کیونکہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔ (۵)

۱۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب من بنی مسجدًا: ۴۵۰۔ مسلم، کتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد والحث علیہا: ۵۳۳]

۳۔ [مسلم، کتاب المساجد، باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح وفضل المساجد: ۶۷۱]

۴۔ [أبوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی فضل المشی إلی الصلوۃ: ۵۵۸]

۵۔ [بخاری، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المسجد: ۴۷۰]

﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ ﴾

وہ ایسے لوگ ہیں جن کو کاروبار اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوۃ ادا کرنے سے (غافل کرتی ہے)۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ (۳۷) تا کہ اللہ ان کو ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (۳۸)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (النور: ۳۷) کی تفسیر میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں۔ [1]

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار میں تھے، نماز کی اقامت کہی گی تو مسلمانوں نے اپنی دکانیں بند کردیں اور مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: رجال لا تلھیھم تجارۃ۔۔ [1]

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اس راستہ پر کھڑے ہوکر چیزیں فروخت کرتا اور ہر روز تین سو دینار نفع کماتا تھا، اور ہر روز مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا، لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ (نفع) حلال نہیں ہے لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ میں اس آیت میں داخل ہوں رجال لا تلھیھم۔۔ [2]

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ تھا اور ہم مسجد میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے، ہم مدینہ کے بازار سے گزرے مسلمان نے اپنا سامان ڈھانپ دیا اور مسجد میں چلے گئے سالم نے ان کے سامان کی طرف دیکھا جس کے پاس کوئی شخص نہیں تھا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔۔ پھر کہا یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔ [3]

عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق وہ مسلمان ہیں جن کو اللہ کے حقوق اور اس کے فرائض کی ان کے اوقات میں ادائیگی کو ان کی خرید وفروخت منع نہیں کرتی تھی۔ [4]

یعنی ان کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرماتا اور ان کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے اور ان کی نیکی کو قبول فرما کر اس کا کئی گنا زیادہ اجر وثواب عطا فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

۱۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٤٦٤٧)

۲۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٤٦٤٩)

۳۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:14651)

۴۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:14652 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا)[النساء:٤٠]" بیشک اللہ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔" اور فرمایا: (مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ)[الانعام:١٦٠]"جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی اور جو برائی لے کر آئے گا سوا اسے جزا نہیں دی جائے گی، مگر اسی کی مثل اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" اور فرمایا: (مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ)[البقرة:٢٤٥]" کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، پس وہ اسے اس کے لیے بہت زیادہ گنا بڑھا دے اور اللہ بند کرتا اور کھولتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ عزوجل جنتی لوگوں سے فرمائے گا کہ اے جنتیو! پس وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم بار بار تیری خدمت میں حاضر ہیں اور سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہوئے؟ وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم کیسے راضی نہ ہونگے، حالانکہ تو نے ہمیں اتنا دیا کہ اتنا اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی عمدہ و بہتر چیز دوں گا۔ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! اس سے عمدہ کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تم پر اپنی رضامندی اتار دی اور اب میں اس کے بعد کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔"[1]

١۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار۔۔الخ:٦٥٤٩۔مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب إحلال الرضوان علی أهل الجنة۔۔الخ: ٢٨٢٩]

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ
فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ ﴾

اور جولوگ کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ہوئی ریت) جیسی ہے کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا پورا پورا حساب چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

جن لوگوں نے توحید ورسالت اور آخرت کا انکار کیا بیشک وہ جس قدر اچھے اخلاق اور بہتر کردار کے حامل ہوں۔ ان کے اعمال کی مثال چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہے۔ جسے پیاسا آدمی دور سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی سمجھتا ہے جب پیاس بجھانے کے لیے اس کے پاس جاتا ہے تو تھکاوٹ اور مایوسی کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہی حال قیامت کے دن کافر اور مشرک کا ہوگا، جو دنیا میں یہ سمجھ کر فلاح و بہبود کے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتا رہا کہ اسے موت کے بعد بھی فائدہ پہنچے گا۔ لیکن عقیدہ توحید صحیح نہ ہونے، نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر ایمان نہ لانے اور آخرت کے حساب و کتاب پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے موت کے بعد اس کی حالت اس پیاسے شخص جیسی ہوگی جو پیاس سے تلملاتا ہوا پانی سمجھ کر سراب کی طرف گیا لیکن وہاں پہنچ کر اسے تھکاوٹ اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل

نہ ہوا۔ بے انتہا پیاس کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے ہے اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا ہے اب اسے ذات کبریا کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا گویا کہ وہ ذات اس کے سامنے ہے جس کا انکار کرتا تھا، جائے تو کہاں جائے یہی حالت کفار کی ہوگی۔ جب قیامت کے دن اپنے اچھے اعمال اور صدقہ وخیرات کو رائیگاں پائیں گے جو انہوں نے خون پسینے کی کمائے سے خیراتی کاموں میں صرف کیے نہ صرف وہ رائیگاں ہوں گے بلکہ ان کے لیے عذاب میں اضافہ کا سبب ثابت ہونگے۔ اس وقت ان کی پریشانی اور حسرت میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی پوری پوری سزا دے گا۔ جو دنیا کی زندگی اور اس کے وسائل کو دائمی سمجھتے تھے انہیں ان کی موت کے بعد جلد حساب چکا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جلد حساب لینے کا تصور دے کر انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی اور تھوڑی ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا یوں پکارے گا کہ جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے ساتھ چلا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں اور تھانوں کی عبادت کرنے والوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، وہ سب پے در پے جہنم میں گریں گے، یہاں تک کہ صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں اچھے اور برے مسلمان لوگ ہوں گے اور اہل کتاب کے باقی رہ جانے والے کچھ لوگ۔ سب سے پہلے یہود بلائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم عزیر کی، جو اللہ کا بیٹا ہے، عبادت کرتے تھے۔ انھیں کہا جائے گا کہ تم نے جھوٹ کہا، اللہ نے اپنی بیوی اور بیٹا کسی کو نہیں بنایا، اب تم کیا چاہتے ہو؟ یہود کہیں گے، اے ہمارے رب!

ہمیں پیاس لگی ہے، ہمیں پانی پلا۔ پھران کی طرف اشارہ کیا جائے گا کہ کیا تم ادھر نہیں چلتے، چنانچہ سب کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ وہاں چمکتی ریت پانی کی طرح نظر آئے گی، بعض بعض کے ٹکڑے کیے دے رہی ہوگی، پھر سب کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔"[1]

﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

یا (پھران کے اعمال کی مثال) ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا ہے اسکے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر پھر ایک موج ہے اور اس کے اوپر بادل کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ پائے جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لیے روشنی کہاں سے ہوگی۔

آیت میں کافر کے عمل کی ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ کی کیفیت اہل علم نے کئی طرح بیان فرمائی ہے، طبری نے ابی بن کعبؓ سے معتبر سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "کافر پانچ ظلمتوں میں پھرتا

---

[1] [مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ: ۱۸۳۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (إن اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ): ۴۵۸۱]

رہتا ہے، چنانچہ اس کا کلام ظلمت ہے، اس کا عمل ظلمت ہے، وہ ظلمت میں داخل ہوتا ہے اور ظلمت ہی میں سے نکلتا ہے اور قیامت کے دن آگ کی طرف جاتے ہوئے اس کا لوٹنا بھی ظلمتوں میں ہوگا۔" (طبری: ۱۷ ۲۶۳) یہ سید القراء کی تفسیر ہے، بعض اہل علم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تین طرح کی ظلمتیں بیان فرمائی ہیں، سمندر کی ظلمت، امواج کی ظلمت اور بادلوں کی ظلمت۔ اسی طرح کافر بھی تین ظلمتوں میں گرفتار ہے، عقیدے کی ظلمت، قول کی ظلمت اور عمل کی ظلمت۔"

امام رازی نے اسے حسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان ظلمتوں سے مراد دل پر، آنکھوں پر اور کانوں پر پڑے ہوئے پردے ہیں، جیسا کہ فرمایا: (خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ) [البقرۃ: ۷] "اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی نگاہوں پر بھاری پردہ ہے۔" بعض نے فرمایا، تاریک دل تاریک سینے میں ہے جو تاریک جسم میں ہے۔ ایک وجہ تشبیہ یہ ہے کہ کافر حق بات نہیں جانتا اور اسے یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ نہیں جانتا اور وہ سمجھتا یہ ہے کہ وہ جانتا ہے۔ یہ تینوں مراتب ان تین ظلمتوں کے مشابہ ہیں۔ (رازی)

ایک وجہ تشبیہ یہ ہے کہ کافر کے اعمال کو اس شخص کی مجموعی حالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو سمندر، اس کی امواج اور بادلوں کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اسے تشبیہ تمثیل کہتے ہیں اور اس میں مشبّہ کی ایک ایک چیز کی مشبّہ بہ کی ایک ایک چیز کے ساتھ مشابہت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ توجیہ تکلف سے خالی ہونے کی وجہ سے بہت اچھی ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پرندے (بھی جو) پر پھیلائے (اڑتے پھرتے ہیں) سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقوں سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔(۴۱) اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔(۴۲)

پرندے قدرت کی نشانی ہیں

شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا کہ وہ اس وقت آسمان وزمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں، اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

ہر مخلوق اپنا اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے

والے۔۔غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے۔۔عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

امام احمد حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اونٹنیوں اور سواریوں پر سواروں کو دیکھ کر فرمایا سلامتی کے ساتھ سوار ویں پر سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو، اور راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بناؤ۔سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتی ہیں، اور ان سے عمدہ اور افضل ہوتی ہیں۔[1]

امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بٹن تھے تھے، اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور سرداروں کو سرنگوں کرے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا: کیا میں تجھ کو جانوروں (کی کھال) کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا! پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب حضرت نوح (علیہ السلام) کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تم کو اللہ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے، ان کو اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلڑہ جھک جائے گا اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الہ الا

---

[1]۔(مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۹ طبع قدیم، اس کی روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور اس کی سند حسن ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۵۶۶ دار الحدیث قاہرہ)

اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے۔ [1]

حسن بصریؒ یہ کہتے تھے کہ جب درخت سرسبز ہوتا ہے تو وہ تسبیح کرتا ہے اور جب وہ کاٹ دیا جاتا ہے اور سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے، آپ نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آواز سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہو، پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا، پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا، آپ سے عرض کیا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا ہے آپ نے فرمایا جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ [2]

زمخشریؒ اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم وشعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح وعبادت ان کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے "کل قد علم صلوتہ"۔ میں اس مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور

---

[1] (مسند احمد ج ۲۲۵۲ طبع قدیم، احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۸۳ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۵ھ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۲۰)

[2] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲) (تفسیر ابن کثیر ج ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے" اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی، وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔ یعنی انکی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ ﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر اس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش برستی ہے اور وہ آسمان میں برفانی پہاڑوں کی طرح نظر آنے

والے بادلوں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو اچک لے جائے۔ (۴۳) اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے بیشک اس (سب معاملہ) میں سمجھنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ (۴۴)

کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بادل بناتا اور اٹھاتا ہے پھر ان کو آپس میں جوڑتا ہے۔ اس کے بعد بادلوں کو ایک دوسرے پر تہہ در تہہ کر دیتا ہے اور پھر ان سے موسلا دار بارش برساتا ہے۔ جو پہاڑوں کی مانند نظر آتی ہے اس میں بسا اوقات اولے بھی برستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے وہاں اولے برساتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولوں سے محفوظ فرماتا ہے۔ یہی صورت حال بارش کی ہے جو کہیں برستی ہے اور کہیں سے یوں ہی بادل گزر جاتے ہیں۔ بادلوں میں اس طرح بجلی چمکتی ہے جو آنکھوں کی بینائی کو حیرہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے بصیرت رکھنے والوں کے لیے اس میں اللہ کی ذات اور اس کی کبریائی کو پہچاننے کے لیے اَن گنت دلائل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں قدیم اور جدید فلکیات کا علم رکھنے والے سائنسدانوں نے ٹھیک اندازہ لگایا کہ سورج کی گرمی سے پانی بخارات کی صورت میں اوپر اٹھتا ہے اور ہوائیں بخارات کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں پھر بخارات فضا کے ایسے خطہ میں پہنچتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر وہ بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہوا بادلوں کو دھکیل کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہے جب بخارات ایک خاص نقطہ انجماد پر پہنچتے ہیں تو بارش بن کر زمین پر برستے ہیں سائنسدانوں میں بے دین طبقہ نے اس سے آگے سوچنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی جس بناء پر وہ

بارش کے سارے عمل کو فطری نظام سمجھ کر صرف نظر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پورے عمل میں گہرائی کے ساتھ غور کرنے کی دعوت دی ہے کیا بارش کو فطری عمل قرار دینے والے بے دین سائنسدان اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر ہوا میں اتنی قوت اور کشش کس نے پیدا کی ہے جو بخارات کی صورت میں لاکھوں ٹن پانی اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے اور سورج نسبتاً قریب ہونے کے باوجود اس پانی کو اپنی حرارت کے ذریعے کیوں ختم نہیں کر دیتا؟ فضا میں وہ خطے کس نے پیدا کیے ہیں جہاں پہنچ کر بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر ہواؤں کا رخ موڑنے والی کونسی قوت ہے جو ہوا کو ادھر سے ادھر جانے کا حکم دیتی ہے پھر سوچیے کہ وہ کونسی طاقت ہے جو کھربوں من پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایک دوسرے کے اوپر ایک مناسب فاصلہ پر رکھتے ہوئے سنبھالے ہوئے ہے پھر یہی بادل کہیں موسلا دھار بارش کی صورت میں برستے ہیں اور کہیں بوندا باندی کی صورت ٹپکتے ہیں۔ آخر بارش کا یہ نظام کس نے قائم کیا ہے دنیا میں کہیں بھی بادل یکدم نیچے نہیں گرتا۔ وہ قطرات کی شکل میں برستا اور اپنے وجود کو ختم کر دیتا ہے۔ اب ان برسنے والے اولوں پر غور کیجیے کہ ایک ہی بادل سے بیک وقت اس قدر اولے برستے ہیں کہ زمین کئی کئی فٹ برف سے ڈھک جاتی ہے اور اسی زمین سے چند فٹ دور وہاں بارش میں ایک اولہ بھی نہیں پڑتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک فصل کو اولوں سے تباہ کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ کھڑی ہوئی دوسری فصل کو بارش سے نہلاتا اور اسے اولوں سے محفوظ رکھتا ہے اب اس کے درمیان چمکنے اور گرجنے والی بجلی پر غور کریں جب وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ گرجتی اور چمکتی ہے۔ تو نہ صرف ڈر کے مارے لوگ سہم جاتے ہیں بلکہ بجلی کی چکا چوند روشنی میں ان کی بصارت بھی کام نہیں دیتی اگر اس موقع پر انسان کی نظر آسمانی بجلی کی شعاعوں سے ٹکرا جائے تو آنکھوں کی بینائی ختم

ہونے کا اندیشہ ہے۔جس بجلی کی کڑک سے لوگ خوف کھاتے ہیں اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ اپنی زبان میں اپنے رب کی حمد بیان کرتی ہے۔(الرعد: ۱۴)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہائے کم بختی زمانے کی! تو کوئی تم میں سے ہرگز یوں نہ کہے کہ ہائے کم بختی زمانے کی! اس لیے کہ زمانہ میں ہوں، رات اور دن میں لاتا ہوں، جب میں چاہوں گا تو رات اور دن ختم کر دوں گا (جب رات اور دن کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو رات اور دن کو یعنی زمانے کو گالی دینا دراصل اللہ کو گالی دینا ہوگا)۔"[1]

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں

---

[1]۔[مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرہا، باب النہی عن سب الدھر: ۲۲۴۶/۳]

جو چار پاؤں پر چلتے ہیں بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۴۵)اور ہم نے کھول کھول کر حقیقت بیان کرنے والی آیتیں نازل کر دی ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔(۴۶)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا فرمادی۔سوان میں سے بعض تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ۔اوران میں سے کچھ دوٹانگوں پر چلتے ہیں۔جیسے انسان اور پرندے اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو چارٹانگوں پر چلتے ہیں، جیسے اونٹ، گائے، بھینس وبکری شیر، ہاتھی وغیرہ۔سواللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔یقیناً وہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔قرآن کریم میں روشن مثالیں اور واضح دلائل اللہ تعالیٰ ہی بیان فرماتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر راہ راست پر آئیں۔لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک ہی پانی کے ساتھ مختلف شکلوں، رنگوں اور مختلف حرکات وسکنات والی بیشمار مخلوقات پیدا فرمادی ہیں، ارشاد فرمایا: (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ)[الانبیاء:۳۰] "اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی۔"

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا کہ یارسول اللہ! کافر کا حشر قیامت کے دن منہ کے بل کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "کیا جس ذات نے اس کو دنیا میں دونوں پاؤں پر چلایا ہے، وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتی کہ اس کو قیامت کے دن منہ کے بل

چلائے؟"[1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھے کہ آپ ہنس دیے اور فرمانے لگے: "جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟" ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں بندے کی اس گفتگو پر ہنسا ہوں جو وہ (قیامت کے دن) اپنے رب سے کرے گا، وہ کہے گا، اے اللہ! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں! دی ہے، تو وہ کہے گا، میں آج اپنے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا، سوائے اپنی ذات کی گواہی کے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا تیری ہی ذات کی گواہی تجھ پر آج کے دن کفایت کرتی ہے اور کراماً کاتبین کی گواہی۔ اب اس کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور اس کے مختلف اعضا کو حکم ہوگا کہ بولو، تو وہ اس کے سارے کیے ہوئے کام بول کر بتا دیں گے۔ پھر آدمی کو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی، اس وقت بندہ (اپنے اعضا سے) کہے گا، چلو دور ہو جاؤ، تمہارے لیے بربادی ہو، میں تمہاری خاطر ہی تو جھگڑ رہا تھا۔"[2]

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ: سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کا ٹھکانا اللہ نے جنت میں یا جہنم میں نہ لکھ دیا ہو اور یہ نہ لکھ دیا ہو کہ وہ نیک بخت ہے یا بدبخت ہے۔" ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! کیوں نہ پھر ہم لکھے پر بھروسا کریں اور عمل چھوڑ دیں (یعنی تقدیر کے روبرو عمل کرنا بے فائدہ ہے، جو قسمت میں ہے وہ ضرور ہوگا)۔ آپ نے فرمایا: "جو نیک بختوں میں سے ہے وہ نیکوں والے کاموں کی طرف چلے گا اور جو بدبختوں میں سے ہے وہ بدبختوں والے کاموں کی طرف چلے گا۔" اور فرمایا: "عمل کرو، ہر ایک کے لیے

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب یحشر الکافر علی وجہہ: ۲۸۰۶]

۲۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۶۹]

آسانی پیدا کی گئی ہے، یعنی نیکوں کے لیے آسان کیا جائے گا نیکوں کے اعمال کرنا اور بدوں کے لیے آسان کیا جائے گا بدوں کے اعمال کرنا۔"[1]

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ﴾

اور بعض (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ان کا حکم مان لیا پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ (۴۷) اور جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے

---

[1]۔ [مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق ال آدمی۔۔الخ: ۲۶۴۷]

۔(۴۸)اور اگر (فیصلہ) حق ان کے موافق ہو تو رسول کے پاس بڑے اطاعت گزار بن کر آتے ہیں۔(۴۹) کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔(۵۰)

چند منافق جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے انہی کی طرف ان آیات میں روئے سخن ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو ایمان وفرماں برداری کا اقرار کرتے ہیں اور موقع پر آ کر منہ موڑ جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ مومن نہیں اور جب کسی باہمی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو انکار کر جاتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو رسول کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں پھر کیا ان کے دل میں مرض نفاق ہے یا شک میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ بلکہ وہی ظالم ہیں جو ایسی بدگمانی رسول اور اللہ کی طرف جائز رکھتے ہیں۔ایمانداروں کی یہ شان نہیں بلکہ ان کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بلایا جاوے یعنی کوئی حکم دیا جاوے تو سمعنا واطعنا کے سوا اور کچھ نہ کہیں یعنی یہی کہیں کہ ہم حکم بردار ہیں۔اس سرزنش کے بعد وہ منافق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر آپ ہمیں وطن سے نکل جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم تعمیل کریں گے یعنی ہم دل سے مطیع ہیں۔فرمایا کہہ دو کیوں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو وطن سے نکلنے کا کوئی حکم نہیں دیتا۔دستور کے موافق طاعت کا اللہ اور رسول حکم دیتا ہے اسی پر قائم رہو اور اس پر بھی قائم نہ رہو گے تو رسول پر کچھ نہیں وہ پہنچا چکا اس کا بار تمہیں پر ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔واذا دعوا الی اللہ ورسولہ"۔(الخ)

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے مرسلا روایت کیا ہے کہ جب کسی انسان کا دوسرے شخص سے جھگڑا ہوتا تھا اور وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بلایا جاتا تھا اور اگر وہ حق پر ہوتا تھا اور کلی طور پر اسے اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ فیصلہ اس کے حق میں ہوگا (تو چلا آتا تھا) اور جس وقت یہ سمجھتا تھا کہ اس نے کسی پر ظلم کیا ہے پھر اس کو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بلایا جاتا تھا تو روگردانی کرتا تھا کہ فلاں کے پاس چلو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس کے علاوہ اس میں مختلف روایات ہیں کہ ان آیات میں کون منافق مراد ہیں اور کس خاص معاملہ کی طرف اشارہ ہے؟ مقاتلؒ کہتے ہیں بشر منافق مراد ہے اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا جس میں وہ حق پر نہ تھا اس لیے کہتا تھا کہ اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سردار یہود کرے گا۔ یہودی جانتا تھا کہ وہ دغاباز ہے اس لیے وہ کہتا تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف چلو۔ ضماک کہتے ہیں مغیرہ بن وائل منافق اور حضرت علی بن ابی طالبؓ میں ایک زمین کی بابت نزاع تھی علیؓ نے کہا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فیصلہ کراؤ اس نے انکار کیا واللہ اعلم۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی مثال اس بکری کی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہو، کبھی اس ریوڑ میں آتی ہو اور کبھی اس میں۔"[1]

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفات المنافقین وأحکامھم: ۲۷۸٤]

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ ﴾

ایمان والوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اسے تسلیم کیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(۵۱) اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے تو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔(۵۲)

مومنین مسلمین کو اطاعت کی تاکید

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کی اطاعت کی خبر دی ہے کہ خود اللہ کی کتاب میں یا رسول اللہ کی سنت میں ایسا حکم ہو جو طبیعت پر دشوار اور ناگوار ہو تب بھی مومنوں کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اگر یہ

منافقین بھی مخلص مومن ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔ [1]

امام بغوی نے فرمایا یہ آیت بہ طریق خبر نہیں ہے کہ مومن اس طرح کہتے ہیں، بلکہ اس آیت میں شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے کہ مومنوں کو اس طرح کہنا چاہیے۔ [2]

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت ؓ بدری صحابی تھے اور وہ انصار کے نقباء میں سے ایک تھے، انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھانجے جنادہ بن ابی امیہ کو بلایا اور فرمایا کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ تمہارے کیا فرائض ہیں اور تمہارے کیا حقوق ہیں! انہوں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عبادہ نے فرمایا تم پر امیر کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ تم تنگی میں ہو یا فراخی میں اور خواہ تم خوش ہو یا ناخوش اور خواہ تم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور تم پر لازم ہے کہ تم اپنی زبان کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور تم امیر کی مخالفت نہ کرو، سوا اس صورت کے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کا حکم دے۔ اگر وہ تم کو کتاب اللہ کے خلاف کرنے کا حکم دے تو تم کتاب اللہ کی پیروی کرنا، اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء ؓ نے فرمایا اسلام صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے اور خیر خواہی صرف اللہ اس کے رسول، خلیفہ اور عام مسلسمانوں کے لیے اور ہم سے حضرت عمر بن خطاب ؓ نے فرمایا سالم کا دستہ لا الہ الا اللہ کی شادت دینا ہے، اور نماز کو قائم کرنا ہے اور زکوۃ ادا کرنا ہے اور جس شخص کو اللہ نے مسلمانوں کا حاکم بنایا

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۷۳)

۲۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۲۴، دارالکتب العمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

ہے اس کی اطاعت کرنا ہے۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری امت کے سارے لوگ جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے انکار کیا۔" صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! انکار کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔" [2]

وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ: یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنے عرش کا سایہ عطا کرے گا، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سات قسم کے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ اس روز انھیں اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا کہ جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔" ان سات میں سے ایک وہ ہے کہ جسے اقتدار اور جمال کی مالکہ عورت نے دعوت بدکاری دی مگر اس نے (دعوت کو رد کرتے ہوئے) کہا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ [3]

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ
قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۴۵، ج ۸ ص ۲۶۲۴-۲۲۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۷۲۸۰]

۳۔ [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمین: ۱۴۲۳۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل إخفاء الصدقۃ: ۱۰۳۱]

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

اور یہ (منافقین) اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تو ان کو حکم دے تو وہ ضرور اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں تم فرمادو قسمیں نہ کھاؤ (ہم کو) (تمہاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔(۵۳) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ فرمادیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم روگردانی کروگے تو یاد رکھو کہ رسول پر صرف وہ ذمہ داری ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے۔ اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاجاؤ گے اور اور رسول کی ذمہ داری تو صرف پیغام کو صاف صاف پہنچادینا ہے۔(۵۴)

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

منافقین نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے صدق ایمان کا یقین دلانے کے لیے اور اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لیے بڑی قسمیں کھا کر کہتے کہ ہمیں تو آپ کے اشارے کا انتظار ہے، آپ جب اجازت دیں گے تو جہاد پر ضرور نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ انھیں کہہ دیجیے کہ قسمیں نہ کھاؤ،

بلکہ تم سے تو غیر مشکوک اطاعت وفرماں برداری مطلوب ہے، جیسے مخلص مسلمانوں کا کردار وعمل ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تو تمہارے سارے ظاہر و باطن کی خبر رکھتا ہے، تمہاری جھوٹی قسمیں، نفاق اور مسلمانوں کو دھوکا دینا سب کچھ اسے معلوم ہے، اس لیے اس سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ فرماتے تھے: "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کے بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔"[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری مثال اور میرے دین کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، ایسی ہے جیسے اس شخص کی مثال جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے میری قوم! میں نے لشکر کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے (یعنی دشمن کی فوج کو) اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں، پس جلدی بھاگو۔ اب اس کی قوم میں سے ایک گروہ نے اس کا کہنا مانا اور شام ہوتے ہی نکل پڑے اور آرام سے چلے گئے اور ایک گروہ نے جھٹلایا اور صبح تک اپنے ٹھکانے میں رہے اور صبح ہوتے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور انھیں تباہ کیا اور جڑ سے اکھیڑ دیا۔ پس یہی اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں، اس کی پیروی کی اور جس نے میرا کہنا نہیں مانا اور سچے دین کو جو میں لے کر آیا ہوں اسے جھٹلایا۔"[2]

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۱۔ [مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم: ۲۶۵۳]

۲۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی أمتہ ومبالغتہ فی تحذیرہم مما یضرہم: ۲۲۸۳]

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ
بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ
وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند فرمایا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔(۵۵) اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی

اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(۵۶)(اے مخاطب) کافروں کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔(۵۷)

شان نزول: (آیت) "۔وعداللہ الذین امنوا منکم"۔(الخ)

امام حاکم ؒ نے ابی بن کعب ؓ سے روایت نقل کی ہے اور طبرانی ؒ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرام جس وقت مدینہ منورہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ان کی مخالفت پر متفق ہو گئے چنانچہ رات کو بھی ہتھیار پاس رکھ کر سوتے تھے اور بغیر ہتھیار کے کہیں نہیں جاتے تھے چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو ہم اس طرح زندگی گزار رہے ہیں اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہم ایسے اطمینان کے ساتھ رات گزاریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا اور ابن ابی حاتم ؒ نے حضرت براء ؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ہم اس وقت سخت پریشانی کی حالت میں تھے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی اسنید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حدیبیہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا تو اللہ عزوجل

نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ [1]

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں۔ [2]

مقاتل بن حیانؒ بیان کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکہ میں کب فتح عطا فرمائے گا، اور ہمیں کب زمین میں امن نصیب ہوگا، اور ہم سے کب مصائب دور ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور اس آیت کے مخاطب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں۔ [3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کسریٰ (شاہ ایران) ہلاک ہوا، اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور قیصر (شاہ روم) بھی ضرور ہلاک و برباد ہوگا، پھر اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہوگا (روم اور ایران دونوں مسلمانوں کے زیر نگیں ہونگے) اور وہاں کے خزانے تم اللہ کے راستے میں تقسیم کرو گے۔" [4]

سیدنا ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے دکھائی گئی اور مجھے سرخ اور سفید (قیصر و کسریٰ کے) دو خزانے دیے

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۵۹)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۰)

۳۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۱)

۴۔ [بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الحرب خدعۃ: ۳۰۲۷]

گئے۔"[1]

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ : جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عدی بن حاتمؓ سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: "کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟" انھوں نے کہا کہ میں اسے جانتا نہیں، لیکن اس کے بارے میں سن رکھا ہے، آپ نے فرمایا: "اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل فرما دے گا، حتیٰ کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور کسی کی پناہ کے بغیر وہ بیت اللہ کا طواف کرے گی اور تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو بھی ضرور فتح کرو گے۔" میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بنی ہرمز اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔" عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے چل کر تن تنہا آئی اور کسی کی پناہ کے بغیر اس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور اللہ کی قسم! تیسری بات بھی ضرور پوری ہو کر رہے گی، کیونکہ یہ بات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمائی ہے۔[2]

سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لیے قیامت تک لڑتی رہے گی۔"[3]

سیدنا تمیم داریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "

۱۔[مسلم، کتاب الفتن، باب ہلاک ہذہ الأمۃ بعضہم ببعض: ۲۸۸۹]

۲۔[بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی ال إسلام: ۳۵۹۵۔ مسند أحمد: ٤/ ۲۵۷، ح: ۱۸۲۹۰]

۳۔[مسلم، کتاب ال إمارۃ، باب قولہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): لاتزال طائفۃ من أمتی۔۔الخ: ۱۹۲۲]

بلاشبہ یہ دین وہاں تک ضرور بضرور پہنچ کر رہے گا، جہاں تک دن اور رات کی رسائی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مٹی اور گارے کے مکان کو نہ چھوڑے گا، مگر اس میں اس دین کو داخل کرے گا، خواہ کوئی اسے عزت کے ساتھ قبول کرے یا ذلت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ اسلام (اور اہل اسلام کو) عزت دے گا اور کفر کو ذلیل و خوار کر کے رہے گا۔"[1]

سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر لڑتا رہے گا اور حق کے دشمنوں پر غلبہ پائے گا، حتیٰ کہ ان میں سے آخری گروہ مسیح دجال سے لڑے گا۔"[2]

سیدنا حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں نبوت رہے گی جب تک اللہ نے چاہا کہ رہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا لے گا، تب نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھا لے گا۔ اس کے بعد کاٹنے والی بادشاہت ہوگی، وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ نے چاہا کہ رہے۔ پھر زبردستی کی بادشاہت ہوگی، وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ نے چاہا کہ رہے، پھر اللہ اسے اٹھا لے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی۔" اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔[3]

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں بہت خوف و ہراس تھا، امن وسکون کا نام ونشان نہیں تھا۔ مکی دور کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ

---

[1]۔[مسند أحمد: ٤/ ١٠٣، ح: ١٦٩٥٩]

[2]۔[أبوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی دوام الجهاد: ٢٤٨٤]

[3]۔[مسند أحمد: ٤/ ٢٧٣، ح: ١٨٤٣٦۔ مسند أبي داؤد الطيالسي: ١/ ٣٤٩، ٣٥٠، ح: ٤٣٩]

علیہ وآلہ وسلم) کے لیے نماز پڑھنا بھی مشکل تھا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا)[الجن:۱۹] "اور یہ کہ بلاشبہ بات یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا کہ اس کو پکارے تو وہ قریب تھے کہ اس پر تہ بہ تہ جمع ہو جائیں۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپس میں کہنے لگے، تم میں سے یہ کام کون کرسکتا ہے کہ فلاں لوگوں نے جو اونٹنی نحر کی ہے، اس کی اوجھڑی لا کر جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے۔ یہ سن کر ان کا بڑا بدبخت اٹھا، اوجھڑی لایا اور انتظار کرتا رہا، جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے میں گئے تو اس کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان پیٹھ پر رکھ دیا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا، لیکن کچھ نہیں کرسکتا تھا، کاش! میرا کچھ بس چلتا۔ وہ لوگ ہنس رہے تھے اور (خوشی سے) ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے، ادھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے ہی میں پڑے ہیں، انھوں نے اپنا سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ سیدہ فاطمہؓ آئیں اور آپ کی پیٹھ پر سے اس کو اٹھا کر پھینک دیا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور دعا کی: "اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔" آپ نے تین بار یہ فرمایا۔ جب آپ نے ان کے لیے بددعا کی تو وہ ان پر گراں گزری، وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے نام لے کر فرمایا: "اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔" انھوں نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ان لوگوں کو، جن کا نام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لیا تھا، بدر کے کنویں میں دیکھا کہ وہ مرے ہوئے پڑے تھے۔

①

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ تکلیف جو مشرکین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچائی، وہ بیان کریں، انھوں نے کہا، ایک بار ایسا ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کندھا پکڑا اور اپنا کپڑا آپ کی گردن میں لپیٹ کر بہت سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹا۔ اتفاق سے ابوبکر صدیقؓ وہاں پہنچ گئے، انھوں نے عقبہ کا کندھا پکڑا اور اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے دھکیل دیا اور یہ آیت تلاوت کی: (اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاۗءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ)[المؤمن:۲۸] "کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے" حالانکہ یقیناً وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے۔"②

سیدنا خباب بن ارتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ہم نے آپ سے (کافروں کی ایذادہی کا) شکوہ کیا۔ ہم نے کہا، آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد کیوں نہیں مانگتے اور آپ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر گڑھے میں اس کو گاڑ کے آرا لایا جاتا اور آرے کو اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے اور یہ بات بھی

۱۔[بخاری، کتاب الوضوء، باب إذا ألقی علی ظہر المصلی قذر أو جیفۃ۔۔الخ:۲٤۰۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب ما لقی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من أذی المشرکین والمنافقین:۱۷۹٤]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ المؤمن:٤۸۱۵]

اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی اور لوہے کی کنگھیاں اس کی ہڈیوں اور پٹھوں تک چلائی جاتیں اور یہ بات بھی اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی۔ اللہ کی قسم! اللہ اس دین کو ضرور پورا کرے گا۔ ایک شخص سوار ہو کر صنعاء سے حضر موت تک جائے گا۔ اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا، یا اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا ڈر ہوگا، لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔"[1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات ایسا ہوا کہ مدینہ کے لوگ (ایک آواز سن کر) گھبرا گئے اور آواز کی طرف چلے، کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس لوٹ کر آ رہے تھے۔ آپ ان سے پہلے ہی آواز کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "ڈر کی کوئی بات نہیں، ڈر کی کوئی بات نہیں۔" آپ ابو طلحہؓ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے، اس پر زین نہیں تھی اور آپ کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔[2]

سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرا آیا اس نے راستوں کی بدامنی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: "اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟" میں نے عرض کی، جی نہیں، لیکن میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک اکیلی عورت حیرہ سے چلے گی اور (مکہ پہنچ کر) کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔" میں نے اپنے دل میں سوچا کہ تب قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کہاں چلے جائیں گے کہ جنھوں نے شہروں کو برباد کر کے رکھ دیا۔

۱۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام: ۳۶۱۲]

۲۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق۔۔۔ الخ: ۶۰۳۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب شجاعتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۲۳۰۷]

آپ نے فرمایا: "اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے (تم پر) کھول دیے جائیں گئے۔" میں نے عرض کی کہ کیا کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: "کسریٰ بن ہرمز اور اگر تم زندہ رہے تو یہ بھی دیکھ لو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا اور چاہے گا کہ کوئی اسے لے لے تو اسے کوئی ایک آدمی بھی نہیں ملے گا جو اسے لے لے (سب مال دار ہو جائیں گے)۔"[1]

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا : سیدنا معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سواری پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی، آپ نے میرا نام لے کر مجھے آواز دی۔ میں نے لبیک وسعدیک کہا۔ آپ نے پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسی طرح مجھے پکارا اور میں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد پھر یہی سوال جواب ہوئے تو آپ نے فرمایا: "جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔" پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد مجھے پکارا اور میں نے جواب دیا، تو آپ نے فرمایا: "جانتے ہو جب بندے اللہ کا حق ادا کریں تو اللہ کے ذمے بندوں کا حق کیا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ کہ انھیں عذاب نہ دے۔۔۔"[2]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۔۔: مشرکین عام طور پر ہمیشہ تعداد اور قوت میں زیادہ رہے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں بھی یہی حال تھا کہ مسلمان

۱۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۵۹۵]

۲۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعاً: ۳۰]

کمزور تھے، ان سے خوف زدہ رہتے تھے، تو ایسے حالات میں ان کے لیے خلافت کا وعدہ عجیب اور ناممکن سی بات نظر آتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ کافروں کے متعلق یہ گمان ہرگز نہ کریں کہ وہ اللہ کو مقابلے میں عاجز کر دیں گے، یہ لوگ جتنی تعداد اور قوت میں ہوں، جتنی چال بازیاں اور فوجیں اکٹھی کر لیں، مقابلہ ان کا اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ کسی صورت مقابلے میں عاجز نہیں کر سکتے۔ کعبؓ کا شعر ہے ؎

هَمَّتْ سَخِيْنَةُ أَنْ تُغَالِبَ رَبَّهَا
فَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

"سخینہ (قریش) نے ارادہ کیا کہ اپنے رب سے مقابلے میں غالب آئیں، مگر اس زبردست غالب کا مقابلہ کرنے والا تو ہر صورت مغلوب ہی ہوگا۔"[1]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

---

[1] [مستدرک حاکم: ۳/۴۸۸، ح: ۶۰۶۵، حاکم، ذہبی اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے]

بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو تمہارے غلام اور لونڈیاں بھی اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ ایک نماز فجر سے پہلے دوسرے دوپہر کو جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشا کے بعد یہ تین اوقات تمہاری بے پردگی کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ تم ایک دوسرے کے پاس بار بار آمد و شد (آنے جانے) رکھنے والے ہو۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔

مومنوں کے لیے لازم ہے کہ ان کے غلام اور ان کے نابالغ بیٹے تین اوقات میں ان سے اجازت لے کر ان کی خلوت گاہوں میں داخل ہوا کریں کیونکہ یہ تین اوقات پردہ کے اوقات ہیں۔ تینوں اوقات کے علاوہ ان کے غلاموں اور نابالغ بچوں کا خلوت گاہ میں آنے پر کوئی گناہ نہیں۔ اس اجازت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے گھریلو کام کے لیے بار بار خلوت گاہ میں آنا جانا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اصول بیان کرتا ہے تاکہ تمہاری معاشرت برائی اور بے حیائی سے محفوظ رہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر کام اور بات کو پوری طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔ ہاں جب نابالغ بچے

بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لینے کے پابند ہیں جس طرح تمہارے بڑے لوگوں کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کیا حکم دینا ہے اور کیا نہیں دینا؟ کیونکہ وہ ہر کام اور بات کی حکمت جانتا ہے۔

اس آیت میں جو ثلاث مرات فرمایا ہے اس کا معنی تین اوقات ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت لینا ضروری ہے۔ [1]

﴿ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹ ﴾

اور جب تمہارے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیا کریں جس طرح وہ لوگ اجازت لیا کرتے تھے جو ان سے پہلے بالغ ہوئے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمہارے لیے صاف صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

بالغ لڑکوں کا گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ازادلڑکا بالغ ہوجائے تو وہ کسی شخص اور اس کی بیوی کے ہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے اخل نہ ہو اور جس طرح اور مرد گھر میں دخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں وہ بھی اجازت طلب کرے۔ (۱)

سعید بن جبیرؒ نے کہا جس طرح کسی شخص کے بڑے بیٹے اور دیگر رشتہ دار اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ لڑکے بھی اجازت طلب کریں۔ (۲)

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں بغیر تیری اجازت کے جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے، جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔" (۳)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی حجرے میں جھانکا، تو آپ تیر لے کر کھڑے ہوئے، گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، آپ اس آدمی کی طرف چپکے چپکے آ رہے تھے کہ اس کی آنکھ میں تیر چبھو دیں۔ (۴)

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۱۹)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۲۴)

۳۔ [بخاری، کتاب الدیات، باب من اطلع فی بیت قوم۔۔الخ: ۶۹۰۲۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵۸/۴۴]

۴۔ [بخاری، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان من أجل البصر: ۶۲۴۲۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵۷]

عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ
وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور وہ بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں نکاح کرنے کی امید نہیں ہے سو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (سر کی چادریں) اتار کر رکھ دیں بشرطیکہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں، اگر وہ اس سے بھی اجتناب کریں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔

بوڑھی خواتین کا مسئلہ

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے آیت کریمہ: (وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ) کی تفسیر میں فرمایا یہ عام حکم ہے، پھر بڑی عمر کی بوڑھی عورتوں کے حق میں) اسے منسوخ کر کے انھیں اس حکم سے مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: (وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا) یعنی بڑی عمر کی بوڑھی عورتیں جنھیں اب نکاح کی خواہش نہ ہو (ان پر پردے کے احکام کی پابندی نہیں ہے)۔[1]

لیکن اللہ نے ایسی عورتوں کے لیے بھی بہتر یہ قرار دیا ہے کہ وہ غیر محرم کے سامنے اپنے سروں سے اوڑھنی اور اپنے جسموں سے برقع نہ اتاریں، اسی میں ان کے لیے بھلائی ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بے پردہ اور بے حیا عورتوں کے لیے بڑی شدید وعید بیان کی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان

۱۔ [أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی قولہ تعالیٰ: (وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارھن): ۴۱۱۱]

کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا، ایک تو وہ لوگ جن کے پاس بیل کی دموں کی مانند کوڑے ہونگے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور ایک وہ عورتیں جو کپڑے تو پہنے ہوں گی لیکن ننگی ہوں گی، (مردوں کو) مائل کرنے والی اور خود (ان کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر گویا بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہونگے، وہ جنت میں نہیں جائیں گی، بلکہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آتی ہے۔"[1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پردے کا حکم اترنے کے بعد سیدہ سودہؓ (چادر وغیرہ اوڑھ کر) حاجت کے لیے باہر نکلیں، وہ بھاری جسامت کی عورت تھیں، جو کوئی انھیں پہلے سے پہچانتا ہوتا وہ اب بھی پہچان لیتا تھا۔ خیر سیدنا عمرؓ نے انھیں دیکھ لیا اور کہا کہ اے سودہ! واللہ! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں، دیکھیے تو آپ کس طرح باہر نکلی ہیں؟ یہ سن کر وہ لوٹ آئیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور ہاتھ میں ہڈی تھی۔ پس وہ اندر آئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! میں ضرورت سے باہر نکلی تھی، لیکن عمرؓ نے مجھ سے یہ یہ باتیں کیں۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ اسی وقت وحی آنا شروع ہوئی، پھر وحی کی حالت موقوف ہوگئی اور ہڈی آپ کے ہاتھ ہی میں تھی، آپ نے اس کو ہاتھ سے رکھا نہیں تھا۔ پس آپ نے فرمایا: "بیشک تم (عورتوں) کو ضرورت سے (کام کاج کے لیے) باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔"[2]

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کے سر کے

۱۔ [مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات: ۲۱۲۸]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (لاتدخلوا بیوت النبی۔۔الخ): ۴۷۹۵]

بال کھلے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس بناء پر ان کا دوپٹہ اتار کر رکھنا جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے، عورت کا پورا جسم سوا چہرے، ہتھوں اور پیروں کے واجب الستر ہے اور اس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے، اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کو اتارن اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کی مثل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ گھر میں قمیض پہنے اور دوپٹہ اوڑھے اور اوپر اوڑھنے والی چادر اتار سکتی ہیں۔ [1]

فرمایا: غیر متر جات بزینۃ: تبرج کا معنی ہے کسی چیز کو ظاہر کرنا اور دکھانا یعنی ان کی زینت اور بناؤ سنگھار کے دکھائی دینے میں کوئی حجاب نہ ہو، اس طرح وہ خود کو نہ دکھائیں۔

ام ضیاء بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گئی میں نے عرض کیا اے ام المومنین! آپ بالوں کو رنگنے، کپڑوں کو رنگنے، کانوں میں بالایں پہننے، پازیب پہننے، سونے کی انگوٹھی پہننے اور باریک کپڑوں کے پہننے کے بارے میں کیا فرماتی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں لیکن تمہارے اس بناؤ سنگھار کو غیر محرم نہ دیکھے۔ [2]

سعید بن جبیر نے کہا وہ اپنی چادر اتار کر گھر سے نہ نکلے جس سے اس کی زینت دکھائی دے۔ [3]

مقاتل بن حیانؒ نے کہا اس کے لیے اوپر اوڑھنے والی چادر اتار کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے جس سے

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۴۴)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 14849)

۳۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 14851)

اس کے گلے کا ہار، کانوں کی بالیاں اور دیگر زیورات دکھائی دیں۔ [1]

﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾﴾

نہ تو نابینا پر کوئی حرج ہے، نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے، نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں

---

[1] (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۵۲)

سے یا اپنے ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ۔اس بات میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ اور جب گھروں میں داخل ہوتو اپنے اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ دعائیہ کلمہ ہے۔اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کھول بیان فرماتا ہے۔تاکہ تم عقل سے کام لو۔

شان نزول: (آیت) "۔لیس علیکم جناح"۔(الخ)

بزارؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سفر میں جانے کو پسند کرتے تھے چنانچہ وہ اپنے اموال کی کنجیاں اپنے محتاجوں کو دیدیا کرتے تھے اور ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم نے تمہیں اجازت دے دی ہے جو تمہاری طبیعت چاہے سو کھاؤ مگر وہ پسماندہ حضرات کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان کی چیزوں کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ہمیں خوشی سے اجازت نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ نے (آیت) "لیس علیکم"۔"۔او ما ملکت مفاتحہ"۔(الخ) تک آیت نازل فرمائی، یعنی ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے

اختیار میں ہیں، کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اور ابن جریرؒ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ ان سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے آیت کریمہ "۔لیس علی الاعمیٰ"۔(الخ) میں اندھے لنگڑے اور بیمار کا ذکر کیا گیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس چیز کے بارے میں مجھے عبداللہ بن عبداللہ نے بیان کیا کہ مسلمان جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنے محتاجوں کو گھروں پر چھوڑ جاتے اور انھیں اپنے گھروں کی چابیاں دے جاتے اور ان سے کہہ جاتے کہ ہم نے تمہیں مکمل اختیار دیدیا ہے جو ہمارے گھروں میں ہے سو کھاؤ پیو مگر وہ لوگ اس چیز میں تنگی محسوس کرتے اور کہتے کہ ان کی عدم موجودگی میں ہم ان کے گھروں میں نہیں جائیں گے تو یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اجازت دینے کے لیے نازل فرمائی ہے، نیز قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ عرب کے ایک قبیلہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس قبیلہ کا کوئی بھی فرد تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا اور اپنا دن کا کھانا اٹھا کر رکھ لیتا تھا جب تک کہ اس کو ساتھ کھانے کے لیے کوئی نہ ملے جب کوئی ساتھی مل جاتا تب کھاتا اور نیز عکرمہؒ اور ابو صالحؒ سے روایت کیا ہے کہ انصار کے یہاں جب کوئی مہمان آجاتا تھا تو جب تک مہمان ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا اس وقت تک یہ بھی کھانا نہ کھاتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس چیز کی اجازت مرحمت فرمانے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو کفایت کرتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کفایت کرتا ہے۔"[1]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک آدمی کا کھانا دو

۱۔[بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب طعام الواحد یکفی الاثنین: ۵۳۹۲۔ مسلم، کتاب الأشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام القلیل۔۔الخ: ۲۰۵۸]

آدمیوں کو کافی ہوجاتا ہے اور دو کا چار کو اور چار کا آٹھ کو کافی ہوجاتا ہے۔"[1]

عمر بن ابی سلمہؓ جو ام المومنین ام سلمہؓ کے بیٹے تھے، کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کھانا کھایا اور میں رکابی کے سب اطراف میں ہاتھ بڑھانے لگا تو آپ نے مجھے فرمایا: "اپنے سامنے سے کھاؤ۔"[2]

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اشعری لوگ جب لڑائی میں (کھانے کے حوالے سے) محتاج ہوجاتے ہیں، یا مدینہ میں ان کے بال بچوں کا کھانا کم ہوجاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے، اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے ہیں، پھر آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"[3]

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً: اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو، بعض لوگوں کے لیے اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا گراں گزرتا ہے، لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں، آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے؟ سلام کہنے سے متعلق چند احادیث پیش خدمت ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا، اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے تم اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔"

۱۔[مسلم، کتاب الأشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام۔۔الخ: ۲۰۵۹]

۲۔[بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الأکل: ۵۳۷۷]

۳۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الأشعریین (رض): ۲۵۰۰]

--[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا، جاؤ اور ان فرشتوں کو جو بیٹھے ہوئے ہیں، سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہارے سلام کا کیا جواب دیتے ہیں، کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ پس آدم (علیہ السلام) نے (جا کر) کہا، "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" تو انھوں نے کہا، "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ" پس انھوں نے "وَرَحْمَةُ اللهِ" کا اضافہ کر دیا۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم جنت میں نہیں جاؤ گے، یہاں تک کہ ایمان لاؤ اور تم مومن نہیں ہو گے، یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ (وہ یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو عام کرو۔"[3]

سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "السلام علیکم" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) دس (نیکیاں) ہیں۔" پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) بیس

---

[1]۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام: ۱۲۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام وأی أمورہ أفضل؟: ۳۹]

[2]۔[بخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام: ۶۲۲۷۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب یدخل الجنۃ أقوام أفئدتہم مثل أفئدۃ الطیر: ۲۸۴۱]

[3]۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنہ لا یدخل الجنۃ إلا المؤمنون۔۔الخ: ۵۴]

(نیکیاں) ہیں۔" پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پس وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: "(اس کے لیے) تیس (نیکیاں) ہیں۔"[1]

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ ﴾

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے لیے رسول کے پاس ہوں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والے ہیں۔ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو جیسے چاہیں آپ جازت دیں اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کریں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

۱۔ [أبوداؤد، کتاب الأدب، باب کیف السلام؟: ۵۱۹۵۔ ترمذی، کتاب الاستیذان والآداب، باب ماذکر فی فضل السلام: ۲۶۸۹]

شان نزول: (آیت) "۔انما المؤمنون الذین امنوا"۔(الخ)

ابن اسحاق ؒ نے اور بیہقیؒ نے دلائل میں عروہ اور محمد بن کعب قرضی سے روایت کیا ہے کہ احزاب کے سال جس وقت قریش مقابلہ کے لیے آئے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے قریب مجمع الاسیال میں پڑاؤ ڈالا اور ان کا سپہ سالار ابوسفیان تھا، ادھر سے قبیلہ غطفان آیا اور اس نے احد پہاڑ کے کنارے پر پڑاؤ کیا، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس چیز کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مدینہ منورہ کے باہر خندق کھودنے کا حکم دیا چنانچہ آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے خندق کھودنی شروع کی چنانچہ منافقین نے ٹال مٹول شروع کر دی آتے اور معمولی سا کام کر کے بغیر آپ کی اجازت کے اس طریقہ پر کہ آپ کو معلوم نہ ہو سکے اپنے گھروں کی طرف چلے جاتے تھے اور مسلمانوں میں سے جب کسی آدمی کو بہت ضروری کام پیش آجاتا تو اپنے اس کام کا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تذکرہ کرتا اور اپنے کام کے پورا کرنے کی آپ سے اجازت طلب کرتا، چنانچہ اس کو اجازت دے دی جاتی جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو جاتا تو پھر فوراً واپس آجاتا تھا تو ایسے مومنین کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے کہ سچے مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غزوہ تبوک سے واپس آئے اور جب مدینہ منورہ کے قریب آگئے تو فرمایا: "مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو تمہارے ساتھ ہر راستے اور وادی میں شریک ہوئے ہیں۔" لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ تو مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ فرمایا: "(ہاں!) وہ مدینہ منورہ ہی میں ہیں، انھیں کسی عذر نے روک لیا تھا۔"[1]

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب نزول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الحجر: ٤٤٢٣]

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾﴾

(مسلمانو!) تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بیشک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں۔ پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں یا انھیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔

شان نزول: (آیت) "۔لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم"۔(الخ)

ابونعیمؒ نے دلائل میں ضحاکؒ کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا ابوالقاسم کہا کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لے کر ایک دوسرے کی طرح مت پکارو، چنانچہ اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہنا شروع

کر دیا۔

سیدنا ابوسعید بن معلیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس سے گزرے اور مجھے بلایا، لیکن میں (نماز چھوڑ کر) نہ گیا، بلکہ میں نے نماز مکمل کی اور پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میرے بلانے پر (فوراً) کیوں نہیں آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: (يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ) [الانفال: ٢٤] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب وہ تمہیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تکلیف پہنچانے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ معاندانہ روش میں برابر بڑھتے ہی رہے تو آپ نے یوں بددعا فرمائی: (اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ) "اے اللہ! ان پر سیدنا یوسف (علیہ السلام) کے زمانے کی طرح سات سال کا قحط بھیج کر میری مدد فرما۔" آخر ان پر ایسا سخت قحط نازل ہوا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے وہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان میں سے اگر کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اسے ایک دھواں سا دکھائی دیتا۔ اس وقت ابوسفیان آپ کے پاس آ کر کہنے لگا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان سے یہ عذاب دور کر دے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی (اور قحط ختم

---

[1]۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (یٰأیہا الذین اٰمنوا استجیبو اللہ وللرسول۔۔الخ): ٤٦٤٧]

ہوگیا) لیکن وہ پھر شرک کرنے لگے۔ ①

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ "یہ دلیل ہے کہ زندگی کے تمام امور کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لائی ہوئی شریعت اور ان کی سنت کی کسوٹی پر پرکھنا واجب ہے، جو چیز آپ کی سنت کے مطابق ہوگی، اسے قبول کرلیا جائے گا اور جو قول و فعل اس کے مخالف ہوگا اسے رد کردیا جائے گا۔ چاہے کہنے یا کرنے والا کوئی بھی انسان ہو۔ ارشاد فرمایا: (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ) [الحشر:۷] "اور رسول تمہیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔" اور فرمایا: (قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ) [آل عمران:۳۲] "کہہ دے اللہ اور رسول کا حکم مانو، پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہاتھ سے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ ہے۔" پھر آپ نے اس کی دائیں جانب اور بائیں جانب کئی خط کھینچے، پھر فرمایا: "یہ جدا جدا راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بیٹھا ہے، جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ) [الانعام:۱۵۳] "اور یہ کہ بیشک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کردیں گے۔" ②

---

①۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (ربنا اکشف عنا العذاب إنا مومنون): ۴۸۲۲، ۴۸۲۴]

②۔ [مسند أحمد: ۱/۴۶۵، ح: ۴۴۳۶۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۱۸، ح: ۳۲۴۱]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں، وہ کام مردود ہے۔"[1]

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ نے فرمایا: "اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔" اس آدمی نے جواب دیا، میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: "(اچھا، اللہ کرے) تجھ سے ایسا نہ ہو سکے۔" اس شخص نے تکبر کی وجہ سے یہ بات کہی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص (عمر بھر) اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں اٹھا سکا۔[2]

سیدنا عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو (دوران خطبہ جمعہ میں) منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا، اللہ ان دونوں ہاتھوں کو تباہ کرے! میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے زیادہ کرتے نہیں دیکھا اور انھوں نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔[3]

سیدنا کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے اور ام الحکم کا بیٹا عبدالرحمن بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا۔ سیدنا کعبؓ نے فرمایا، اس خبیث کو دیکھو! بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے (جو خلاف سنت ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: (وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا) [الجمعۃ:11] "اور جب وہ کوئی تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اٹھ کر اس طرف چلے جاتے ہیں اور تجھے کھڑا

۱۔ [بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود: ۲۶۹۷۔ مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ۔۔۔ الخ: ۱۷۱۸]

۲۔ [مسلم، کتاب الأشربۃ، باب آداب الطعام والشراب وأحکامہما: ۲۰۲۱]

۳۔ [مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ: ۸۷٤]

چھوڑ جاتے ہیں۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے نہ روکو۔" تو ان کے ایک بیٹے نے کہا، ہم تو روکیں گے۔ تو سالمؒ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، میں تیرے سامنے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم انھیں ضرور روکیں گے۔[2]

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْم "سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پتنگے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرتے ہیں، وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے۔ اب یہ انھیں ہر چند روک رہا ہے، لیکن اس شخص کے روکنے سے نہیں رکتے، وہ ہیں کہ اس میں گرے جاتے ہیں۔ (یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور) میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو، آگ سے بچو، لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔"[3]

﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ

۱۔[مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فی قولہ تعالیٰ: (وإذا رأوا تجارۃ۔۔الخ): ۸٦٤]

۲۔[ابن ماجہ، المقدمۃ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۱٦]

۳۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتہاء عن المعاصی: ٦٤٨٣۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی أمتہ۔۔الخ: ۲۲۸٤/۱۸]

عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾

آگاہ رہو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، تم جس حال پر ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے اور جس دن یہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اور اللہ ہر چیز سے اچھی طرح واقف ہے

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ابن جریر طبریؒ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یاد رکھو، سارے آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور مملوک کو لائق نہیں کہ اپنے مالک کے حکم کی نافرمانی کرے اور اس کی سزا کا حق دار بنے۔ فرماتے ہیں، لوگو! اسی طرح تمہارے لیے بھی اپنے رب کے حکم کی جو تمہارا مالک ہے، خلاف ورزی کرنا درست نہیں، سو اس کی اطاعت کرو، اس کے حکم پر عمل کرو اور جب تم اس کے رسول کے ساتھ کسی جامع کام میں حاضر ہو تو اس کی اجازت کے بغیر مت نکلو۔"[1]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ مسکرائے، آپ نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرا رہا ہوں؟" ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں بندے کی اس گفتگو کی وجہ سے مسکرایا ہوں جو وہ اپنے

۱۔ (تفسیر ابن جریر طبری: ۲۶۴۷۶)

مالک سے کرے گا۔ بندہ کہے گا کہ اے میرے مالک! کیا تو مجھے ظلم سے پناہ نہیں دے چکا ہے؟ (یعنی تو نے وعدہ کیا ہے کہ ظلم نہیں کروں گا)۔" نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ ہاں! (ہم ظلم نہیں کرتے)۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پھر بندہ کہے گا کہ میں کسی کی گواہی کو اپنے اوپر سوائے اپنی ذات کے جائز نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا! تیری ہی ذات کی گواہی تجھ پر آج کے دن کفایت کرتی ہے اور کراماً کاتبین کی گواہی۔" نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پھر بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا (ہاتھ پاؤں) کو حکم ہوگا کہ بولو۔ جس سے آدمی کے ہاتھ پاؤں میں زبان کی سی گویائی پیدا ہوجائے گی اور وہ آدمی کے گناہوں کی پوری گواہی ادا کریں گے۔ پھر اسے کلام کی اجازت دی جائے گی۔ تو بندہ اپنے اعضا (ہاتھ پاؤں) سے کہے گا کہ چلو دور ہوجاؤ، تم پر اللہ کی مار، میں تو تمہارے ہی لیے جھگڑا کر رہا تھا (یعنی تمہارا ہی دوزخ سے بچانا مجھے منظور تھا، پس تم خود ہی گناہ کا اقرار کر چکے، اب دوزخ میں جاؤ)۔"[1]

سورہ فرقان

یہ سورت مکی ہے اس میں ستتر آیتیں اور تین سو بانوے کلمات اور تین ہزار سات سو تریسٹھ حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورہ کا نام فرقان اس لیے ہوا کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ اس میں ایسے مضامین ہیں جن سے حق و باطل کے آخری فیصلے کا علم ہوجاتا ہے۔

---

[1]۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۶۹]

عہد رسالت میں بھی اس سورت کو سورہ الفرقان کہا جاتا تھا: حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں حضرت ہشام بن حکیمؓ کو سورہ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا، میں نے غور سے ان کی تلاوت سنی، وہ اس میں بہت سے ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے نہیں پڑھائے تھے، قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا، پھر میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا اور کہا میں نے تم کو نماز میں جس طرح سورت پڑھتے ہوئے سنا تھا اس طرح تم کو کس نے سورت سکھائی تھی؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طرح سورت سکھائی ہے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، کیونکہ مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ سورت تمہاری قرأت کے علاوہ دوسری طرف سکھائی ہے، پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے گیا اور میں نے کہا میں نے ان کو سورہ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف پر آپ نے مجھے یہ سورت نہیں سکھائی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، پھر فرمایا: اے ہشام! تم پڑھو! انہوں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے اس سورت کو پڑھتے ہوئے سنا تھا، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر فرمایا: اے عمر تم پڑھو۔ پس میں نے وہ سورت اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے مجھے وہ سورت پڑھائی تھی، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بیشک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر پڑھو۔ [1]

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۲-۲۴۱۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۸، متفق علیہ)

تعبیر خواب

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔(ابن سیرینؒ)

زمانہ نزول

یہ سورہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔اس میں ۶ رکوع ۷۷ آیتیں اور ۷۹۲ کلمات، ۳ہزار ۷۰۳ حروف ہیں۔اس کے انداز بیان اور مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول اور سورہ المومنون کا زمانہ نزول قریب قریب ہے۔ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورہ،سورہ النساء سے ۸ سال پہلے نازل ہوئی تھی۔اس حساب سے اس کا زمانہ نزول مکی زندگی کا دور متوسط قرار پاتا ہے۔[1]

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱:۔ فیصلے کی کتاب کا بیان اور مشرکین کی جہالت مذکور ہے۔ پھر منکرین نبوت کے شبہات اور منکرین کی اندی گمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منکرین کا انجام بد،مومنین کے انعامات، قیامت کے روز مشرکوں کی رسوائی اور بعض کا بعض کے لیے باعث آزمائش ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳: کفار کے اعمال کی حقیقت اور رحمان کی بادشاہی کا بیان ہے۔منکرین کی طرف سے انبیاء کی

۱۔(ابن جریر جلد ۱۹ ص 30-28 تفسیر کبیر جلد ۶ ص 358 طبع قدیم)

عداوت اور قرآن کے بارے میں ان کے شبہات کا ذکر ہے۔

رکوع ۴: اقوام سابقہ کے واقعات اور منکرین نبوت کا چوپایوں سے بدتر ہونا مذکور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات، پانی کی حکیمانہ تقسیم اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی علوشان کا بیان ہے۔ آخر میں میٹھے اور نمکین پانی کے دریاؤں کا ذکر اور منکرین نبوت کی جہالت وگمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۵: عجائبات قدرت، مومنوں کے اوصاف اور جہنم کی وادیٔ آثام کا بیان ہے۔ آخر میں مقربین کا انعام مذکور کیا گیا ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴾

بڑی ہی بابرکت والی ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان (قرآن) اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کو خبردار کرے۔

حق وباطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب

حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ) [البقرۃ:۱۸۵] "رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ہدایت کی اور (حق و باطل میں) فرق کرنے کی واضح دلیلیں ہیں۔" اور فرمایا: (نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ , مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ) [آل عمران: ۳، ٤] "اس نے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری، اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے اور اس نے تورات اور انجیل اتاری۔ اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کے لیے۔ اور اس نے (حق و باطل میں) فرق کرنے والی (کتاب) اتاری، بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے اور اللہ سب پر غالب، بدلہ لینے والا ہے۔"

عَلٰى عَبْدِهٖ: "عبد" جس پر فرقان نازل کیا گیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ) [الشوریٰ: ۷] "اور اسی طرح ہم نے تیری طرف عربی قرآن وحی کیا، تاکہ تو بستیوں کے مرکز (مکہ) کو ڈرائے اور ان لوگوں کو بھی جو اس کے اردگرد ہیں اور تو اکٹھا کرنے کے دن سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں، ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ بھڑکتی آگ میں۔"

سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے میرے مقام و مرتبہ سے ایسے نہ بڑھا دینا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھا دیا۔ میں تو اس (اللہ) کا بندہ ہوں، لہٰذا تم یوں کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔"[1]

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قیامت تک کے لیے

---

[1] [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (واذکر فی الکتاب مریم۔۔الخ): ۳٤٤٥]

تمام اقوام عالم کے لیے نذیر بنا کر بھیجا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا)[الاعراف: ۱۵۸] "کہہ دے اے لوگو! بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" اور فرمایا: (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ)[سبا: ۲۸] "اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں، مجھے ایک مہینا کی مسافت کے رعب سے مدد دی گئی ہے، میرے لیے تمام زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا ہے، لہٰذا میری امت کے جس آدمی کی نماز کا وقت جہاں بھی آجائے اسے وہیں نماز پڑھ لینی چاہیے، میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں، ہر نبی خاص طور پر اپنی ہی امت کی طرف مبعوث ہوتا تھا، لیکن میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے، یعنی مجھے وہ کلام ملا ہے جس میں لفظ تھوڑے اور معانی بہت ہیں، مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے، میرے لیے مال غنیمت حلال کیے گئے ہیں، میرے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ بنا دی گئی ہے، میں تمام مخلوق (جن وانس) کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا

۱۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): جعلت لی الأرض مسجدًا وطهورًا: ۴۳۸۔ مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاۃ: ۵۲۱]

ہوں اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے (لہٰذا میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔"[1]

﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝۲ ﴾

وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا۔

وہ ذات ایسی ہے کہ آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور نہ اس نے کسی کو اپنی اولاد بنایا اور قرار دیا اور نہ اس کی حکومت میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہر چیز کا ایک مناسب اور موزوں انداز رکھا یعنی حضرت حق تعالیٰ کی ذات اقدس ایسی ہے کہ خواہ آسمانوں کی سلطنت ہو یا زمین کی سب اسی کی ہے اس کی کوئی اولاد بھی نہیں نہ اس نے کسی کو اولاد مقرر کیا نہ اس کی حکومت اور اس کے راج میں کوئی اس کا شریک ہوا اسی نے ہر موجود ہر چیز کو بنایا اور پیدا کیا پھر ہر چیز کا الگ الگ انداز رکھا جو نہایت موزوں اور مناسب ہے کسی چیز کے خواص کچھ رکھے اور کسی کے کچھ رکھے۔

۱۔[مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاۃ: ۵۲۳]

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳ ﴾

اور لوگوں نے اس کے سوا ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ وہ موت وحیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا (اختیار رکھتے ہیں)۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا ۔۔: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معبود برحق ہونے کے چند معیار بیان فرمائے اور تمام مشرکوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے خداؤں کو ان معیاروں پر پرکھیں اور بتائیں کہ وہ کسی طرح بھی معبود ہو سکتے ہیں۔ وہ معیار یہ ہیں: 1 جو ہستی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے، یا کسی چیز کی بھی خالق نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتی۔ 2 جو چیز خود مخلوق ہو، اسے کسی نے پیدا کیا ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے اللہ کے سوا جن کو بھی معبود بنایا گیا ہے سب مخلوق ہیں، وہ چاہے فرشتے ہوں یا جن، انسان، درخت، پتھر، بت، قبر، سورج، چاند، تارے یا کوئی اور، اس لیے انھیں معبود بنانا بہت بڑی جہالت ہے۔ 3 جو ہستی کسی دوسرے کو فائدہ یا نقصان نہ پہنچا سکتی ہو، دوسرے لفظوں میں جو ہستی حاجت روا اور مشکل کشا نہ ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ صفت ہے جسے مشرکین اللہ کے سوا بعض دوسری ہستیوں میں

تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ جان دار ہوں یا بے جان، زندہ ہوں یا مر چکی ہوں، اور شرک کی یہی قسم سب سے زیادہ عام ہے۔ اس کا ردّ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ جو چیز اپنے نفع ونقصان ہی کی مالک نہ ہو وہ کسی دوسرے کی حاجت روا یا مشکل کشا کیسے ہوسکتی ہے! یہ معیار ایسا واضح اور زبردست ہے کہ اس کے مطابق اللہ کے سوا تمام معبود باطل قرار پاتے ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بتوں کو توڑا اور وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکے۔ رہے بزرگان دین، خواہ وہ پیغمبر ہوں یا ولی، زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں، سب کو ان کی زندگی میں بیشمار تکلیفیں پہنچتی رہیں، لیکن وہ اپنی تکلیفیں اور بیماریاں خود رفع نہ کر سکے، تو دوسروں کی کیا کرتے، یا کیا کریں گے، وہ تو خود صرف اللہ سے دعا کرتے رہے۔ رہے شمس وقمر، تارے اور فرشتے، تو یہ سب ایسی مخلوق ہیں جن کے پاس اپنا اختیار کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ نے انھیں جس کام پر لگا دیا ہے اس کے سوا دوسرا کام کر ہی نہیں سکتے، لہٰذا وہ بھی الوہیت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۵ ﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو سوائے جھوٹ کے کچھ بھی نہیں ہے۔ جسے اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے اور دوسرے کچھ لوگوں نے اس کے گھڑنے میں اس کی مدد

کی ہے۔ پس یقیناً وہ ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ (۴) اور وہ کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوالیا ہے سو وہ صبح وشام ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

منکرین نبوت کے شبہات

مشرکین مکہ اکثر یہ الزام لگاتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن خود بناتے ہیں اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آپ امی ہیں اور چالیس سال کی عمر تک آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی ہے اور نہ لکھی ہے تو اچانک فصیح وبلیغ قرآن کیسے تیار کر سکتے ہیں؟ تو پھر کہتے: ان کو کوئی آدمی قرآن سکھاتا ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کون آدم ہے؟ تو کبھی جبر کا نام لیتے اور کبھی یعیش، عداس، یسار یا بلعام کا نام لیتے اور یہ سارے عجمی غلام تھے۔ ان میں سے بعض عیسائی بعض یہودی اور بعض مسلمان ہو چکے تھے۔ جبر کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ عیسائی غلام تھا بعد میں مسلمان ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ جبر آپ کو قرآن سکھاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبر تو عجمی ہے وہ خود فصیح عربی نہیں بول سکتا تو پھر وہ فصیح عربی پڑھا کیسے سکتا ہے؟ نقاش نے ذکر کیا ہے کہ جبر کو اس کا مالک مارتا تھا کہ تو محمد کو پڑھاتا ہے تو وہ کہتا: خدا کی قسم! میں آپ کو نہیں پڑھاتا بلکہ آپ مجھے پڑھاتے ہیں اور مجھے ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ [1]

یہ مشرکین کا قول ہے، مقاتل نے کہا یہ نضر بن حارث کا قول ہے کہ اس قرآن کو اس رسول نے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور دوسروں نے اس گھڑنے پر اس کی مدد کی ہے۔ مجاہدؒ نے کہا دوسروں سے مراد

۱۔ (تفسیر قرطبی: سورہ النحل (۱۶) زیر آیت نمبر ۱۰۳)

یہود ہیں۔ مقاتل نے کہا انہوں نے حویطب کے آزاد کردہ غلام عداس کی طرف اشارہ کیا تھا، اور عامر بن حضرمی کے غلام یسار کی طرف اور عامر کے ایک اور آزاد کردہ غلام جبر کی طرف یہ تینوں اہل کتاب میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔ تمام مفسرین نے کہا اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا۔ [1]

سیدنا ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ عزوجل ظالم و جابر آدمی کو مہلت دیتا رہتا ہے، لیکن جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔" [2]

﴿ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۶ ﴾

آپ فرما دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ بیشک وہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۔

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کریم تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

یعنی آپ جواب میں فرما دیجئے کہ یہ قرآن کریم تو اس اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جو آسمان و زمین کے ہر

۱۔ (زاد المسیر ج ٦ ص ٧٢-٧٣ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القریٰ۔۔الخ): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

پوشیدہ بھید کو جانتا ہے اور چونکہ اس کا علم سب کو محیط ہے اسی لیے یہ کلام معجز نظام ہے اور اعجاز سے لبریز ہے کسی انسان کا نہ اسقدر علم محیط ہے نہ وہ اعجاز کی اتنی رعایتیں ملحوظ رکھ سکتا ہے لہٰذا کوئی بشر ایسا کلام کر ہی نہیں سکتا ایسے کلام سے جو لوگ سرتابی کریں اور اس کو بشر کا کلام کہیں وہ مستحق سزا ہیں لیکن وہ غفور اور رحیم ہے اس لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈراتا۔(۷) یا اس پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالموں نے کہا: تم تو صرف ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔(۸) اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیکھو یہ آپ کی نسبت کیسی کیسی

باتیں بناتے ہیں۔پس وہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ کسی طرح راہ نہیں پا سکتے۔(۹)

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس عجیب وغریب اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا)[الفرقان:۲۰] "اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجے مگر بلاشبہ وہ یقیناً کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے۔کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب ہمیشہ سے سب کچھ دیکھنے والا ہے۔" اور فرمایا: (قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ , وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ)[الانعام:۳۳، ۳۴] "بیشک ہم جانتے ہیں کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ یقیناً تجھے وہ بات غم گین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں،تو بیشک وہ تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔اور بلاشبہ یقیناً تجھ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے اس پر صبر کیا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ایذا دیے گئے، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور کوئی اللہ کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور بلاشبہ یقیناً تیرے پاس ان رسولوں کی کچھ خبریں آئی ہیں۔"

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اطہر پر اہل مکہ کو یہ بھی اعتراض تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ جو اس کی بات نہ

ماننے والوں کو ڈرا دھما کر اس کی رسالت منواتا۔ یہاں تک ان لوگوں کا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ اعتراض کہ آپ انسان ہونے کے ناطے سے کھانے پینے کے محتاج تھے اور سودا سلف کے لیے بازار جاتے یہ ایسا بوسیدہ اور قدیم ترین اعتراض ہے جو ہزاروں سال پہلے حضرت نوح (علیہ السلام) پر بھی کیا گیا۔ قرآن مجید نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ کیوں نہیں آپ سے پہلے جتنے پیغمبر مبعوث کئے گئے وہ سب کے سب کھانے پینے والے انسان تھے انبیاء واضح الفاظ میں اس بات کا اعتراف کرتے کہ لوگو! انسانی حاجات کے حوالے سے ہم بھی تمہارے جیسے انسان ہیں لیکن ہمارا امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ہمارا انتخاب کیا ہے (ابراہیم:۱۱)

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے تھا جو شخص آپ کی رسالت کا انکار کرتا فرشتہ اسے ڈرا دھما کر آپ کی رسالت ماننے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بات دو اعتبار سے غلط ہے ایک تو اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کو جبراً منوانا پسند نہیں فرمایا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر رسول کی تائید کے لیے فرشتہ بھیجا جاتا تو پھر اس قوم کو مہلت نہ دی جاتی۔ انکار کرنے پر قوم کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ ﴾

وہ اللہ بڑی برکت والا ہے اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے کہیں بہتر ایسے

باغات بنادے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور تمہارے لیے محل بنادے۔

شان نزول: (آیت) "۔تبرک الذی نزل الفرقان"۔(الخ)

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں اور اس کے خزانے دے دیے جائیں اور اس دینے سے آخرت میں آپ کے درجات میں ہمارے یہاں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر آپ فرمائیں تو یہ سب آخرت میں آپ کو دینے کے لیے جمع کر رکھیں آپ نے اس پر فرمایا آخرت میں مجھے دینے کے لیے جمع رکھیے چنانچہ آیت اسی چیز کی تصدیق میں نازل ہوئی ہے (آیت) "۔تبرک الذی"۔(الخ) وہ ذات بہت عالی شان ہے اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر چیز دے دے۔

حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فقر پسندی

امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ نے وادی مکہ کو میرے لیے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس

نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں، میں نے جبرائیل (علیہ السلام) کی طرف دیکھا، جبرائیل (علیہ السلام) نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو، میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾﴾

اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلا ہے اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔(۱۱) جب وہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سنیں گے

۔(۱۲)اور جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے (باہم زنجیروں میں) جکڑے ہوئے، تو وہاں موت کو پکاریں گے۔(۱۳)ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔(۱۴)

خالد بن دریق ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی اور جس نے اپنے آپ کو اپنے والدین کے غیر کی طرف منسوب کیا اور جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنالے۔آپ سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! کیا جہنم کی دو آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ اپنی گردن باہر نکالے گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، دو کان ہوں گے جن سے وہ سنے گی، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ کلام کرے گی اور وہ کہے گی میرے سپرد تین (قسم کے) شخص کئے گئے ہیں، ہر متکبر معاند، ہر وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے اور تصویریں بنانے والے۔ [2]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، زفیر بلند آواز ہے اور شہیق پست آواز ہے، ضحاک اور مقاتل نے کہا زفیر گدھے کی پہلی آواز ہے اور شہفیق اس کی آخری آواز ہے۔ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ زفیر حلق میں ہوتی

۱۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۹۹۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

۲۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۷۴ مسند حمد ج ۲ ص ۲۳۶ المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۳۶۵)

ہے اور شہیق پیٹ میں۔ [1]

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن دوزخ میں کافروں کے رونے اور چلانے کی آوازیں سنیں گے اور صحیح یہ ہے کہ وہ دوزخ ہی کی غصہ میں دھاڑنے اور چنگھاڑنے کی آوازیں سنیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا تو دوزخ اس طرح چلائے گی جس طرح خچر گھاس اور جو کو دیکھ کر چلاتا ہے۔ یہ آواز سن کر ہر شخص ڈر جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس دن جہنم لائی جائے گی، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہونگے۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کے مقابلہ میں (اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں) ستر واں حصہ ہے۔" لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! (جلانے کے لیے) تو یہ (دنیا ہی کی) آگ کافی تھی۔ آپ نے فرمایا: "دوزخ کی آگ اس سے انہتر (۶۹) حصے زیادہ گرم ہے اور ہر حصہ دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔" [3]

عبید بن عمر لیثی نے اس کی تفسیر میں کہا جہنم اس طرح دھاڑ رہی ہوگی کہ ہر فرشتہ اور ہر نبی اس کی آواز سن کر خوف سے گر جائے گا اور اس کے کندھے خوف سے کپکپا رہے ہونگے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے کہیں گے: اے میرے رب آج کے دن میں تجھ سے صرف اپنے

۱۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص 371 دار الکتب العربیہ پشاور)

۲۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب جہنم أعاذنا اللہ منہا: ۲۸۴۲]

۳۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ النار وأنہا مخلوقۃ: ۳۲۶۵۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب جہنم أعاذنا اللہ منہا: ۲۸۴۳]

لیے سوال کرتا ہوں۔ [1]

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) ابلیس کو پہنایا ائے گا وہ اس کو اپنی بھوؤں پر رکھے گا، اور اس کو اپنے پیچھے سے گھسیٹے گا اور چلائے گا ہائے میری ہلاکت! اور اس کی ذریت اس کے پیچھے ہوگی، اور کہے گی ہائے ہماری ہلاکت۔ اس وقت کہا جائے گا آج تم ایک موت کی دعا نہ کرو، بہت سی موتوں کی دعا کرو۔ [2]

﴿ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝۱۶ ﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت بہتر ہے جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ جنت ان کے لیے بطور بدلہ عطا کی جائے گی اور ان کا (آخری) ٹھکانا ہوگی۔ (۱۵) اور ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے پروردگار کے

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص 2669، 2668 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

ذمہ ہے جو قابل درخواست ہے۔(۱۶)

کعب احبار نے کہا جو شخص ساری زندگی شراب پیتا رہا وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ عطاء نے اعتراض کیا اے ابو اسحاق اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اس میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے؟ کعبہ نے کہا وہ شراب کو بھول جائے گا اور وہ اس کو یاد نہیں آئے گی۔ [۱]

منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا آیا جنت میں اولاد ہو گئی؟ فرمایا: ہاں اگر وہ چاہیں گے۔ [۲]

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اس چیز کا سوال کرو، جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔

القرظیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں گے:

(المومن: ۸) اے ہمارے رب تو ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل کر دے جس کا تو نے ان سے (از راہ کرم) وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک کام کئے ہیں۔ بیشک تو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے۔

اور ابو حازمؒ یہ کہتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین یہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو جن کاموں کا حکم دیا تھا وہ ہم نے یکر لیے اب تو اس کو پورا فرما جس کا تو نے ہم سے (از راہ کرم) وعدہ فرمایا تھا۔

عبدالرحمٰن بن زیدؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مانگنے والوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے وعدہ کو

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 15017)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 15019 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ 1417ھ)

طلب کیا تو جب انہوں نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ ان کو عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زمین میں بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے رزق کو مقرر کر دیا تھا پھر اس رزق کو مانگنے والوں کی روزی بنا دیا، پھر ان کے سوال کرنے کے وقت کو اس کی عطا کے لیے مقرر فرما دیا،

پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

(حم السجدۃ:۱۰) اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کی روزی بھی صرف چار دن میں مقرر کر کے رکھ دی، مانگنے والوں کے لیے برابر برابر۔ [1]

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَ
اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ
اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا
قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾
فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا
نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ ﴾

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے، تو وہ کہے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود راستہ سے بہک گئے تھے۔(۱۷) وہ جواب دیں گے آپ کی ذات پاک ہے، ہم میں یہ قوت نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا کارساز بنائیں۔ البتہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا حتیٰ کہ وہ (تیری) یاد کو بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔(۱۸) تو (اے مشرکو) انہوں نے تو تمہیں جھٹلا دیا بس اب تم عذاب کو نہ پھیر سکتے ہو نہ کسی سے مدد لے سکتے ہو اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(۱۹)

ومایعبدون من دون اللہ اس سے مراد فرشتے، انسان، جن، حضرت مسیح اور حضرت عزیز (علیہ السلام) ہیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے، یہ مجاہدؒ اور ابن جریجؒ کا قول ہے۔ ضحاکؒ اور عکرمہؒ نے کہا: مراد بت ہیں۔

ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد وہ کتابیں اور صحائف ہیں جو رسل (علیہم السلام) پر نازل کئے گئے جن پر انہوں نے عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔

آگے فرمایا: اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ حضرت ابودرداءؓ حمص والوں کے پاس گئے اور

فرمایا اے اہل حمص ! اپنے بھائی کے پاس تا کہ وہ تمہیں نصیحت کرے جب وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم حیا نہیں کرتے، تم وہ مکان بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو اور تم اس طعام کو جمع کرتے ہو جس کو تم کھاتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم پا نہیں سکتے ! بیشک تم سے پہلے لوگوں نے مضبوط گھر بنائے، اور غلام جمع کئے اور لمبی امیدیں رکھیں، پھر وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے ان کی امیدیں دھوکا بن گئیں اور انکے گھر قبرستان بن گئے۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ)[الانعام:۸۲] "وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں" تو ہم نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے، جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: "بات یہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو (یعنی جو کچھ تم سمجھ رہے ہو وہ صحیح نہیں)، یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے لقمان (علیہ السلام) کی بات نہیں سنی جو انھوں نے اپنے بیٹے سے کی تھی: (يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ)[لقمان:۱۳] "اے میرے چھوٹے بیٹے ! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بیشک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں حوض پر تمہارا میر سامان ہوں گا اور تم میں سے بعض لوگ وہاں لائے جائیں گے، پھر مجھ سے دور ہٹا دیے جائیں گے،

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص 2672-2673 الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص 12-13)

۲۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (واتخذ اللہ إبراہیم خلیلا۔۔الخ): ۳۳۶۰۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصہ: ۱۲۴]

میں کہوں گا، اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ جواب میں کہا جائے گا، آپ نہیں جانتے، انھوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعات شروع کر دی تھیں۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن میری امت میں سے ایک جماعت مجھ پر پیش کی جائے گی، پھر وہ حوض سے دور کر دیے جائیں گے، میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میری امت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی چیزیں گھڑ لی تھیں، یہ لوگ (دین سے) الٹے قدموں واپس لوٹ گئے تھے۔[2]

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے سب کھانا کھاتے تھے، اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا، کیا تم صبر کرتے ہو اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔۔: یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا

۱۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض: ۶۵۷۶]

۲۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض: ۶۵۸۵]

پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ فرمایا، پہلے تمام رسول بھی کھاتے پیتے تھے اور روزی کمانے کے لیے اور ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے بازاروں میں جاتے تھے، بشر تھے فرشتے نہ تھے۔ (دیکھیے یوسف: ۱۰۹۔ انبیاء: ۷، ۸) اگر کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے باوجود تم انھیں رسول مانتے ہو، جیسا کہ تم ابراہیم اور اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہونے اور ان کی ملت ہونے پر فخر کرتے ہو، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو پیغمبر مانتے ہو، تو اس رسول پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ پیغمبر کو سونے چاندی کے خزانے اور باغات و محلات کیوں عطا نہیں کیے گئے؟ فرمایا: "ہم نے تمھارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے" مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عموماً انبیاء کو دنیاوی لحاظ سے معمولی حالت میں رکھتا ہے، ورنہ اگر وہ انھیں دنیا کثرت کے ساتھ دیتا تو بہت سے لوگ مال کے لالچ میں ان کے ساتھ ہو جاتے، سچے جھوٹے مل جل جاتے اور امتحان کا مقصد فوت ہو جاتا۔ عیاض بن حمارؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میں نے تجھے صرف اس لیے بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیرے ساتھ (لوگوں کی) آزمائش کروں اور میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی نہیں دھو سکتا، تو اسے سوتے جاگتے پڑھے گا۔"[1]

اور فرمایا: (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ , الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ, اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ)[البقرة

---

[1] [مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها۔۔: ۲۸۶۵]

:۱۵۵ تا ۱۵۷] "اور یقیناً ہم تمہیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔"

سیدنا عیاض بن حمار المجاشعیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تجھے اور تیری وجہ سے اور لوگوں کو آزماؤں۔"[1]

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ ﴾

اور جو لوگ (آخرت میں) ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترتے؟ یا ہم اپنے پروردگار کو (آنکھوں سے) دیکھ لیتے۔ یقینا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور سرکشی میں حد سے

۱۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب الصفات التی یعرف بہا فی الدنیا أہل الجنۃ وأہل النار: ۲۸۶۵]

گزر گئے ہیں۔(۲۱) جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی اور وہ (اللہ سے) کہیں گے کہ (کاش! ہمارے اور فرشتوں کے درمیان) کوئی آڑ بنا دے۔(۲۲)

ابوجہل اور اس کے ساتھی جو بعث بعد الموت کا فکر نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں بھیجے جاتے جو ہم سے آ کر کہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں اور اس سے خود آپ کے بارے میں دریافت کر لیں یہ لوگ ایمان سے تکبر کر رہے ہیں اور اپنے دلوں میں خود کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کو دیکھنے کی درخواست کرتے ہیں اور ایمان سے بہت زیادہ تکبر کر رہے ہیں یا یہ کہ بہت ہی دلیری اور بدتمیزی پہ اتر رہے ہیں کہ فرشتوں کے نزول کی خواہش کیے بیٹھے ہیں۔

امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ قول فرشتوں کا ہے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا یہ قول کافروں کا ہے۔[1]

حضرت ابن عباسؓ سے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کے معنی حراماً محرماً منقول ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے یا تمنا ظاہر کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔

سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ

۱۔(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نکلے، جب ہم قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی، چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد (اس قدر خاموشی سے) بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے، آپ نے سر مبارک اوپر اٹھایا اور فرمایا: "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔" آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی، پھر (مومن آدمی کے اخروی سفر کے حالات بیان کیے، پھر) فرمایا: "کافر آدمی جب دنیا سے کوچ کرنے لگتا ہے اور اس کا اخروی سفر شروع ہونے لگتا ہے تو اس کی طرف سیاہ چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ (کے کفن) ہوتے ہیں اور وہ اس سے حد نگاہ کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے خبیث روح! نکل (اور چل) اللہ کے غصے اور غضب کی طرف، روح جسم کے اندر چھپتی پھرتی ہے، لیکن ملک الموت اسے اس طرح باہر کھینچ لیتا ہے، جیسے کانٹے دار لوہے کی سیخ گیلی اون سے باہر نکالی جاتی ہے، جب ملک الموت اس کی روح نکال لیتا ہے تو دوسرے فرشتے لمحہ بھر کے لیے بھی اسے ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے، بلکہ اسے ٹاٹ (کے کفن) میں لپیٹ لیتے ہیں۔ تو اس سے ایسی گندی بو آتی ہے جیسی زمین پر کسی مردار سے اٹھنے والی سڑاند ہو۔ فرشتے اسے لے کر اوپر (آسمان کی طرف) جاتے ہیں تو (راستے میں) جہاں کہیں ان کا گزر مقرب فرشتوں پر ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کس خبیث کی روح ہے؟ جواب میں فرشتے کہتے ہیں، یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ وہ اس کا وہ بدترین نام لیتے ہیں جو دنیا میں لیا جاتا تھا، یہاں تک کہ فرشتے اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ فرشتے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے درخواست کرتے ہیں، لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا۔" پھر رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: (اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ) [الاعراف: ٤٠] "ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔" اور فرمایا: "پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، سب سے نچلی زمین میں سجین (جیل) میں اس کا اندراج کرلو، اور اس کافر کی روح بری طرح زمین پر پٹخ دی جاتی ہے۔" اس کے بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ) [الحج: ٣١] "اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیتے ہیں، یا اسے ہوا کسی دور جگہ میں گرا دیتی ہے۔"[1]

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾ ﴾

اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیا ہوگا ہم اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسے اڑتا ہوا غبار بنا دیں گے۔ (۲۳) اس دن اہل جنت بہترین ٹھکانے میں ہوں گے اور نہایت خوب آرام گاہ میں ہوں گے۔ (۲۴)

---

[1] [مسند أحمد: ٤/ ٢٨٧، ٢٨٨، ح: ١٨٥٦١]

ضحاکؒ نے کہا اس کا معنی ہے گرد وغبار، قتادہ نے کہا آندھیاں جو درخت کے پتے اور کوڑا کرکٹ اڑاتی ہیں۔ معلیٰ بن عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے یراکھ۔

حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالم نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے جن کے پاس تہامہ کے پہاڑوں جتنی نیکیاں ہوں گی حتیٰ کہ جب ان کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ھباءً منثورا کر دے گا، پھر ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ سالم نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! یہ بتائیں کہ وہ کیسے لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ نماز پڑھتے ہونگے، روزے رکھتے ہونگے، نیند سے بیدار ہو کر رات کو قیام کرتے ہونگے، لیکن جب ان کے اوپر کوئی حرام چیز کی جائے گی تو وہ اس پر اچھل پڑیں گے (گرم جوشی سے اس کو قبول کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کے ان نیک اعمال کو ضائع فرما دے گا۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، سو جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تو میں اس کو بھی اور اس کے شرک (کے کام) کو بھی چھوڑ دیتا ہوں۔" [2]

سیدنا عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں، تو وہ کام مردود ہے۔" [3]

سیدنا عبداللہ بن قیسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(جنت کا)

۱۔ (الدر المنثور ج ۵ ص 224, 225 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ [مسلم، کتاب الزہد والرقاق، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۵]

۳۔ [بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور: ۲۶۹۷۔ مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ: ۱۷۱۸]

خیمہ ایک موتی ہے، جو اندر سے خالی ہوگا، اس کی بلندی تیس میل تک ہے، اس کے ہر کونے میں مومن کی بیوی ہوگی، جسے دوسرے نہ دیکھ سکیں گے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ وہ کسی آدمی کے حاشیہ خیال ہی میں گزری ہیں۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ) [السجدۃ: ۱۷] "پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔"[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنت میں ایک کمان کے برابر یا ایک قدم کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر جنت کی کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان سے لے کر زمین تک روشنی ہو جائے اور آسمان سے لے کر زمین تک ہر طرف خوشبو پھیل جائے اور اس کے سر کا دوپٹا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"[3]

﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي

۱۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ: ۳۲۴۳۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب فی صفۃ خیام الجنۃ۔۔الخ: ۲۸۳۸]

۲۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ: ۳۲۴۴]

۳۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار: ۶۵۶۸]

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے گروہ در گروہ نازل کیے جائیں گے۔(۲۵) اس دن حقیقی بادشاہی (اللہ) رحمٰن کی ہوگی اور کافروں کے لیے وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔(۲۶) اور جس دن ظالم (کافر) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا اور کہے گا اے کاش! میں نے رسول کی معیت میں راہ اختیار کی ہوتی۔(۲۷) ہائے میری کم بختی میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔(۲۸) اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔(۲۹)

قیامت کے دن کے احوال

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پہلے آسمان دنیا پھٹے گا اور آسمان والے فرشتے نازل ہوں گے ان کی تعداد زمین کے جانور و انس سے زیادہ ہوگی اور پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے نازل ہوں گے آسمان پھٹنے کے بعد ہر بعد میں پھٹنے والے آسمان کے فرشتے اس سے پہلے جتنے والے آسمان کے

فرشتوں سے زیادہ ہوں گے پھر کروز بین (فرشتوں کے سردار جو مقربین ہیں (نازل ہونگے، پھر حاملین عرض نازل ہونگے۔

فرمایا: اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس دن رحمٰن کے سوا اور کسی کی سلطنت نہیں ہوگی۔

فرمایا وہ جن کافروں پر دشوار ہوگا یہ خطاب اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دن مومنوں پر دشوار نہیں ہوسکتا۔

عقبہ بن ابی معیط کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا

فرمایا اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا: اس ظالم سے مراد عقبہ بی ابی معیط ہے۔

مقسم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کی آپس میں ملاقات ہوئی، وہ دونوں ایک دور سے کے دوست تھے، ایک نے دور سے سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے ہو اور تم نے ان کا پیغام سنا ہے اور اللہ کی قسم میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ تم ان کے چہرے پر تھوکو اور ان کی تکذیب کرو۔ پس اللہ نے اس کو اس پر قادر نہیں کیا اور عقبہ بن ابی معیط جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا اور رہا ابی خلف اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ احد میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا، امام عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ جنگ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط کو قید کر لیا گیا وہ قیدیوں میں تھا کہ رسول نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ عقبہ نے کہا یا محمد! کیا مجھے ان قیدیوں کے درمیان قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اس نے پوچھا کیوں، آپ نے فرمایا تمہارے کفر اور فجور کی وجہ سے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سرکشی کرنے کی وجہ یس حضرت علی نے اس کی گردن اڑا

دی اور رہا امیہ بن حلف تو اس نے کہا تھا کہ میں محمد کو قتل کروں گا، جب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ انشاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا پھر جنگ احد میں رسول اللہؐ نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ ملخصاً۔

اور ان ہی دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا!۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو (اپنی) مٹھی میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہونگے، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں بادشاہ ہوں۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا، میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں آج زمین کے بادشاہ؟" [3]

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نیک اور برے دوست کی مثال کستوری والے اور بھٹی دھونکنے والے کی مانند ہے۔ کستوری والا یا تو تمہیں (تحفہ کے طور پر) کچھ دے دے گا، یا تم اس سے خرید لو گے، یا تم اس سے اچھی خوشبو ہی پالو گے اور بھٹی دھونکنے والا

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۲۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ ج ۵ ص ۳۵۵ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (لما خلقت بیدی): ۷۴۱۲]

۳۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (ملک الناس): ۷۳۸۲]

یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا، یا تم اس سے بد بودار دھواں حاصل کرو گے۔"[1]

امام احمدؒ اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی، (یا محبت ہے)۔

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝۳۱ ﴾

اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (۳۰) اور اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن بنا رکھے ہیں اور آپ کا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔ (۳۱)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا ۔۔: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت دنیا میں کی، کیونکہ کفار نے کہا تھا: (وَقَالَ

---

[1] [بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب المسک: ۵۵۳۴۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب مجالسۃ الصالحین: ۲۶۲۸]

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ)[حٰمٓ السجدۃ:۲۶]" اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور کرو، تاکہ تم غالب رہو۔" اور دوسرا یہ کہ قیامت کے دن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ شکایت کریں گے، کیونکہ قرآن مجید میں یقینی مستقبل کے لیے ماضی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ "میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑا ہوا بنا رکھا تھا" کے الفاظ سے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرنے کا مفہوم واضح ہو رہا ہے، جو صرف "چھوڑ رکھا تھا" کے الفاظ سے واضح نہیں ہوتا۔ "هٰذَا الْقُرْاٰنَ" میں "هٰذَا" کے لفظ سے قرآن کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے، یعنی انھوں نے اتنی عظمت والے قرآن کو اس طرح بنا رکھا تھا جیسے کوئی ایسی چیز ہو جسے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ رہا یہ سوال کہ آیت میں مذکور "میری قوم" سے مراد کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ "میری قوم" کے لفظ سے سب سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں قرآن پر ایمان نہ لانے والے مراد ہیں، اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہیں لائے، کیونکہ وہ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت دعوت اور آپ کی قوم ہیں، جیسا کہ نوح (علیہ السلام) کی امت تھی، جو ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی امت اور ان کی قوم تھی۔ ان کے قرآن کو چھوڑنے سے مراد اسے سننے، پڑھنے، اس پر غور و فکر کرنے سے اجتناب اور اس پر ایمان نہ لانا ہے۔ اس کے بعد "قَوْمِيْ" میں وہ تمام ایمان لانے والے بھی شامل ہیں جنھوں نے کسی طرح بھی قرآن کو چھوڑا۔ حافظ ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: "قرآن کو سننے سے گریز، اس میں شور ڈالنا اور اس پر ایمان نہ لانا، اسے چھوڑنا ہے۔ اسی طرح بقدر ضرورت اس کا علم حاصل نہ کرنا اور اسے حفظ نہ کرنا بھی اسے چھوڑنا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے

کی کوشش نہ کرنا، اس کے اوامر پر عمل نہ کرنا اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز نہ آنا بھی اسے چھوڑنا ہے۔ اسے چھوڑ کر دوسری چیزوں کو اختیار کرنا بھی اسے چھوڑنا ہے، مثلاً گانے بجانے کو، عشقیہ اشعار کو، لوگوں کے اقوال و آراء کو اور ان کے بنائے ہوئے طریقوں کو قرآن پر ترجیح دینا اسے چھوڑنا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ نے جس طرح جان بوجھ کر قرآن کو پس پشت پھینک رکھا ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ پھینکا ہو۔ ان کے اکثر لوگ دنیا کمانے کے لیے اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، تاجر اور صنعت کار بنائیں گے اور اس کام کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کریں گے، مگر انھیں قرآن کی تعلیم نہیں دلوائیں گے اور دلوائیں گے بھی تو صرف ناظرہ قرآن کی یا حفظ کی، جس سے انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کتنا ستم ہے کہ دنیا کی کوئی زبان سیکھی جائے تو اس کا ایک لفظ بھی مطلب سمجھے بغیر نہیں پڑھا جاتا، جب کہ قرآن پورا ناظرہ پڑھ لیا جاتا ہے، بعض اوقات حفظ کر لیا جاتا ہے، اس سے آگے اس کی تجوید اور حسن قراءت بھی حاصل کر لی جاتی ہے، مگر اس کا مطلب سمجھنے کی زحمت ہی نہیں کی جاتی۔ جب اس کا مطلب ہی نہیں سمجھا گیا، تو اس پر غور و فکر کا اور اس پر عمل کا مرحلہ کب آئے گا؟ پورا قرآن تو دور کی بات ہے روزانہ پانچ وقت جو نماز وہ پڑھتے ہیں انھیں اس کا مطلب معلوم نہیں، نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم اپنے مالک سے کلام کرتے ہوئے کیا عرض کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام ممالک میں (اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ) قرآن کو مسلمانوں کی زندگی سے عملاً نکال باہر کر دیا گیا ہے۔ ان کی سیاست کفار سے لی ہوئی جمہوریت ہے، جس میں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی دخل نہیں، یا قرآن و سنت کے احکام کی پابندی سے آزاد استبدادی ملوکیت ہے، ان کی تجارت و صنعت کا دار و مدار سود پر ہے، ان کی عدالتوں میں کفار کے قوانین رائج ہیں اور ان کی وضع قطع

اور تمدن وتہذیب یہود ونصاریٰ اور ہندوؤں کی سی ہے۔ان کے ہاں قرآن صرف برکت کے لیے ہے، یا مجلس کے افتتاح کے لیے، یا دم درود اور پیری مریدی میں خود ساختہ وظائف کے لیے، یا محبت و عداوت اور تسخیر قلوب کے عملیات کے لیے، یا اچھے سے اچھے کاغذ اور اچھی جلد والا خرید کر جہیز میں دینے کے لیے ہے، یا خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر اونچی سے اونچی جگہ رکھنے کے لیے۔وہ اس کی طرف پیٹھ نہیں کرتے، مگر بات اس کی ایک نہیں مانتے۔ان کے دینی مدارس میں سالہا سال تک انسانوں کے مرتب کیے ہوئے مسائل پڑھائے جاتے ہیں، جب وہ دل ودماغ میں خوب راسخ ہوجاتے ہیں تو انھیں قرآن و حدیث سے دورے کی شکل میں سال دو سال میں فارغ کردیا جاتا ہے۔ (الا ما رحم ربی) حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن کو چھوڑنے کی یہ روش ترک کرکے صحابہ وتابعین کی طرح قرآن کی طرف واپس نہیں آئیں گے، اسے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نہیں بنائیں گے، نصرتِ الٰہی اور باعزت زندگی سے محروم ہی رہیں گے۔سچ فرمایا امام مالکؒ نے: "لَنْ يَّصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا"[1]

"اس امت کا آخر بھی اسی کے ساتھ درست ہوگا جس کے ساتھ اس کا اول درست ہوا تھا۔"

کفار مکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذاق اڑاتے تھے اور قدم قدم پر ان کی دعوت کے آڑے آتے تھے، تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تکلیف ہوتی تھی اور کبھی کبھار دل برداشتہ بھی ہوجاتے تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء آئے، مجرم قوم میں سے کوئی نہ کوئی ان کا بڑا پکا دشمن ہوتا تھا، جو ان کی ایذا رسانی کے

---

[1]۔[شرح سنن ابی داؤد لعبد المحسن العباد: ۲/ ۳۳٤]

درپے ہوتا اور لوگوں کو اپنے کفر کی طرف بلاتا تھا۔ اس لیے آپ دل برداشتہ نہ ہوں اور یقین رکھیے کہ جو بھی اللہ کی کتاب پر ایمان لائے گا اور آپ کی تصدیق کرے گا، اللہ اسے دنیا و آخرت دونوں جہاں میں ہدایت دے گا اور اس کی مدد فرمائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اپنے دوستوں سمیت وہاں بیٹھا ہوا تھا اور ایک دن پہلے ایک اونٹنی ذبح کی گئی تھی۔ ابوجہل نے کہا کہ تم میں سے کون جا کر اس فلاں قبیلہ کی اونٹنی کی بچہ دانی لاتا ہے اور اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیتا ہے، جب وہ سجدے میں جائیں گے؟ یہ سن کر ان کا بد بخت و شقی (عقبہ بن ابی معیط ملعون) اٹھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب سجدے میں گئے، تو اس نے وہ بچہ دانی لا کر آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ پھر ان لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میں اگر زور آور ہوتا (یعنی میرے مددگار لوگ ہوتے) تو میں اس کو آپ کی پیٹھ سے پھینک دیتا، ادھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے ہی میں رہے اور آپ نے سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ ایک آدمی گیا اور اس نے سیدہ فاطمہؓ کو خبر کی تو وہ آئیں اور اس وقت وہ (چھوٹی عمر کی) لڑکی تھیں، انھوں نے اس کو آپ کی پیٹھ سے اتارا اور پھر ان لوگوں کی طرف آئیں اور ان کو برا بھلا کہا، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے، تو آپ نے بلند آواز سے ان پر بددعا کی۔ [1]

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً

۱۔ [مسلم، کتاب الجہاد، باب ما لقی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من أذی المشرکین والمنافقین: ۱۷۹۴]

وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا
يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾

اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا، ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔(۳۲) اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب اور انوکھا سوال آپ کے سامنے پیش کریں اس کا ہم آپ کو بروقت ٹھیک جواب دے دیتے ہیں اور بہترین طریقے سے بات کو کھول دیتے ہیں۔(۳۳)

شان نزول: (آیت) "۔وقال الذین کفروا لو انزل"۔(الخ)

ابن ابی حاتمؒ اور حاکمؒ نے تصحیح کے ساتھ اور ضیاء نے مختارہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین کہنے لگے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دعوے کے مطابق نبی ہیں تو ان کا پروردگار ان کو عذاب نہیں دے گا باقی قرآن کریم ان پر ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہوتا، ایک ایک اور دو دو آیتیں کر کے کیوں نازل ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعتاً کیوں نازل نہیں کیا گیا۔

مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جس طرح تورات، زبور اور انجیل یکبارگی نازل ہوئی تھیں اسی طرح آپ پر مکمل قرآن ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر

کے نازل کرنے کی ایک توجہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا مفہوم مسلمانوں کے خوب ذہن نشین ہوجائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک مکمل نظام حیات ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلابی تبدیلیاں کی ہیں اور زمانہ جاہلیت کی ہر رسم بد کو ختم کیا ہے، اگر ان تمام جہالتوں کو یک دم ختم کرنے کا اعلان کر دیا جاتا تو منفی ردعمل ہوتا۔ مثلاً وہ لوگ شراب کے عادی تھے اگر شراب کو یک دم حرام کر دیا جاتا تو ان کے لیے اس پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا اس لیے قرآن مجید نے بتدریج اس کے نقصانات بتا کر پہلے شراب کے خلاف فضا ہموار کی اور پھر حرمت کا حکم نازل فرمایا جس کی وجہ سے منفی ردعمل کا دروازہ بند ہوگیا اور لوگوں نے خوشی سے اس حکم کو تسلیم کرلیا۔

اور اسی لیے ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک آیت یا چند آیات یا بعض دفعہ مکمل سورت کر کے نازل کیا ہے اور اوامر و نواہی اس میں صاف طور پر بیان کیے ہیں اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا بھی عجیب سوال پیش کریں مگر ہم اس کا ٹھیک اور ٹھوس اور وضاحت کے ساتھ جواب آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۳۴ ﴾

جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے ان کا ٹھکانا بھی برا ہے اور یہ راستے سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا" کیونکہ وہ جہنم میں ہیں۔ مقاتل نے کہا: کفار نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کے صحابہ کے مارے میں کہا: یہ مخلوق میں سے سب سے برے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی: "اضل سبیلا" دین اور طریقہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں۔ معنی یہ بنتا ہے: وہ آپ پر کوئی مثال نہیں لائیں گے مگر ہم مبنی بر حق اس کا جواب لائیں گے۔ ان کے خلاف واضح دلائل سے آپ کی مدد کی گئی ہے جب کہ انہیں منہ کے بل ہانکا جائے گا۔

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! قیامت کے دن کافر اپنے منہ کے بل کیسے جمع کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: "جس نے دنیا میں انسان کو دو پاؤں پر چلایا، کیا وہ اس کو قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟" [1]

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝۳۵ۚ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝۳۶ۭ ﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی۔ اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو مددگار بنایا۔ (۳۵) پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم دونوں اس قوم کی طرف چلے جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے اس قوم کو بالکل ہی ہلاک کر دیا۔ (۳۶)

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (الذین یحشرون علی وجوھھم إلی جھنم): ۴۷۶۰]

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے، اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا، وزیر سے مراد معین اور مددگار ہے۔ پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے ان لوگوں سے مراد فرعون، ہامان اور قبط ہیں۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو قبطیوں کی طرف جانے کا حکم دیا اور النزعت: ۱۷ اور طہ: ۲۴ میں صرف حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب ہر ایک کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا تو جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی طرف جانے کی نسبت کر دی جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا ہو لیکن جب حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ میرے اہل میں سے میرے بھائی کو میرا وزیر بنا دے (طہ: ۲۹) تو پھر دونوں کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا۔

﴿ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚ﴿۳۷﴾ ﴾

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور انھیں تمام لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔ اور ہم نے ان ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان ہزاروں سال کا وقفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم کے لوگ مجسموں کے پجاری بن

چکے تھے۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب نوح (علیہ السلام) کی قوم کے نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی اولاد کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تمہارے بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے تراش کر رکھ دیے جائیں تا کہ ان کا نام اور عقیدت باقی رہے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا جب مجسمے رکھنے والے لوگ فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ بنانا شروع کر دیا اور پھر ان کی بالواسطہ عبادت اور ان کے حضور نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سورہ نوح میں ودّ، سواع، یغوث اور یعوق کے نام سے جن بتوں کا تذکرہ ہے وہ نوح (علیہ السلام) کی قوم کے صالح لوگوں کے نام ہیں۔ [1]

یاد رہے قوم نوح نے صرف ایک رسول نوح کو جھٹلایا تھا مگر اللہ رب العزت کا فرمانا ہے: كذبوا المرسلين انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا اس لیے ہے کہ ایک رسول کا جھٹلانا سب رسولوں کو جھٹلانا ہے۔ کیونکہ سب رسولوں کی ایک ہی دعوت اور سب کا ایک ہی دین ہے یہ اسی طرح ہے جیسے کہا گیا جس نے ایک جان کا ناحق قتل کیا اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کر دیا (مائدہ 32) کیوں کہ سب انسانوں کی جانیں یکساں قیمتی ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ دین کے کسی ایک حصے سے انکار پورے دین سے انکار ہے۔

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً : ارشاد فرمایا: (فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ, ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ, اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ, وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ)[الشعراء:۱۱۹ تا ۱۲۲] "تو

۱۔ (صحیح بخاری: کتاب التفسیر)

ہم نے اسے اوران کو جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے، بچا لیا۔ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اوران میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔"

﴿ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ ﴾

اور قوم عاد اور قوم ثمود اور اصحاب الرس (کنویں والوں) اور بیچ کی صدیوں کی بہت سی دوسری قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

اس آیت میں عاد، ثمود، اصحاب الرس اوران کے درمیان کی قوموں کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی آپ قوم نوح کو یاد کیجیے اور عاد، ثمود، اصحاب الرس اوران کی درمیانی قوموں کو یاد کیجیے، یا اس کا معنی ہے ہم نے قوم نوح کو غرق کر دیا اوران کے لیے آخرت میں عذاب تیار کر رکھا ہے، اسی طرح ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اوران کے درمیان کی قوموں پر عذاب نازل کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الرس کا معنی

الرس لغت عرب میں اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کے گرد منڈیر نہ ہو، یعنی معاون کے کنوئیں۔ صحاح جوہری میں مرقوم ہے کہ الرس اس کنوئیں کا نام تھا جو قوم ثمود کے بقیہ لوگوں کا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ

الرس بنو اسد کے پانی اور ان کے باغات کا نام ہے۔ امام قشیری نے ذکر کیا ہے کہ پہاڑوں پر جو تہ بہ تہ برف جم جاتی ہے اس کو الرس کہتے ہیں اور الرس کا معروف معنی وہ ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ابوعبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ الرس وہ کنواں ہے جس کے گرد منڈیر نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں آذر بائیجان میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں یمامہ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ انطاکیہ میں ہے۔ اس کا معنی ہے دھنسا دینا، لوگوں نے اپنے نبی کو اس میں دھنسا دیا تھا اس لیے اس کنوئیں کو الرس کہتے ہیں۔ [1]

اصحاب الرس کی تفسیر اور اس کے متعلق متعدد اقوال

اصحاب الرس کے مصداق میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی (علیہ السلام) نے کہا اصحاب الرس ایک قوم ہے جو درخت کی عبادت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہود ابن یعقوب کی اولاد سے ان کی طرف ایک نبی بھیجا، انہوں نے ایک کنواں کھود کر اس نبی کو اس کنوئیں میں گرا دیا، اس کی پاداش میں ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا یہ دو قوم ہے جس کے نبی کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۳) وھب بن منبہ نے کہا یہ قوم ایک کنوئیں کے پاس رہتی تھی، یہ لوگ اس کنوئیں سے پانی لیتے تھے اور ان کے مویشی بھی تھے۔ یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب کو بھیجا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو یہ کنواں منہدم ہو گیا (ڈھے گیا) اور ان لوگوں کو اور ان

۱۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰)

کے گھروں کو اس کنوئیں میں دھنسا دیا گیا۔

(۴) سدی نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حبیب النجار کو قتل کر کے اپنے کنویں میں ڈال دیا تھا، ان ہی کے متعلق یہ آیت ہے: یقوم اتبعوا المرسلین۔ (یٰسین: ۲۰)

(۵) ابن السائب نے کہا یہ وہ قوم ہے جو اپنے نبی کو قتل کر کے کھا گئی تھی اور یہ وہ قوم ہے جس کی عورتوں نے سب سے پہلے جادو کیا تھا۔ [۱]

علامہ قرطبیؒ نے اصحاب الرس کی تفسیر میں بہت زیادہ اقوال نقل کئے ہیں۔ [۲]

﴿ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ ﴾

اور ہم نے ہر ایک کو مثالیں بیان کیں (مگر انہوں نے نصیحت نہ پکڑی) اور بلا آخر کار نہ ماننے پر ہم نے ان سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ (۳۹) اور یقیناً یہ (کفار) اس بستی پر سے گزر چکے ہیں جس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی، کیا انہوں نے اس بستی کو نہیں دیکھا، بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید

۱۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۲) مگر ہم نے جتنے اقوال ذکر کر دیئے ہیں، وہ کافی ہیں۔

ہی نہیں رکھتے۔(۴۰)

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کو توحید و رسالت کے دلائل سنائے اور ایمان نہ لانے پر ان کو عذاب کی وعید سنائی اور ان پر اپنی حجت تمام کر دی اس کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ملیا میٹ کر دیا۔

اگلی آیت کریمہ میں قوم لوط کی بستیوں سدوم و عمورہ کا ذکر ہے، جن کے رہنے والوں نے لوط (علیہ السلام) کو جھٹلایا، ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور فعل بد پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ مشرکین مکہ اپنے تجارتی سفروں میں شام و فلسطین جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ اب وہ بستیاں نشان عبرت بن گئی ہیں، لیکن اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ انھیں آخرت میں حساب اور جزا و سزا پر یقین ہی نہیں تھا۔ وہ بستی جس پر المناک بارش کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سیدنا لوط (علیہ السلام) کی بستی تھی، اس سلسلہ میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ) [القمر: ۳۳، ۳۴] "لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلا دیا۔ بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ایک ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر والوں کے، انھیں ہم نے صبح سے کچھ پہلے نجات دی۔" اور فرمایا: (وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۔ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ) [الشعراء: ۱۷۳ تا ۱۷۵] "اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش۔ پس ان لوگوں کی بارش بری تھی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ بیشک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت

رحم والا ہے۔" اور فرمایا: (فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ [الحجر: ۷۴ تا ۷۷] "تو ہم نے اس کے اوپر کا حصہ اس کا نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر کھنگر کے پتھروں کی بارش برسائی۔ بیشک اس میں گہری نظر سے دیکھنے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور بیشک وہ (بستی) یقیناً ایک دائمی (آباد) راستے پر ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے یقیناً بڑی نشانی ہے۔"

﴿ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا کہ آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ صاحب ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (۴۱) قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کر دیتا، اگر ہم ان کے بارے میں ثابت قدم نہ رہے ہوتے اور

جب وہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ گمراہ تھا۔ (۴۲)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن ادریس بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے پیغام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، اے قریش کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ گمان ہے کہ دوزخ کے صرف 19 فرشتے تم سب کو دوزخ میں قید کر کے تم کو عذاب دیں گے حالانکہ تم اتنی بڑی تعداد اور اتنی زیادہ کثرت میں ہو۔ کیا ان میں سے ایک شخص تم میں سے سو آدمیوں کو عاجز کر دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(المدثر: ۳۱) اور ہم نے دوزخ کے پہرے دار صرف فرشتے مقرر کئے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور قوی ہو جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں، اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار یہ کہیں گے کہ اس تعداد (انیس فرشتے) کو بیان کرنے سے اللہ کیا ارادہ فرماتا ہے، اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ قرآن تو انسانوں کے لیے صرف نصیحت ہے۔ [1]

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ قریش کی کتنی زیادہ عداوت دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دن قریش کے

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

سردار حطیم کعبہ میں جمع تھے، وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کر کے کہنے لگے، ہم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس شخص سے زیادہ کسی اور پر صبر کیا ہو، یہ ہمارے جوانوں اور بوڑھوں کو گمراہ قرار دیتا ہے، ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے، ہمارے جماعت میں تفرقہ ڈالتا ہے، ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہم اتنی بڑی زیادتی پر صبر کرتے ہیں، وہ اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آ گئے، آپ نے آ کر حجر اسود کی تعظیم کی، پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے، جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دور سے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے، آپ جب دور سا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے حسب سابق اشارے کئے تو آپ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کی جماعت! کیا تم سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس قربانی کے احکام لے کر آیا ہوں، وہ لوگ اس طرح غور سے آپ کی بات سن رہے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں، حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! آپ کامیابی کے ساتھ واپس جائیں۔ اللہ کی قسم میں جاہل نہیں ہوں! دور سے روز وہ پھر حطیم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے اس شخص کا ذکر کیا اور ان باتوں کا جواس نے تم سے کیں اور ان باتوں کا جو تم نے اس سے کیں، حتیٰ کہ جب انہوں نے وہ باتیں شرع کیں جو تم کو ناگوار ہیں تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے وہ سب چھلانگیں لگا کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو گھیر لیا اور آپ سے کہنے لگے آپ ہی وہ شخص ہیں جو اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں اور وہ سب

باتیں کہیں جو آپ نے ان کے باطل خداؤں اور باطل دین کی مذمت میں کہیں تھیں، تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں! میں نہی یہ باتیں کہی ہیں، پھر میں نے دیکھا ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کو کہا تم پر افسوس ہو تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر وہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ قریش کا سب سے سخت سلوک تھا جو میں نے آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔ [1]

﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے اس شخص کا حال دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

خواہش نفس کے بندے

یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔ آیت "ارءیت من اتخذ الھہ ھوہ"۔ اے پیغمبر آپ نے اس

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا، خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشات نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے، بغویؒ نے لکھا ہے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آیت کا تفسیر مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا، ان کی پوجا کرنے لگا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی ڈنڈوت کرنے لگے ،اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔

﴿ اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۴﴾ ﴾

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون اویعقلون، انھم نہیں فرمایا کیونکہ ان میں سے ایسے افراد بھی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کی مذمت کی ہے۔ یہاں سننے سے ایسا سننا ہے جو قبولیت کا سننا ہے یا جو آپ کہتے ہیں اس میں غور و فکر کرتے ہیں تو وہ اسے سمجھ جاتے ہیں یعنی وہ اس آدمی کی جگہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ اس چیز سے نفع حاصل نہیں کرتے جس کو سنتے ہیں تو گویا انہوں نے سنا

ہی نہیں، مراد اہل مکہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام اس قسم کے موقع میں بل کے معنی میں ہوتا ہے۔ ان ھم الا کالانعام وہ کھانے پینے میں چوپاؤں کی طرح ہیں۔ چوپاؤں پر نہ کوئی حساب ہے اور نہ ہی سزا۔ مقاتلؒ نے کہا: چوپائے اپنے رب کو پہچانتے ہیں اپنی چراگاہوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ مالک جو انہیں چارہ کھلاتے ہیں ان کی وہ اطاعت کرتے ہیں یہ نہ اطاعت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اس رب کو پہچانتے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں رزق دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوپائے ان سے افضل اس لیے ہیں کیونکہ چوپائے اگرچہ توحید و نبوت کی صحت کو نہیں سمجھتے تو وہ ان کے بطلان کو بھی نہیں سمجھتے۔ [1]

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۞ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۞ ﴾

اے مخاطب! کیا تو نے اپنے رب (کی اس قدرت) پر نظر نہیں کی وہ کس طرح سایہ کو پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا بنا دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔ (۴۵) پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ (۴۶)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

۱۔ احکام القرآن تفسیر القرطبی

اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کا وقت ہے اس وقت ایسا سایا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پھیلایا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، ایک وہ وقت ہے جب مکمل تاریکی ہوتی ہے یہ رات کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب مکمل روشنی اور دھوپ ہوتی ہے یہ دن کا وقت ہے، اور ایک سائے کا وقت ہے جس میں سورج کی دھوپ اور رات کے اندھیرے کی درمیانی کیفت ہوتی ہے اور یہ سائے کا وقت ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سائے کو دائمی کر دیتا اور سورج کبھی طلوع نہ ہوتا اور دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی اور لوگ تلاش روزگار کے لیے کوئی کام نہ کر سکتے۔

پھر آہستہ آہستہ سائے کو بہ تدریج اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یعنی سورج کے طلوع ہنے سے پہلے تمام روئے زمین پر سایا پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جب سورج طلوع ہوجاتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے اور جب سورج بالکل سروں پر پہنچ جاتا ہے اور مکمل دھوپ پھیل جاتی ہے تو سایہ نہ ہونے کے برابر ہوجاتا ہے، پھر جب سورج مغرب کی طرف جھکنے لگتا ہے تو پھر سائے نمودار ہونے شروع ہوجاتے ہیں اور سائے کی نمود اور اس کے گھٹنے، بڑھنے اور ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو علامت اور دلیل بنادیا ہے۔[1]

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ ﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا، نیند کو باعث راحت اور دن کو

۱۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

جی اٹھنے کا وقت بنایا۔

رات کو لباس فرمایا کیونکہ جس طرح لباس بدن کو چھپاتا ہے اسی طرح رات کے اندھیرے چیزوں کو چھپا لیتے ہیں، اور نیند کو سبات فرمایا" سبات کے معنی راحت ہیں، کیونکہ رات کو لوگ کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں اور رات کو صرف آرام کرتے ہیں جس سے ان کو آرام اور راحت ملتی ہے، نیند سے پہلے انسان کے اعصاب ڈھیلے ہوجاتے ہیں، سب سے پہلے اس کیک ان کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو نیند آجاتی ہے، اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام لتا ہے اور جب وہ سو کر اٹھتا ہے تو بالکل تروتازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی کام کاج کرنے کے لیے بنائی اور رات کا اندھیرا سونے اور آرام کرنے کے لیے بنیا، اگر مسلسل دن ہوتا تو انسان آرام نہ کرسکتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو انسان کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریع نہ ملتا۔ پس سبحان ہے وہ ذات جس نے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی۔

سیدنا حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب رات کو (سونے کے لیے) بستر پر لیٹتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ اپنے رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: (اَللّٰھُمَّ ! بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْیَا) "اے میرے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ جیتا (یعنی بیدار ہوتا) ہوں۔" اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ) "سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔"[1]

۱۔ [بخاری، کتاب الدعوات، باب وضع الید تحت الخد الیمنیٰ: ۶۳۱۴۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الدعاء عند النوم: ۲۷۱۱]

﴿ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴾

اور وہی ہے جس نے بارش سے پہلے ہواؤں کو اپنی رحمت سے خوشخبری کے طور پر بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے، یہ پانی ندیوں اور نہروں میں بھی آتا ہے تالابوں میں جمع ہوتا ہے پھر اس پانی سے غسل بھی کرتے ہیں وضو کے استعمال میں بھی لاتے ہیں اور میل کچیل بھی صاف کرتے ہیں کپڑے بھی دھوتے ہیں خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

دوم یہ کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے زمین سے سبزہ نکل آتا ہے کھیتیوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، بارش کے پانی سے انسان اور ان کے مویشی سبھی سیراب ہوتے ہیں اس سے انسانوں کی بھی پیاس دور ہوتی ہے اور جانوروں کی بھی۔

ارشاد فرمایا: ﴿اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ [الانفال:۱۱] "اور وہ تم پر آسمان سے پانی اتارتا تھا، تاکہ اس کے ساتھ تمہیں پاک کر دے۔" اور فرمایا: ﴿اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ

نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ)[الواقعۃ:٦٨،٦٩] "پھر کیا تم نے دیکھا وہ پانی جو تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے، یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟"

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ کیا ہم بضاعہ کے کنویں سے وضو کرلیا کریں؟ کیونکہ یہ ایسا کنواں ہے کہ جس میں حیض کے چیتھڑے، کتوں کا گوشت اور گندگی پھینک دی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔"[1]

﴿ لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ ﴾

تاکہ ہم اس پانی سے مردہ علاقے کو زندہ کریں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔(۴۹) اور بیشک ہم نے بارش کے پانی کو ان کے درمیان اس طرح تقسیم کردیا تاکہ وہ غور کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا ہر چیز سے انکار کردیا۔(۵۰)

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی کا جو بھی قطرہ نازل کرتا ہے اس سے زمین میں کوئی

---

[1] [أبوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی بئر بضاعۃ:٦٦۔ ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء أن الماء لاینجسہ شیء:٦٦]

سبزہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں کوئی موتی پیدا ہوتا ہے۔[1]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہر آنے والے سال میں گزشتہ سال سے زیادہ بارش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بارش کو اپنے بندوں پر مختلف علاقوں میں گردش دیتا رہتا ہے۔[2]

قتادہ الفرقان: ۵۰ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں بیشک اللہ عزوجل نے اس رزق کو اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور وہ اس رزق کو بندوں کے درمیان گردش میں لاتا رہتا ہے۔[3]

اگر سمندر کا پانی اپنی اصل حالت میں کھیتی کو پلایا جائے تو کھیتی مرجھا کر تباہ ہو جائے اور اگر کوئی جان دار پی لے تو اس کی آنتوں کو کاٹ کے رکھ دے، یا کم از کم زخمی کر دے، لیکن اسی سمندر کے پانی کے بخارات جب بارش میں منتقل ہوتے ہیں تو کیا نباتات، کیا حیوان اور کیا انسان، سب کے لیے یہ پانی حیات بخش ثابت ہوتا ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور جان دار مخلوق بارش ہونے سے پہلے ہواؤں کی آمد ہی پر مسرور ہو کر جھومنے لگتی ہے۔ نباتات ہی سے جان دار مخلوق کو غذا حاصل ہوتی ہے اور اس کے پینے کے لیے اللہ تعالیٰ صاف ستھرا پانی دیتا ہے۔ جمادات کے علاوہ اس کائنات ارضی پر کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کی زندگی کی بقا پانی کے بغیر ممکن ہو۔ (کیلانی)

فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی ہے، جیسا کہ سیدنا زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور اس رات بارش ہوئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۴۴)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۴۷)

۳۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۵۰)

لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟" انھوں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "سنو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آج جب صبح ہوئی تو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا، جنھوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم پر بارش برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستارے سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنھوں نے کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کے اثر سے پانی برسایا گیا تو انھوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور وہ ستارے پر ایمان لائے۔"[1]

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ ﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔ (۵۱) پس آپ کافروں کی بات نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ذریعے ان سے پوری قوت سے جہاد کیجئے۔ (۵۲)

اے پیغمبر اسلام! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں الگ الگ رسول بھیج دیتے جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے ہم ہر ایک بستی اور ہر ایک قوم میں الگ الگ رسول بھیجتے ہی رہے ہیں جیسے کہ پیچھے سورہ یونس کی آیت ۷۴، سورہ النحل کی آیت ۳۶، سورہ الرعد کی آیت ۷، سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۴ میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں اور اس طرح سورہ فاطر اور روم میں بھی یہ مضمون

۱۔ [بخاری، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۸۴۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء: ۷۱]

آئے گا۔اب بھی اگر ہماری حکمت کا تقاضا ایسا ہوتا تو ایسا کر سکتے تھے کہ ہر ایک بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی ورسول بھیج دیتے لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں۔انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنے کا موزوں وقت اب آپہنچا ہے بہت سی امتوں کی نہیں اب ایک امت کی ضرورت ہے جو حق کی امین بنائی جائے اور اس کی یہی ایک صورت ہے کہ ساری اقوام عالم کا ایک ہی ہادی ہو۔

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں: 1 مجھے ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ذریعے سے مدد دی گئی۔ 2 پوری زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی اور پاک بنادی گئی، پس میری امت میں سے جس شخص پر (جہاں بھی) نماز کا وقت ہوجائے اسے چاہیے کہ (اسی مقام پر) نماز پڑھ لے۔ 3 میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے ہیں اور مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لیے حلال نہیں کیے گئے تھے۔ 4 مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی ہے۔ 5 ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، جبکہ میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔" (۱)

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ ﴾

اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا۔اور اس نے ان کے درمیان ایک پردہ بنادیا اور ایک مضبوط رکاوٹ

۱۔[بخاری، کتاب التیمّم، باب قول اللہ تعالیٰ: (فلم تجدوا ماء۔۔الخ): ۳۳۵۔مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلوۃ: ۵۲۱]

کھڑی کردی ہے۔

وحجر محجورا مضبوط پردہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ اختلاط سے روکتا ہے، برزخ سے مرد رکاوٹ اور حجر سے مراد روکنے والا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا: مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن جبیرؒ نے کہا: مراد آسمان اور زمین کا سمندر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: وہ ہر سال میں ملتے ہیں اور ان کے درمیان اس کی قضاء کا پردہ حائل ہے۔ ان پر قطعی حرام ہے کہ یہ اپنی مٹھاس کے ذریعہ اس نمکین کو میٹھا کردے اور اس میٹھے کو نمکین کے ساتھ نمکین کردے۔ [1]

مفسر ابوحیان لکھتے ہیں: "وَنِيلُ مِصْرَ فِي فَيْضِهِ يَشُقُّ الْبَحْرَ الْمَالِحَ شَقًّا بِحَيْثُ يَبْقَى نَهْرًا جَارِيًا أَحْمَرَ فِي وَسْطِ الْمَالِحِ لِيَسْتَقِيَ النَّاسُ مِنْهُ" [البحر المحیط] "یعنی مصر کا دریائے نیل اپنی طغیانی کے زمانے میں نمکین سمندر کو چیرتا ہوا شور سمندر کے وسط میں سرخ رنگ کے دریا کی صورت میں دور تک بہتا چلا جاتا ہے، جس سے لوگ پینے کے لیے پانی حاصل کرتے ہیں۔" چوتھا مصداق اس کا یہ ہے کہ کھارے اور کڑوے سمندر کے درمیان ایسے ذخیرے موجود ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہے۔ ابو حیان ہی نے لکھا ہے: "وَتَرَى الْمِيَاهَ قِطَعًا فِي وَسْطِ الْبَحْرِ الْمَالِحِ فَيَقُولُونَ هٰذَا مَاءٌ ثَلْجٌ فَيَسْقُونَ مِنْهُ مِنْ وَسْطِ الْبَحْرِ" [البحر المحیط] "یعنی نمکین سمندر کے وسط میں (میٹھے) پانی ٹکڑوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں، جن کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ یہ برف کا پانی ہے اور وہ سمندر کے درمیان اس سے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں۔"

تفہیم القرآن میں ہے: "خود سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں، جن کا

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب "مرأۃ الممالک" میں (جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے) خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشان دہی کرتا ہے، اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں، جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں۔ موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء وہ بھی خلیج فارس کے انھی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی، بعد میں "ظہران" کے پاس کنویں کھود لیے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔ بحرین کے قریب بھی سمندر کی تہ میں آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے لوگ کچھ مدت پہلے تک پینے کا پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔"

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ۝۵۴ ﴾

اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا، پھر اس کو نسب والا (نسبی رشتے) اور سسرال والا بنا دیا اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔

دو سمندروں کے مختلف پانی کے ذکر کے بعد جس پانی کے قطرہ سے انسان پیدا ہوتا ہے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کیونکہ انسان بھی بنیادی طور پر پانی کے دو قسم کے قطروں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک قطرہ مرد کے صلب سے اور دوسرا قطرہ عورت کی چھاتی سے نکلتا ہے دونوں قطرے الگ الگ اجزاء پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جنھیں میڈیکل سائنس میں جرثومے کہا جاتا ہے۔ جرثوموں کا دست قدرت کے اشارے

سے رحم مادر میں ملاپ ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ مختلف شکلیں اختیار کرتے ہوئے ایک بچہ کی صورت اختیار کرتا ہے پھر زندگی کے مختلف مراحل سے گزر کر باپ کا درجہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد بنیادی طور پر اس کی نسل دو خاندانوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ ایک طرف اپنی اولاد کا باپ اور پوتے پوتیوں کا دادا بنتا ہے اور دوسری طرف سسر کے رشتہ میں منسلک ہوکر نواسوں اور نوسیوں کا نانا بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہی آدمی ایک کا بیٹا ہوتا ہے اور دوسرے کا داماد بنتا گویا پانی کی بوند سے اکیلا پیدا ہونے والا انسان کئی رشتوں سے منسلک ہوجاتا ہے۔ کئی انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دونوں رشتہ سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ کا رب اس بات پر قدرت رکھنے والا ہے یعنی وہ چاہے تو کسی کا نسب بڑھائے اور اسے باپ دادا اور سسرال کے رشتوں کے ساتھ منسلک کرے اور نہ چاہے تو اس کا نسب اسی پر ختم ہوجائے۔

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ ﴾

اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو نہ انھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (ہر باغی کا) مددگار (بنا ہوا) ہے۔

(ویعبدون: اور وہ عبادت کرتے ہیں۔) توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے بتوں کی پوجا کرنے میں مشرکین کی مذمت بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ مشرک اللہ تعالیٰ

کے سوا ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو عبادت کرنے کی صورت میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور ان کی عبادت کرنا چھوڑ دینے کی صورت میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جبکہ وہ لوگ اس رب تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان میں سے چھوٹی سی نعمت بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور عطا نہیں کرسکتا۔ (وکان الکافر علیٰ ربہ ظھیراً: اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (شیطان کا) مددگار ہے۔) ارشاد فرمایا کہ کافر اپنے رب عزوجل کے مقابلے میں شیطان کا مددگار ہے کیونکہ بت پرستی کرنا شیطان کو مدد دینا ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۵۶ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۵۷ وَتَوَكَّلْ عَلَي الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَۨا ۝۵۸ۚ﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو بس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۵۶) آپ فرما دیجئے کہ میں اس (کام) پر آپ سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جس کا دل چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔ (۵۷) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا

نہیں۔اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے والا کافی ہے۔(۵۸)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا: اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تسلی ہے اور کفار کے لیے تنبیہ، یعنی اگر کافر ایمان نہیں لاتے اور اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی دشمنی اور مخالفت سے باز نہیں آتے تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں، آپ کا کام حق قبول کرنے والوں کو بشارت دینا اور اسے ٹھکرانے والے کو ڈرانا ہے اور بس۔ کفار کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جس رسول کی دشمنی پر تم کمر باندھے ہوئے ہو وہ تو سر سے پاؤں تک تمہارا خیر خواہ ہے، وہ تمہیں ایمان قبول کرنے پر جنت کی خوش خبری دینے والا اور ایمان سے انکار کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہے، ایسے خیر خواہ سے دشمنی رکھنا تمہیں زیب دیتا بھی ہے۔

آگے فرمایا یہ اعلانِ حق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے کروایا گیا کہ آپ اپنی قوم کو دوٹوک انداز میں فرما دیں کہ میں نبوت کی ذمہ داریوں کے بدلے تم سے کسی قسم کا اجر اور معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ اس میں ایک طرف کفار اور مشرکین کے لیے پیغام ہے کہ سوچو اور غور کرو! کہ جس شخصیت کا نبوت سے پہلے اس قدر احترام اور مقام تھا کہ ہر کوئی اس کا اعتراف کرتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے مقام اور احترام کو جس مشن پر قربان کیا ہے اسے اس کے بدلے میں کیا مل رہا ہے؟ اس کے ساتھ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ ان سے کسی قسم کے اجر کے طالب نہیں۔ جسے بوجھ سمجھ کر یہ آپ کی مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ آپ تو ان کی اصلاح اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے مصائب اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں۔ جب سب کچھ آپ

اپنے رب کی وجہ سے کر رہے ہیں تو اس رب پر بھروسہ کیجیے جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ سے زندہ اور قائم و دائم ہے اور قائم و دائم رہے گا بس زندہ اور قائم و دائم رہنے والے رب کی حمد و ستائش کرتے رہیں۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ اس میں بھی آپ کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ آپ کا رب آپ کے مخالفوں کے جرائم سے غافل ہے ایسا ہرگز نہیں وہ لوگوں کے جرائم سے پوری طرح آگاہ ہے، لیکن اس نے جبر کرنے کی بجائے لوگوں کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چاہیں تو اپنے رب کا راستہ اختیار کریں، اگر نہ چاہیں تو اس کے مخالف چلتے رہیں تاہم انھیں یہ بات ہر لحہ یاد رکھنی چاہیے کہ ان کا رب ان کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ان الفاظ میں مجرموں کے لیے ایک تنبیہ ہے۔

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہی رحمٰن (بڑا مہربان) ہے پس اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھ لیں۔ (۵۹) جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ

رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمن کیا ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دیتا ہے، اور اس سے ان کی نفرت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۶۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور خالقیت کے دلائل دیتے ہوئے یہ بات کئی مرتبہ بیان فرمائی ہے کہ اس نے زمینوں، آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، زمین و آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد وہ عرش معلیٰ پر اپنی شان کے مطابق مستوی ہوا۔ وہی رحم و کرم کا مالک اور خالق ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لے۔

مشرکین مکہ "رحمن" کا معنی نہیں جانتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب ان سے کہا کہ تم لوگ بتوں کے بجائے "رحمن" کو سجدہ کرو، تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم کسی "رحمن" کو نہیں جانتے۔ کفار اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو رحمن کے نام سے موسوم کیا جائے، جیسا کہ انھوں نے حدیبیہ کے دن بھی اس بات کا انکار کر دیا تھا۔ سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور کفار کے مابین حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کاتب سے فرمایا: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھو۔ تو کفار کے نمائندے سہیل نے کہا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کون ہے، بلکہ آپ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھیے، جو آپ (پہلے) لکھا کرتے تھے۔ [1]

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا: یعنی کیا تم چاہتے ہو کہ تم ہمیں جس کی عبادت کا حکم دو ہم اسی

---

[1] [بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ: ۱۷۸٤]

کی عبادت کریں؟ یعنی چاہتے ہو کہ ہم تمہاری ہر بات مانتے رہیں تو ایسا نہیں ہوگا اور ہم "رحمن" کو سجدہ نہیں کریں گے، یعنی تکبر کی وجہ سے دین و ایمان سے ان کی نفرت اور بڑھ گئی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور سننے والے کو ضرور سجدہ کرنا چاہیے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ ﴾

بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا ہوا چاند بنایا۔

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن، مجاہدؒ اور قتادہؒ نے کہا بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت ظاہر ہیں اور برج کا معنی ظہور ہے۔

عطیہ العوفیؒ نے کہا برج کا معنی قلعہ اور محل ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

(النساء:۷۸) اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے رویا کیا کہ اس سے مراد وہ بارہ برج ہیں جو سات کواکب سیارہ کی منازل ہیں وہ بارہ برج یہ ہیں: الحمل (بھیڑ کا بچہ)، الثور (بیل)، الجوزا (وہ سیاہ بکری جس کے سوط میں

سفیدی ہو) السرطان (کیکڑا) الاسد (شیر) السنبلہ (گندم کا خوشہ) المیزان (ترازو) العقرب (بچھو) القوس (کمان) الجدی (بکری کا بچہ) الدلو (ڈول) الحوت (مچھلی)۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے، الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے، الجوزا اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے، السرطان قمر کی منزل ہے، الاسد شمس کی منزل ہے، القوس اور احلوت مشتری کی منزل ہے، الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔[1]

آسمانی بروج کی تفصیل

اہل فلکیات کے نزدیک زمین سورج کے گرد شمسی سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے اور اس چکر کی بارہ منازل ہیں اور زمین ہر شمسی ماہ میں ایک منزل میں ہوتی ہے اسے برج کہتے ہیں ان بروج کے مذکورہ نام اس مناسبت سے ہیں کہ ہر برج والے مہینے میں آسمانوں پر ستاروں کے جھرمٹ کی ایک خاص شکل سی بن جاتی ہے کبھی اسد نظر آتا ہے کبھی عقرب کبھی قوس کبھی میزان وغیرہ تو ہر شکل کی مناسبت سے برج کا نام رکھا گیا ہے تو یہ اللہ ہے جس نے شمس وقمر اور نجوم و بروج بنائے پھر اس کے سوا کون معبود ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ ﴾

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے بنایا، یہ

---

[1] ۔(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

نصیحت اس شخص کے لیے ہے جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے ۔

طبری نے معتبر سند کے ساتھ علی بن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی تفسیر نقل فرمائی ہے: "جس کا کوئی کام رات کو رہ جائے تو وہ دن کو پورا کر لیتا ہے اور دن کو رہ جائے تو رات کو پورا کر لیتا ہے۔" (طبری: ۲۶۶۶۰)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے، تاکہ دن کو برائی کرنے والا شخص توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے، تاکہ رات کو برائی کرنے والا توبہ کر لے، یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔"[۱]

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کسی نماز سے سو یا رہ جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے وہ یاد آئے پڑھ لے۔"[۲]

امیر المومنین عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اپنے مقرر کردہ وظیفے سے یا اس کے کچھ حصے سے سو یا رہ جائے، پھر اسے فجر کی نماز اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لے تو گویا اس نے اسے رات ہی میں پڑھا ہے۔"[۳]

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا : یعنی کہ اگر کوئی کفر یا فسق کی وجہ سے غفلت میں مبتلا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح نصیحت ہو تو دن رات کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اس کے لیے بہت بڑی نصیحت ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی وہی کر سکتا ہے جو لامحدود قدرت والا اور ہر طرح صاحب اختیار ہے، اور اگر کوئی مومن اور صالح ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے تو دن رات کی یہ تبدیلی بہت بڑی

۱۔[مسلم، التوبۃ، باب قبول التوبۃ من الذنوب۔۔:۲۷۵۹]

۲۔[مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ۔۔:۶۸۴/۳۱۵]

۳۔[مسلم، صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل:۷۴۷]

نعمت ہے، جس پر اسے شکر ادا کرنا لازم ہے۔ رات دن کے سلسلے میں ایک نصیحت ابن العربی نے ذکر فرمائی ہے کہ ایک آدمی جس کی عمر ساٹھ (۶۰) برس ہے، وہ رات سو کر گزار دیتا ہے، تو اس کی آدھی عمر بے کار گئی، پھر دن کا تقریباً چھٹا حصہ آرام میں گزر جاتا ہے، یوں کل دو تہائی چلا گیا۔ اس کے پاس ساٹھ (۶۰) سال کی عمر میں سے بیس (۲۰) برس رہ گئے۔ کتنی بڑی جہالت اور بے وقوفی ہے کہ آدمی اپنی عمر کا دو تہائی حصہ فانی لذت میں گزار دے اور عمر عزیز کو اس دائمی لذت کے حصول کے لیے خرچ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس اس کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ ﴾

اور رحمٰن کے حقیقی بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اگر جاہل ان سے جھگڑیں تو وہ ان کو سلام کہتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک آدمی اپنی چادر لٹکا کر چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت تک یونہی زمین میں دھنستا ہی رہے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک شخص اکڑتا ہوا اپنے حلہ (ایک ہی رنگ کی دو چادروں) میں چل رہا تھا، اپنے بالوں پر بڑا خوش تھا اور اس نے اپنی

۱۔ [بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء: ۵۷۹]

چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھی تھی کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک زمین کے اندر دھنستا رہے گا۔"[1]

سیدنا ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں آپ نے کچھ لوگوں (کے دوڑنے) کی آواز سنی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا: "یہ آواز کیسی تھی؟" ہم نے کہا، ہم نماز کے لیے جلدی جلدی آئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "آئندہ ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لیے آؤ تو اطمینان اور وقار کو لازم پکڑو اور جتنی نماز مل جائے اسے (امام کے ساتھ) پڑھ لو اور جتنی رہ جائے وہ (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) پوری کر لو۔"[2]

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا: یعنی جب جاہل لوگ جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے بری بات کرتے ہیں تو وہ جواب میں اسی طرح کی بری باتیں نہیں کرتے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے اور اچھی بات ہی کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ) [الاعراف:۱۹۹] "درگزر اختیار کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کر۔" اور فرمایا: (وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ) [القصص:۵۵] "اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔"

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "صدقہ دینے سے کوئی

---

[1] [مسند أحمد:۲/۲۶۷، ح:۷۶۴۸]

[2] [بخاری، کتاب الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلوۃ:۶۳۵۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلوۃ بوقار۔۔الخ:۶۰۳]

مال کم نہیں ہوتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

جب عام لوگ رات کو سوتے ہیں تو یہ اللہ والے اپنی نیند کا کچھ حصہ قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر رات کو رات کے آخری تیسرے حصہ میں آسمان دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں؟۔[2]

حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ آدھی رات کے قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے عشا اور صبح کی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں تو یہ پوری رات کے قیام کے برابر ہے۔[3]

سیدنا زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں آج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸]

۲۔(بخاری: ۱۱۴۵۔ کتاب التہجد: باب ۱۴۔ ترمذی: ۴۴۶)

۳(ابوداؤد: ۵۵۵۔ کتاب الصلوۃ: باب ۴۷)

وسلم) کی رات کی نماز دیکھوں گا تو (میں نے دیکھا کہ) آپ نے (تحیۃ الوضو کی) دو رکعت ہلکی پڑھیں، پھر دو رکعت پڑھیں (بہت) طویل، (بہت) طویل، پھر دو رکعت اور پڑھیں، لیکن وہ ان سے چھوٹی تھیں، پھر دو اور پڑھیں اور وہ ان سے بھی چھوٹی تھیں، پھر دو اور پڑھیں اور وہ ان سے بھی چھوٹی تھیں، پھر دو اور پڑھیں اور وہ ان سے بھی چھوٹی تھیں، پھر (ایک رکعت) وتر پڑھا۔ یہ سب ملا کر تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۲)

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز عشاء، جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں اور نماز فجر کے مابین گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (۳)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپ کے بچھونے پر آپ کے سامنے لیٹی رہتی تھی اور جب آپ وتر پڑھنے لگتے تو مجھے بھی جگا دیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی۔ (۴)

۱۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودعاہ باللیل: ۷۶۵]

۲۔[بخاری، کتاب التہجد، باب کیف صلوۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟: ۱۱۳۸۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودعاہ باللیل: ۷۶۴]

۳۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فی اللیل۔۔الخ: ۷۳۶/۱۲۲]

۴۔[بخاری، کتاب الوتر، باب إیقاظ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) أہلہ بالوتر: ۹۹۷۔ مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فی اللیل۔۔الخ: ۷۴۴]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: "اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ (پہلے) رات کو قیام کرتا تھا، پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔" [1]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سایے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔" تو ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ [2]

﴿ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ ﴾

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے، بیشک اس کا عذاب بالکل چمٹ جانے والی چیز ہے۔ (٦٥) بیشک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری قیام گاہ ہے۔ (٦٦)

اس سے معلوم ہوا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آ جائیں، اس لیے وہ عذاب

۱۔ [بخاری، کتاب التہجد، باب ما یکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ: ۱۱۵۲]

۲۔ [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ بالیمین: ۱۴۲۳]

جہنم سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت واطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مواخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادت واطاعت الٰہی پر کسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ (وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ)23۔ المومنون: 60) اور وہ لوگ کہ جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انھیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں آیت کی تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا انھیں اے ابوبکرؓ کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہوجائیں۔ الترمذی۔

حضرت حسن بصریؒ نے کہا: سب کو علم ہے کہ ہر غریم، غریم کو چھوڑنے والا ہے مگر جہنم کا غریم چھوڑنے والا نہیں۔ زجاج نے کہا: غرام سخت ترین عذاب ہے۔ ابن زید نے کہا: غرام سے مراد شر ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے دنیا میں نعمتوں کے ثمن کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ ادا نہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کے ثمن انہیں جہنم میں داخل کرنے کے ساتھ لازم کردیئے۔

انھا ساءت مستقرا ومقاما وہ کتنا برا ٹھکانا ہے، وہ بات علم سے کہتے ہیں جب انہوں نے یہ بات علم سے

کہی تو وہ اس شے کی عظیم قدر کو پہچاننے والے ہو گئے جس کا ان سے مطالبہ کیا جا رہا تھا، یہ چیز ان کی کامیابی کے قریب ترین ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ ﴾

اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

اسراف فضول خرچی کا دوسرا نام ہے یا اس طرح کہیں کہ جس چیز کو اردو میں فضول خرچی کہا جاتا ہے عربی میں اس کو "اسراف" کہتے ہیں۔ اور فضول خرچی یہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت اور موقع کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرے چونکہ اسلام عرب میں آیا اور عربوں کی فیاضی، فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اس لیے اسلام نے فضول خرچی کو روکا اور انسان کو اپنی حد میں رہ کر خرچ کرنے کا حکم دیا کیونکہ فضول خرچی کی عادت سے قومی سرمایہ بہت بری طرح برباد ہو کر فنا ہوتا ہے اور فضول خرچی عموماً فخر و غرور اور نمائش کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے اور ان بداخلاقیوں کی برائی کسی سے چھپی نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا: (يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ) [الأعراف:٣١] "اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بیشک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔" اور فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ)[الانعام:١٤١] "اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور نہ چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی، جن کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ اس کے پھل میں سے کھاؤ، جب وہ پھل لائے اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور حد سے نہ گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔" ارشاد فرمایا: (وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا)[بنی اسرائیل:٢٦ تا ٢٩] "اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر، بے جا خرچ کرنا۔ بیشک بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔ اور اگر کبھی تو ان سے بے توجہی کر ہی لے، اپنے رب کی کسی رحمت کی تلاش کی وجہ سے، جس کی تو امید رکھتا ہو تو ان سے وہ بات کہہ جس میں آسانی ہو۔ اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔" اور فرمایا: (هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ)[محمد:٣٨] "سنو! تم وہ لوگ ہو کہ تم

بلائے جاتے ہو، تا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، تو تم میں سے کچھ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ ہی بے پروا ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ تمہارے سوا اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہونگے۔"

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تہ بہ تہ تاریکیاں بن جائے گا، اور بخل سے بچو، کیونکہ بخل نے تم سے پہلی قوموں کو برباد کر دیا، اس نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ناحق خون بہائیں اور محرمات کو حلال ٹھہرائیں۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "انسانوں پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں دو فرشتے نہ اترتے ہوں، ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جس نے تیری راہ میں خرچ کیا تو اسے اچھا بدلہ عطا کر اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! ہاتھ روک لینے والے کا مال تلف کر۔"[2]

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ
اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ
مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۸]

۲۔[بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: (وأما من أعطی واتقی): ۱۴۴۲۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی المنفق والممسک: ۱۰۱۰]

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔(۶۸) قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔(۶۹) مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے۔ پس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے۔(۷۰)

شان نزول: (آیت) "۔والذین لا یدعون"۔(الخ)

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا اپنے لڑکے کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ کہیں تمہارے ساتھ نہ کھائے، میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا نہ کرو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کے لیے یہ آیات نازل فرمادیں یعنی کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے۔

نیز بخاریؒ و مسلمؒ ہی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے قتل بھی بہت کیے تھے اور زنا بھی بکثرت کیے تھے وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے کہ کاش آپ ہمیں یہ بتادیں کہ اس چیز کو قبول کر لینا کیا ہمارے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب سورہ فرقان کی یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے کہا ہم نے تو بہت سے ناحق خون کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ بہت سے معبودوں کی عبادت کی ہے اور فواحش کا ارتکاب کیا ہے اس پر (آیت) "الا من تاب"۔ (الخ) سے آیت کا یہ حصہ نازل ہوا یعنی مگر جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا، اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے۔" اس نے پوچھا، پھر کونسا (گناہ بڑا ہے)؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گی۔" اس نے پوچھا، پھر کونسا (گناہ بڑا ہے)؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائیں: (وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا) [الفرقان: ٦٨، ٦٩] "اور وہ جو اللہ

کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔"[1]

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ: یعنی وہ کسی بے گناہ کو قتل نہیں کرتے، الا یہ کہ کوئی شخص اسلام سے پھر جائے، یا شادی کرنے کے بعد زنا کرے، یا کسی کو بے سبب قتل کر دے۔ ارشاد فرمایا: (اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[المائدۃ:۳۳، ۳۴] "ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ انھیں بری طرح قتل کیا جائے، یا انھیں بری طرح سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے بری طرح کاٹے جائیں، یا انھیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ بیشک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

۱۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (یٰأیہا الرسول بلغ ما أنزل إلیک۔۔الخ): ۷۵۳۲۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب: ۸۶/۱۴۲]

وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)[البقرۃ:۱۷۸،۱۷۹] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے، آزاد (قاتل) کے بدلے وہی آزاد (قاتل) اور غلام (قاتل) کے بدلے وہی غلام (قاتل) اور (قاتلہ) عورت کے بدلے وہی (قاتلہ) عورت (قتل) ہوگی، پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا اور اچھے طریقے سے اس کے پاس پہنچا دینا (لازم) ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور ایک مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے لیے بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے اے عقلوں والو! تاکہ تم بچ جاؤ۔" اور فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا)[بنی اسرائیل:۳۳] "اور اس جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص قتل کر دیا جائے، اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوگا۔"

سیدنا عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھ سے (دین کی باتیں) سیکھ لو، مجھ سے سیکھ لو، مجھ سے سیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے ایک راہ نکالی ہے۔ جب کنوارا مرد کنواری عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور سنگسار کر دو۔"[1]

۱۔[مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنیٰ:۱۶۹۰]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور میرے ساتھ اشعری قبیلے کے دو شخص تھے، ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں طرف۔ اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسواک کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کسی علاقے کا حاکم بنا دیجیے اور دوسرے نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا، تو آپ نے فرمایا: "ابوموسیٰ! " یا فرمایا: "عبداللہ بن قیس!" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! انھوں نے اپنے دل کی بات مجھ سے نہیں کہی تھی اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ دونوں کوئی عہدہ چاہتے ہیں۔ ابوموسیٰ ؓ کہتے ہیں، گویا میں اس وقت بھی آپ کی مسواک کو دیکھ رہا ہوں، وہ آپ کے ہونٹ کے نیچے اٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: "جو کوئی ہم سے کسی عہدے کا سوال کرتا ہے تو ہم اسے وہ عہدہ نہیں دیتے، البتہ اے ابوموسیٰ!" یا آپ نے یہ فرمایا: "اے عبداللہ بن قیس! تم یمن (کی امارت) کے لیے روانہ ہو جاؤ۔" اس کے بعد آپ نے معاذ بن جبل ؓ کو بھی ان کے پیچھے روانہ کیا۔ جب معاذ ؓ (یمن میں) ابوموسیٰ کے پاس پہنچے تو ابوموسیٰ ؓ نے ان کے بیٹھنے کے لیے گدا بچھوایا اور کہنے لگے، سواری سے اتریئے۔ اس وقت ابوموسیٰ ؓ کے پاس ایک شخص تھا، جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ معاذ ؓ نے ابوموسیٰ ؓ سے پوچھا، یہ کون شخص ہے؟ انھوں نے کہا، یہ یہودی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کیا، اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ ابوموسیٰ ؓ نے معاذ ؓ سے کہا، بیٹھ جایئے۔ انھوں نے کہا، میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق یہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ انھوں نے تین بار یہی کہا۔ اس پر ابوموسیٰ ؓ نے حکم دیا تو وہ قتل کر دیا گیا۔ [1]

---

[1] ۔[بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدۃ: ۶۹۲۳، ۷۱۴۹]

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں کا ایک جاسوس سفر میں آپ کے پاس آ گیا۔ وہ آپ کے صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا رہا اور پھر کھسک کر چلا گیا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اسے ڈھونڈ کر قتل کر دو۔" سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسے قتل کر دیا اور آپ نے اس کا سامان مجھے دے دیا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔" [2]

وَلَا يَزْنُوْنَ: اور فرمایا: (وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاۗءَ سَبِيْلًا) [بنی إسرائیل: ۳۲] "اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بیشک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا۔" [3]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں: (وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا) [الفرقان: ۶۸، ۶۹] مشرکوں نے کہا، پھر ہمیں اسلام قبول کرنے سے کیا فائدہ، ہم نے تو دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھہرایا ہے، ناحق خون بھی کیا ہے اور فحش کام بھی کیے ہیں تو اس وقت اللہ نے یہ آیت اتاری: (اِلَّا مَنْ تَابَ

۱۔ [بخاری، کتاب الجہاد، باب الحربی إذا دخل دار الإسلام بغیر أمان: ۳۰۵۱]

۲۔ [بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس: ۶۶۷۵]

۳۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب إثم الزناۃ: ۶۸۰۹۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان نقصان الإیمان بالمعاصی: ۵۷، عن أبی ہریرہ (رض)]

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا)[الفرقان:۷۰] "مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا، نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"[۱]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا، اس شخص کو قیامت والے دن (اللہ کے سامنے) لایا جائے گا تو کہا جائے گا، اس کے بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے گناہوں کی نسبت اس سے باز پرس کرو۔ چنانچہ اسے اس کے چھوٹے گناہ دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ فلاں فلاں دن تو نے فلاں فلاں گناہ کیا تھا اور فلاں فلاں دن تو نے فلاں فلاں گناہ کیا تھا؟ تو وہ کہے گا، ہاں! اور یوں یہ کسی ایک کا بھی انکار نہ کر سکے گا اور اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، لیکن اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لیے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی ہے، تو اس پر وہ کہے گا، اے میرے پروردگار! میں نے تو اور بھی بہت سے (برے) اعمال کیے تھے، جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔" یہ فرما کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس قدر ہنسے کہ آپ کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔[۲]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لے آئے جو گناہ

۱۔[مسلم، کتاب التفسیر: ۳۰۲۳/۱۹]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها: ۱۹۰]

کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ انھیں بخشے۔"[1]

﴿ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ ﴾

اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف سچی توبہ کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا اس آیت کا یہ معنی ہے: اہل مکہ میں سے جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے ہجرت کر لی اور اس نے قتل کیا نہ زنا کیا بلکہ نیک کام کئے اور فرائض کو ادا کیا تو ان کی اللہ کی طرف سچی توبہ ہے، یعنی میں نے ان کو، ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جنھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قتال کیا اور حرام کاموں کو حلال قرار دیا، قفال نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنھوں نے مشرکین میں سے توبہ کی ہو اور دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنھوں نے مسلمانوں میں سے توبہ کی ہو اور توبہ کرنے کے بعد نیک عمل کئے ہوں کیونکہ وہ بھی توبہ کرنے والوں کے حکم میں ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس نے زبان سے توبہ کی اور توبہ کو پختہ کرنے کے لیے نیک عمل نہیں کئے تو اس کی توبہ نفع آور نہیں ہوگی، بلکہ جو توبہ کرے اور اس کے بعد نیک عمل کرے تو وہ اپنی توبہ کو اعمال صالحہ سے پختہ کر دیتا ہے۔[2]

رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بیشک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بیشک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

سیدنا عمرو بن عاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اسلام پچھلے

۱۔[مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ: ۲۷۴۹]

۲۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے ان کاموں کا، جو ہم نے جاہلیت کے زمانہ میں کیے ہیں، مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "تم میں سے جس نے اسلام لانے کے بعد اچھے عمل کیے، تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا اور جس نے (اسلام لانے کے بعد) برے عمل کیے اس سے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں کیے گئے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔"[2]

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ ﴾

اور وہ لوگ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے اور جب وہ بیہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ: اہل ایمان کی تین بنیادی صفات کے بعد اب چند مزید صفات کا ذکر ہوتا ہے، جن کے ساتھ ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ "شَهِدَ يَشْهَدُ" حاضر ہونے کے معنی میں آتا ہے اور اس کا اصل مفہوم یہی ہے، جیسا کہ فرمایا: (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ)[البقرۃ:۱۸۵] "تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے۔" اور کسی چیز کے متعلق گواہی دینے کے لیے

۱۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الإسلام یہدم ما قبلہ:۱۲۱]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب ہل یؤاخذ بأعمال الجاہلیۃ؟:۱۲۰]

بھی آتا ہے، جس میں وہ حاضر رہا ہو یا جانتا ہو، جیسا کہ فرمایا: (وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ) [الطلاق: ۲] "اور اپنوں میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنالو۔" اور فرمایا: (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ) [آل عمران: ۱۸] "اللہ نے گواہی دی کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے۔"

سیدنا ابوبکرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دفعہ یہی فرمایا تو صحابہ ؓ نے کہا، کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔" اور اس وقت آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: "سنو! اور جھوٹی بات کہنا، سنو! اور جھوٹی گواہی دینا۔" اور یہ جملہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب خاموش ہو جائیں۔ [1]

سیدنا عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔" [2]

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا: اور ایسے لوگ جب کسی بے جا اور لغو قول و عمل والی مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں، تو اپنی عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں، ارشاد فرمایا: (

۱۔ [بخاری، کتاب الشہادات، باب ما قیل فی شہادۃ الزور: ۲۶۵۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر و أکبرہا: ۸۷]

۲۔ [مسلم، المقدمۃ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع: ۵/۹]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ)[المؤمنون:۳] "اور وہی جو لغو کاموں سے منہ موڑنے والے ہیں۔" اور فرمایا: (وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ)[القصص:۵۵] "اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ اور بے مقصد ہو۔"[1]

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ ﴾

اور وہ لوگ جب انھیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔(۷۳) اور وہ لوگ ہیں جو یوں دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کے لیے امام بنا۔(۷۴)

---

[1]۔[ترمذی، کتاب الزہد، باب [حدیث: من حسن إسلام المرء]:۲۳۱۷۔ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ:۳۹۷۶]

ان آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کی مزید صفتوں کا بیان ہے ارشاد ہے کہ: 1۔ جب انھیں ان کے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو انھیں غور سے دیکھیں اور ان کے معنی پر غور کریں، وہ ایسا ہرگز نہیں کرتے کہ اللہ کا کلام انھیں سنایا جائے اور قرآن مجید ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے، اور وہ پتھر کی مورت بن کر بیٹھ جائیں نہ دیکھیں، نہ سنیں بالکل مگرے بن کر پڑ جائیں اور بہروں اور اندھوں کی سی حرکتیں کرنے لگیں، نیک لوگوں کا یہ کام نہیں کہ قرآن مجید ان کے سامنے پڑھا جائے اور وہ اسے چھوڑ کر کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوں۔

آگے ارشاد ہے کہ۔ 2۔ یہ نیک لوگ اللہ عزوجل سے یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کہ ان کے اطوار و عادات دیکھ کر ہماری طبیعت کو چین آنکھوں کو راحت اور دل کو سرور نصیب ہو اور اے ہمارے پروردگار ہمیں توفیق دے کہ ہم پرہیزگاری میں اور گناہوں سے بچنے میں سب سے سبقت لے جائیں ان کی تمنا تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ سے ڈرنے اور تقوی اور پرہیزگاری میں وہ سب سے آگے رہیں۔

ارشاد فرمایا: (وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)[الاحقاف:۱۵] "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، اس کی ماں نے اسے ناگواری کی حالت میں اٹھائے رکھا اور اسے ناگواری کی حالت میں جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے،

یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جسے تو پسند کرتا ہے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح فرما دے، بیشک میں نے تیری طرف توبہ کی اور بیشک میں حکم ماننے والوں سے ہوں۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل اس سے منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین کاموں کے (کہ ان کا ثواب ملتا ہے)، ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[1]

﴿ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ ﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے میں اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔ وہاں پر ان کا دعا وسلام سے استقبال کیا جائے گا۔ (۷۵) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ ٹھہرنے کی بہترین جگہ اور رہنے کا عمدہ ترین مقام ہے۔ (۷۶)

عباد الرحمن کا اخروی مقام ومرتبہ

۱۔ [مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ: ۱۶۳۱]

یعنی رحمٰن کے یہ مقبول بندے جنت میں بلند درجے کو حاصل کریں گے، غرفہ بلند و بالا عمارت کو کہتے ہیں، دنیا کی کسی بلند ترین عمارت کو دیکھ کر بھی جنت کے پرشکوہ محلات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو یہ بلند درجات ان کے صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہونگے، اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں مشقت برداشت کرنے میں جو صبر کیا تھا، اور یا مشرکین کی پہنچائی ہوئی اذیتوں کو برداشت کرنے میں جو صبر کیا تھا، یا اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کے تقاضوں کو روکنے میں جو صبر کیا تھا، اس صبر کی جزاء میں ان کو جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے اور جنت میں فرشتے ان کو سلام کریں گے۔ یا وہ خود ایک دور سے کو سلام کریں گے یا ان کا رب ان کو سلام بھیجے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ سلام سے مراد یہ ہے کہ وہ آفات اور مصائب سے سلامت رہیں گے اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے۔

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنتی لوگ بالا خانے والوں کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ چمکتے ستارے کو، جو صبح کے وقت باقی رہ گیا ہو، آسمان کے کنارے پر مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان کے مابین درجات کا فرق ہوگا۔" لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! یہ تو انبیاء کے مقام ہونگے، جنھیں ان کے سوا اور کوئی نہ پا سکے گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیوں نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور اس

---

[1] [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة: ۳۲۵۶۔ مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب ترائی أهل الجنة أهل الغرف۔۔الخ: ۲۸۳۱]

کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے، خواہ اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں پیدا ہوا (اور جہاد نہ کر پائے)۔" لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دیں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے، سو جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو، کیونکہ فردوس جنت کے وسط میں ہے اور سب سے اونچا حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارے گا، اے جنتیو! اب تمہیں موت نہیں آئے گی اور اے دوزخیو! اب تمہیں بھی موت نہیں آئے گی۔ اس پر جنتیوں کی خوشی مزید بڑھ جائے گی اور دوزخیوں کے رنج میں اضافہ ہو جائے گا۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اہل جنت، جنت میں اور اہل نار آگ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک آواز دینے والا ان کے درمیان کھڑا ہو کر پکارے گا کہ اے آگ والو! اب تمہیں موت نہیں آئے گی اور اے جنت والو! اب تمہیں موت نہیں

---

[1]۔[بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ: ۲۷۹۰]

[2]۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار: ۶۵۴۸۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔الخ: ۲۸۵۰/۴۳]

آئے گی، بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔"[1]

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا : سیدنا سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا، آپ نے اس مجلس میں جنت کا حال بیان کیا، یہاں تک کہ آپ (اپنے بیان کی) انتہا کو پہنچے، پھر آخر میں فرمایا: "جنت میں وہ نعمت ہے جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔" پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)[السجدۃ:۱۶، ۱۷] "ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے پکارتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے، اس عمل کی جزا کے لیے جو وہ کیا کرتے تھے۔"[2]

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ ﴾

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی

۱۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفا بغیر حساب:٦٥٤٤]

۲۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب صفۃ الجنۃ:٢٨٢٥]

تمہاری کچھ پروانہیں کرتا بلکہ تم اس کی تکذیب کر چکے پس عنقریب اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہوگی۔

یعنی تمہاری قدر و قیمت اور تمہارا کوئی وزن و اعتبار صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ تم لوگ اپنے رب کو پکارو۔ اور اسی کی عبادت و بندگی کرو۔ کہ یہی اس کا تم لوگوں پر حق ہے اور اسی مقصد کیلئے اس نے تم کو پیدا فرمایا، اور وجود بخشا ہے اور اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی، اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے، یہ چیز تمہارے اندر اگر موجود نہ ہو تو پھر تمہارے اور ایک لکڑی پتھر وغیرہ جیسی کسی عام مخلوق کے درمیان آخر کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟ اور تمہارا رب اور تمہارا خالق چونکہ رحمان و رحیم اور بڑا ہی مہربان ہے، اس لیے وہ تم لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے، تاکہ خود تمہارا بھلا ہو۔ سو حق و ہدایت کی جس راہ کی طرف میں تم لوگوں کو بلا رہا ہوں اس میں سراسر تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے، فی الحال بھی اور فی المال بھی میری یا میرے رب کی اس میں کسی بھی طرح کی نہ کوئی غرض ہے نہ فائدہ سو اگر تم لوگوں نے میری اس دعوت حق کو جھٹلا دیا تو اس کا بھگتان تم لوگوں کو بہر حال بھگتنا پڑیگا۔

سیدنا ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا، پھر آپ تین دن وہاں رہے اور جب واپس آنے لگے تو آپ کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہوئے اور انھیں (کفار قریش کو) ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے: "اے فلاں کے بیٹے فلاں! اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا اب تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ بیشک ہم

سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اسے سچا پالیا، کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، تم نے بھی اسے سچا پایا؟۔"[1]

سورہ الشعراء

سورہ شعرا مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور مقام نزول

اس سورت کا نام الشعراء ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

(الشعراء: ۲۲۴) اور شعراء کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گم راہ ہوں۔

اس سورت میں مکہ کے ان کفار کا رد فرمایا ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شاعر کہتے تھے، الشعراء کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور اس کا اسی سورت میں ذکر ہے۔

اس سورت کا نام طسم بھی ہے، لیکن زیادہ مشہور الشعراء ہے۔ احادیث اور آثار میں ان دونوں ناموں کا ذکر ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: سورہ (طسم) الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

النحاس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ سورہ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے سوائے آخری پانچ آیتوں کے ان ہی میں سے والشعراء یتبعھم الغاون بھی ہے یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔[2]

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل: ۳۹۷۶]

۲۔(الدر المنثور ج ۶ ص 261 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۷ ہے، یہ سورت، سورہ نمل سے پہلے اور سورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ الفرقان سے سورہ الشعرآء کی مناسبت

سورہ الفرقان اور سورہ الشعراء دونوں سورتوں کی ابتداء قرآن مجید کی تعظیم سے ہوئی ہے، سورہ الفرقان کی ابتداء میں ہے:

(الفرقان:۱) وہ بہت برکت والا ہے جس نے الفرقان (قرآن مجید) کو اپنے عبد (مکرم) پر نازل کیا۔

تعبیر خواب

جس نے خواب میں اسکی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور سفر کو دوست رکھے گا اور فائدہ کم اٹھائے گا، (علامہ ابن سیرینؒ)۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱:۔ آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نصیحت کی باتوں سے اعراض کرنے والوں کا بیان ہے۔

رکوع ۲:۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ اور فرعون اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) میں گفتگو مذکور ہے۔

رکوع ۳: فرعون اور اس کے سرداروں میں گفتگو ۔ جادوگروں کا فرعون سے مطالبہ اور ساحرین کی استقامت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ہجرت کا حکم اور فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا حال مذکور ہے

۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور کافروں کے اعتراف گناہ کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حضرت نوح (علیہ السلام) کا واقعہ۔ قوم نوح کا جواب اور حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعا مذکور ہے۔

رکوع ۷: حضرت ہود (علیہ السلام) کی وعظ و نصیحت اور قوم ہود کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۸: حضرت صالح (علیہ السلام) کی نصیحت اور قوم ثمود کا معجزہ طلب کرنا۔

رکوع ۹: حضرت لوط (علیہ السلام) کی تکذیب اور قوم لوط کی ہلاکت کا بیان۔

رکوع ۱۰: حضرت شعیب (علیہ السلام) کی نصیحت اور قوم شعیب کی بدبختی کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: قرآن کی حقانیت، کفار کا مہلت طلب کرنا اور اقارب کو عذاب سے ڈرانے کا حکم بیان کیا گیا، پھر شیاطین کا جھوٹی خبریں لانا، گمراہ شاعری کا ابطال اور مذمت سے مستثنیٰ شاعروں کا بیان ہے۔

﴿ طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② ﴾

طا۔سین۔میم۔(۱) یہ کتاب روشن کی آیات ہیں۔(۲)

حروف مقطعات قرآن کریم کی انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، یہ کل ۱۴ حروف ہیں، ان کو حروف ہی کی صورت میں پڑھا گیا ہے الفاظ کی صورت میں نہیں۔ اس کے متعلق سورہ البقرہ کے شروع میں مفصل بحث گزر چکی ہے تفصیل وہاں سے معلوم کرلیں، اس جگہ مسلسل تین سورتیں (طسم) کے

حروف سے شروع ہو رہی ہیں اور تینوں کا مضمون ایک ہی جیسا ہے۔

مبین کا معنی ہے خود روشن یا دوسری چیزوں کو روشن کرنے والی، چاروں طرف اجالا کرنے والی۔ کونسی ایسی گرہ ہے جسے اس کتاب نے نہیں کھولا۔ کونسا ایسا عقیدہ ہے جس کا حل قرآن نے پیش نہیں کیا۔ حقیقت پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے سب کو اس نے تار تار کر کے حقیقت کو آشکارا کیا۔ اگر ایسی کتاب۔ کتاب مبین نہیں تو پھر کون سی کتاب ہے جو اس لقب سے نوازے جانے کے قابل ہو۔

﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣ ﴾

(اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس بات پر کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس بات کی شدید خواہش تھی کہ اہل مکہ ایمان لے آئیں، لیکن جب وہ ایمان نہ لائے اور کفار مکہ نے حضور پرنور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھٹلایا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی ایمان سے محرومی کی وجہ سے قلبی طور پر بہت دکھ ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دیتے ہوئے رحمت و کرم کے انداز میں خطاب فرمایا کہ "اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، قرآن مجید حق کو بیان کرنے میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور کفار مکہ میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان سے محروم ہیں وہ قرآن کریم کی آیات سن کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے آپ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر اتنا غم نہ کریں کہ آپ کی جان ہی چلی جائے۔

﴿اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِيۡنَ ۝۴﴾

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک ایسی نشانی نازل کر دیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں۔

کفار کی سرکشی اور اسلام دشمنی سے حضور کا قلب مبارک شدید اذیت محسوس کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا اے محبوب شاید آپ اس غم میں خود کو ہلاک کر لیں گے کہ کفار ایمان کیوں نہیں لاتے اے پیارے حبیب اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی اتار دیں جسے دیکھ کر سب کفار کی گردنیں خود جھک جائیں اور وہ اسلام لانے پر مجبور کر دیے جائیں مگر ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے یعنی ہماری حکمت یہ ہے کہ سب پر راہ حق واضح کر دی جائے پھر جو چاہے اپنی خوشی سے ایمان لائے اور جو چاہے نہ لائے۔ لہذا آپ کا کام راہ حق دکھانا ہے وہ آپ نے دکھا دی ہے آپ کا فرض ادا ہو گیا، اب اللہ جانتا ہے کس کے نصیب میں ایمان ہے کس کے نصیب میں نہیں لہذا آپ ان کی سرکشی سے پریشان نہ ہوا کریں۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ)[یونس:۹۹] "اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً جو لوگ زمین میں ہیں سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے۔ تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا، یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں؟

﴿ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦﴾ ﴾

اوران کے پاس رحمن (اللہ) کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔(۵) سو یہ تو جھٹلا چکے اب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہوئے جائے گی جس پر وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔(۶)

مخالفین کے اصل مرض کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ آئے دن ان کی طرف سے مختلف قسم کی نشانیوں کا مطالبہ یہ اصل مرض چھپانے کی ایک کوشش ہے۔ان کا حقیقی روگ یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہے تو اس کے مخاطب لوگوں نے ہمیشہ اسے جھٹلایا اور اس کی بات سننے سے انکار کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ مرض اتنا بڑھا کہ علاج کے ساتھ ساتھ انھیں معالج سے بھی نہ صرف نفرت بلکہ دشمنی ہوگئی۔ مریض کی اصل بدنصیبی اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ علاج سے بے نیاز اور معالج سے دشمنی پر اتر آئے۔ معالج اس کے مرض کی تشخیص کرے اور نہایت ہمدردی سے نسخہ تجویز کرے تو وہ اسے ہذیان اور بکواس سمجھے اور معالج کا تمسخر اڑائے۔ایسے مریض کا دنیا میں کہیں علاج نہیں ہوسکتا اور وہ اپنے مرض سے کبھی شفایاب نہیں ہوسکتا۔اسے اپنے مرض کی فکر کی بجائے معالج کو ناکام کرنے کی فکر رہتی ہے۔ یہی حال قریش اور دیگر اہل مکہ کا ہے۔لیکن انھیں اندازہ نہیں کہ ان کی

اس روش کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

جب انہوں نے دین حق کو معقولیت کے ساتھ سمجھانے کے باوجود اسے جھٹلا دیا ہے اور اس کا مذاق اڑایا ہے عنقریب جزا و سزا کے روز انہیں قرآن کریم اور نبی اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کی حقیقت مختلف طریقوں سے معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ نہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول کوئی نئے رسول ہیں اور نہ وہ امت کوئی نئی امت ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے رسولوں کے ساتھ ہوا وہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بھی ہوگا اور جو پہلی امتیں کرتی رہی ہیں وہی یہ لوگ بھی کر رہے ہیں اس لیے یقینی بات ہے کہ نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو گزشتہ دعوت کا نکل چکا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی نئی بات نہیں کہی جا رہی یہ تو ان کا پرانا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اس کی بات سننے ہی سے انکار کر دیا اب جو ان کو ہماری طرف سے مہلت دی جا چکی ہے وہ گزرتے ہی اس کا نتیجہ پالیں گے جو استہزاء کرنے والوں کے لیے ہمارے قانون میں طے ہے۔

﴿ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ۝۷ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۝۹ ﴾

کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر طرح طرح کی عمدہ

چیزیں اگائی ہیں۔(۷) بیشک اس میں بہت بڑی نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(۸) اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) نہایت ہی مہربان ہے۔(۹)

دنیا میں انسان کا عموماً طرز عمل بیان کر کے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ عرب لوگ اپنی عقل سے جیسا چاہیے کام نہیں لیتے ورنہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا میں ان کے گردو پیش کے حالات اور پھر قرآن مجید کی حقیقت نما آیتیں انکی آنکھیں نہ کھول سکیں ان کے کانوں پر اثر نہ کریں اور ان کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کریں اس آیت سے شروع کر کے دور تک اللہ عزوجل کی ان نشانیوں کا مسلسل بیان کیا جائے گا اور ہر نشانی کے بعد ان دو آیتوں کو برابر دہرا دیا جائے گا جن میں ان کی ہٹ دھرمی پر ملامت اور اللہ عزوجل کی قوت انتقام اور رحم دونوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے پہلی نشانی تو اس زمین کی صورت حالات سے ہویدا ہے

ارشاد ہے کہ ان میں اس قدر ڈھٹائی آخر کیوں آ گئی کہ یہ آنکھیں ہوتے ہوئے اندھے بنتے ہیں کیا انھیں سجھائی نہیں دیتا کہ اس زمین کے اندر سے خوبصورت خوشنما لذیذ اور کارآمد پھل پھول میرے ترکاریاں غلہ اور دیگر مختلف قسموں کے نباتات پیدا ہوتے ہیں بظاہر اس زمین میں سوا مٹی اور پتھر کے کچھ نہیں لیکن وقت آنے پر ایسی رنگ برنگ کی چیزیں اس میں سے نکل پڑتی ہیں جو جمادات نباتات اور حیوانات تینوں قسم کی کائنات میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتی ہیں یہ اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے پھر بھی اکثر لوگ دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے یاد رکھو اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے اور اس میں بڑی قوت ہے اور وہی سب سے بڑا مہربان ہے۔

﴿ وَاِذۡ نَادٰی رَبُّكَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوۡمَ
فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّكَذِّبُوۡنِ ﴿۱۲﴾
وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾
وَلَهُمۡ عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۱۴﴾ ﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو فرمایا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔(۱۰) یعنی) قوم فرعون کے پاس کیا وہ لوگ ڈرتے نہیں؟ ۔(۱۱) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب، میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔(۱۲) اور میرا دل رکتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لہٰذا آپ ہارون (علیہ السلام) کو بھی پیغمبر بنا دیجیے۔(۱۳) اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔(۱۴)

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) کو آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ جو فرعون کی قوم ہے انھیں سمجھاؤ کہ وہ اپنے رب سے ڈر جائیں۔ اس موقعہ پر موسیٰ نے یہ عذر پیش کیا الٰہی مجھ سے ان کا بندہ قتل ہو گیا اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے واقعہ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے فرعون کی قوم کا ایک شخص غیر ارادی طور پر

قتل ہوا۔ گرفتاری کے ڈر سے حضرت موسیٰ مصر سے بھاگ نکلے دس (۱۰) سال حضرت شعیب (علیہ السلام) کے پاس مدین میں رہے حضرت شعیب (علیہ السلام) نے انھیں اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ مدین میں دس (۱۰) سال رہنے کے بعد جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر آرہے تھے تو راستہ میں ایک جگہ انھوں نے روشنی دیکھی اپنی اہلیہ کو یہ بات کہہ کر اس روشنی کی طرف بڑھے کہ آپ یہاں ٹھہریں میں وہاں سے راستہ پوچھتا ہوں یا آپ کے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں۔ موسیٰ اس روشنی کے قریب ہوئے تو آواز آئی کہ اپنا جوتا اتار دیں۔ آپ پاک سرزمین پر قدم رکھ چکے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔ اس کی تفسیر سورہ القصص، آیت: ۲۹ تا ۳۵ میں بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ) یہاں موسیٰ (علیہ السلام) کو نبوت سے سرفراز کرنے کے ساتھ دو عظیم معجزے دیے گئے اور حکم ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ انھیں ان کے انجام سے ڈراؤ وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس موقع پر تین عذر پیش کیے تھے۔

۱۔ میری زبان پوری طرح رواں نہیں ہے اور میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول فرمائی ان کا سینہ کھول دیا گیا اور ان کی قوت گویائی ٹھیک کردی۔ (طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)

۲۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ بھی فریاد کی کہ میرے بھائی ہارون کے ساتھ مجھے مضبوط کیجیے وہ میرے کام میں شریک رہے اور اسے میرا وزیر بنا دیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی یہ دعا بھی قبول کی گئی۔ (طٰہٰ: ۲۹ تا ۳۶)

۳۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے تیسرا عذر یہ پیش کیا کہ میرے رب میرے ذمہ ان کا ایک جرم ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں۔ جرم سے مراد وہی جرم ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی ہجرت کرنے کا سبب بنا

تھا جس کا ابھی ذکر ہوا ہے جس وجہ سے وہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہمارے دیے ہوئے معجزات کے ساتھ دونوں جاؤ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری فرعون کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن رہے ہونگے۔ سورہ طٰہٰ آیت ۴۵۔۴۶ میں یہ بھی ذکر ہے کہ موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہ السلام) نے عرض کی ہمارے رب! ہم خوف محسوس کرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کو تسلی دی کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں میں سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں گا۔ ان تسلیوں اور معجزات کے ساتھ حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) فرعون کی طرف بھیجے گئے۔ اس میں "إِذْ" کا لفظ بول کر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ بات باور کروائی ہے کہ اے پیغمبر! موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعہ پر غور فرمائیں کہ وہ کتنے کٹھن حالات میں فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے۔ فرعون پرلے درجے کا سرکش اور اپنے آپ کو "أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ" کہلوانے والا تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے خوف سے بنی اسرائیل پر مسلسل ظلم کر رہا تھا۔ اس کی قوم، اس کے مظالم میں برابر کی شریک ہو چکی تھی۔ غور فرمائیں کہ آپ کے مقابلے میں فرعون جیسی قوت رکھنے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ بیشک آپ کی قوم آپ اور آپ کے ساتھیوں پر زیادتی کرنے والی ہے۔ لیکن ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ پر سب کچھ نچھاور کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں بہتر حالات میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے لہٰذا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کو اپنی معیت کا یقین دلایا تھا۔ آپ بھی یقین رکھیں کہ آپ کے رب کی مدد ہر وقت آپ کے

ساتھ رہے گی۔

﴿ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا
فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا
مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ
مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ ﴾

فرمایا ہرگز نہیں پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ خوب سننے والے ہیں۔(۱۵) پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔(۱۶) اور اس لیے آئے ہیں) کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔(۱۷) فرعون نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کیا ہم نے

بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی، اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس نہیں گزارے؟۔(۱۸) اور تم نے وہ کام کیا جو تو نے کیا (یعنی قبطی کا قتل) تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو۔(۱۹) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ وہ کام میں نے اس وقت دانستگی میں کر دیا تھا۔(۲۰) پھر جب مجھے تم لوگوں سے اندیشہ ہوا تو میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے حکم (نبوت) عطا کیا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔(۲۱) اور کیا یہ بھی کوئی احسان ہے جس کو تو مجھ پر جتلا رہا ہے جب کہ تو نے (پوری) قوم بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔(۲۲)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی حضرت ہارون (علیہ السلام) فرعون کے پاس پہنچے اور اسے یہ کہہ کر اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔فرعون اپنے آپ کو "رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ" کہتا تھا۔اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے توحید کا یہ پہلو پیش فرمایا کہ رب العالمین ایک ہے اس کے سوا کوئی اور رب نہیں۔اس کے ساتھ ہی اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔کیونکہ آزاد قوم ہی اپنے نفع ونقصان کا ٹھیک طور پر فیصلہ کر سکتی ہے۔فرعون نے موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت اور مطالبہ پر بات کرنے کی بجائے کم ظرفی اور عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر دو اعتراضات کیے تاکہ موسیٰ (علیہ السلام) کو خوفزدہ کیا جا سکے۔

فرعون نے بڑے طمطراق سے کہا" کیا ہم نے بچپن میں تجھے نہیں پالا اور تو ہمارے پاس کئی سال تک نہیں ٹھہرا رہا؟ پھر تو نے وہ کام کیا جو تو جانتا ہے۔اے موسیٰ تو ناشکرا اور ناقدر شناس انسان ہے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کسی قسم کی تاویل کرنے کی بجائے پیغمبرانہ انداز کے ساتھ کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ واقعی ہی مجھ سے وہ کام ہوا جس کی طرف تو اشارہ کر رہا ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ شخص معمولی مکہ سے مرجائے گا، اس کے مرنے کے سبب اور تمہارے خوف کی وجہ سے میں یہاں سے بھاگ نکلا اس دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس وضاحت کے ساتھ ہی انھوں نے فرعون کے سامنے یہ سوال رکھا۔ کیا مجھ پر احسان کرنے کا یہ بدلہ ہونا چاہیے کہ میری پوری قوم کو غلام بنا کر رکھا جائے؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب کی صورت میں ایسا سوال اٹھایا جس کا فرعون کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہاں تک کہ اس نے موسیٰ (علیہ السلام) سے سرزد ہونے والے قتل کا معاملہ اٹھانے کی بھی جرات نہ کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے خلاف فرعون کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ: "اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ" "میں اس وقت ضلالت والوں سے تھا۔" لفظ "ضلالت" ہر جگہ گمراہی کے معنی میں نہیں ہوتا، بلکہ عربی زبان میں اسے ناواقفیت، نادانی، خطا اور بھول وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قبطی کے قتل کے واقعہ کو دیکھیں تو یہاں اس کا معنی نادانی، خطا یا بھول ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ نہ ان کا ارادہ اسے قتل کرنے کا تھا اور نہ ان کے وہم وگمان میں یہ بات تھی کہ ایک گھونسے سے اس کا کام تمام ہوجائے گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے پہلے اس کے اس طعن کا جواب دیا جس سے وہ انھیں مجرم ثابت کرنا چاہتا تھا، کیونکہ جرم ثابت ہونے سے وہ قصاص کے مستحق ٹھہرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے دھمکی کا جواب کسی خوف کے بغیر نہایت دلیری سے دیا کہ ہاں، وہ کام میں نے کیا ہے، مگر میں نے اس وقت یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا، نہ میرا یہ ارادہ تھا کہ اسے قتل کروں،

مجھے کیا خبر تھی کہ ایک گھونسے میں اس کا دم نکل جائے گا، کبھی ایک گھونسے سے بھی موت واقع ہوا کرتی ہے ؟ مجھ سے یہ کام دانستہ نہیں خطا اور بھول سے ہوا ہے اور کیا کسی قانون میں خطا سے ہونے والے کام کو جرم قرار دیا جاتا ہے۔

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ
حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾
قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾
قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾
قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ
يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ ﴾

فرعون نے کہا کہ یہ رب العالمین کون ہے۔(۲۳) موسیٰ نے کہا کہ آسمانوں کا اور

زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے (سب کا) پروردگار اگر تم لوگ یقین کرو۔
(۲۴) فرعون نے اردگرد والوں سے کہا کیا تم نے نہیں سنا (یہ کیا کہہ رہا ہے)؟
۔(۲۵) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے
آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے۔(۲۶) فرعون نے کہا (لوگو!) یہ تمہارا رسول جو
تمہاری طرف بھیجا گیا ہے بالکل ہی دیوانہ ہے۔(۲۷) موسیٰ (علیہ السلام) نے
کہا، مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب، اگر تم عقل رکھتے
ہو۔(۲۸) فرعون نے کہا اگر تم نے میرے علاوہ کوئی اور معبود بنایا تو میں ضرور
تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔(۲۹) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ "خواہ میں
تیرے پاس کوئی واضح دلیل پیش کردوں "۔(۳۰) فرعون نے کہا اگر سچے ہو تو
اسے لاؤ دکھاؤ۔(۳۱) پس (موسیٰ (علیہ السلام) نے) اپنا عصا (زمین پر) ڈال
دیا پس اچانک وہ ایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا ۔(۳۲) اور جب انہوں نے اپنا
ہاتھ نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔(۳۳)

فرعون حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر احسان جتلانے اور ان کی قوم کو غلام بنانے کے معاملے میں لاجواب ہوا۔تو اس نے موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ سوال کیا کہ تم کس رب العالمین کی بات کرتے ہو۔

جس کا معنیٰ تھا کہ میرے سوا کون رب ہوسکتا ہے؟

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی جواب دینے کی بجائے سادہ اور جامع جواب دیا کہ میں اس رب کا رسول ہوں۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ اگر تم اس پر یقین کرنے کے لیے تیار ہو۔ یاد رہے کہ رب کا معنی خالق، رازق، مالک اور بادشاہ ہے۔ فرعون نے اپنا سکہ جمانے اور اپنے وزیروں، مشیروں پر اثر ڈالنے کے لیے کہا جو کچھ موسیٰ (علیہ السلام) کہہ رہا ہے اسے سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے محسوس کیا کہ فرعون اپنے وزیروں اور مشیروں سے اپنی ہاں میں ہاں ملوانا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے وزیروں، مشیروں کو بولنے کا موقعہ دیے بغیر فرمایا کہ ہاں میں اس رب کی بات کرتا ہوں جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا۔ ہوسکتا ہے فرعون یہ مغالطہ دینے میں کامیاب ہوجاتا کہ میں بھی اپنے ملک میں رہنے والوں کی ضروریات پوری کررہا ہوں اس لیے مجھے رب کہلوانے کا حق پہنچتا ہے۔ لیکن موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ دلیل دے کر ثابت کیا میری مراد وہ رب ہے کہ جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیے فرعون سے اس سوال کا جواب بھی نہ بن سکا۔ جس سے اس کی خفت میں مزید اضافہ ہوا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دوسری دلیل یہ دی کہ میں اس رب کی طرف سے رسول بنایا گیا ہوں۔ جو تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔ اس دلیل کا صاف مطلب تھا کہ "اے فرعون! میں تجھے رب ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" جس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ تو مصر کے لوگوں کا رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے کہ تجھے اور تیرے آباء واجداد کو کس نے پیدا کیا؟ ظاہر ہے کہ نہ تو نے اپنے

آپ کو پیدا کیا اور نہ ہی پہلے لوگوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ فرعون اس دلیل کی وجہ سے جھنجھلاہٹ میں آ کر اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا وہ تو پاگل ہے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ مباحثہ میں بہت بدتمیزی اور بدزبانی کی، پہلے ان کا مذاق اڑایا اور اہل دربار سے کہا ان کی باتیں سن رہے ہ، پھر کہا یہ شخص ضرور مجنون ہے، پھر کہا میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کرلوں گا، لیکن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کی کسی بدزبانی کا بدکلامی سے جواب نہیں دیا، بلکہ تحمل، وقار، سنجیدگی اور شائستگی کے ساتھ اپنے موقف پر دلائل پیش فرماتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ مباحثہ میں فریق مخالف کی بدزبانی سے طیش میں نہیں آنا چاہیے بلکہ تحمل اور وقار کے ساتھ بحث جاری رکھنی چاہیے اور یہی انبیاء (علیہم السلام) کا طریقہ ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مباحثہ میں جب فریق مخالف ایک طریقہ سے بات نہ سمجھ سکے تو اسلوب بدل کر دلائل پیش کرنا چاہیں، جیسے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس مباحثہ میں مختلف انداز اور اطوار سے دلائل پیش فرماتے رہے۔

فرعن نے یہ دھمکی دی کہ میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کرلوں گا اور یہ نہیں کہا کہ میں تم کو ضرور قید کرلوں گا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو معلوم تھا کہ وہ قیدیوں سے کس طرح کا سلوک کرتا ہے کیونکہ وہ جس کو قید کرتا تھا اس کو نہایت گہرے اور اندھے کنویں میں ڈال دیتا تھا جس کو وہاں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ سنائی دیتا تھا، اور یہ قتل کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید سزا تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰ نے کہا: خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤ!۔ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکا یک کھلم کھلا اژدھا بن گیا۔ اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ

اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کرتا تھا اور اسی پر مباحثہ ہو رہا تھا پھر انہوں نے اس بحث کے اخیر میں اپنی نبوت اور رسلات پر معجزات کیوں پیش کرنے شروع کر دیئے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) طرقیہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ثابت کر رہے تھے کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے صادق اور برحق رسول ہیں تو پھر ان کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ واجب، قدیم اور واحد ہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر جو دلائل پیش کئے تھے وہ علمی اور عقلی تھے جن کے متعلق یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ فرعون کے درباریوں اور عوام کی سمجھ میں نہ آئیں اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اب اسلوب بدل کر حسی دلائل پیش کئے جن کا سب لوگ مشاہدہ کر رہے تھے، کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک لاٹھی کو زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھی کھلم کھلا اژدھا بن گئی، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اژدھا ایک میل لمبا تھا وہ فرعون کی طرف لپکا اور اس کے جبڑوں میں فرعون کا سر آیا چاہتا تھا اور وہ کہنے لگا، اے موسیٰ! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں پھر فرعون نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر کہا: اے موسیٰ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اس اژدھے کو پکڑ لو حضرت موسیٰ نے اس اژدھے پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر اسی طرح لاٹھی بن گیا۔ [1]

پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دوسرا معجزہ دکھایا اور اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۲۱۵)

شعاؤں کی طرح روشن تھا اور لوگوں کی نگاہیں اس سے خیرہ ہو رہی تھیں اور جب دوبارہ بغل میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر پہلے کی طرح ہو گیا اور لوگوں نے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ان معجزات کا مشاہدہ کیا اور اس کے مقابلہ میں فرعون کا عاجز ہونا دیکھا تو ان کے سامنے یہ بات آ گئی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) برحق رسول ہیں اور ان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تمام جہانوں کا رب صرف اللہ ہے جو واجب قدیم اور واحد ہے، ماننا نہ ماننا الگ بات ہے۔

ثعبان، حیۃ اور جآن کے معانی

ایک اور بحث اس باب میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا جو عصا اژدھا بن گیا تھا اس کو اس آیت: (الشعراء: ۳۲) میں ثعبان مبین فرمایا ہے اور ایک جگہ فاذا ھی حیۃ تسعی (طہ: ۲۰) فرمایا ہے کہ اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا اور تیسری جگہ فرمایا: تھتر کا نھا جان (القصص: ۳۱) گویا کہ وہ لہراتا ہوا سوانپ ہے۔ جآن اس سانپ کو کہتے ہیں جو صغر کی طرف مائل ہو، اور ثعبان اس سانپ کو کہتے ہیں جو کبر کی طرف مائل ہو، اور الحیۃ سانپ کا اسم جنس ہے، وہ سانپ جب بہت بڑی شکل اختیار کرتا تو اس کو ثعبان (اژدھے) سے تعبیر فرمایا اور جب اس سے چھوٹی شکل اختیار کرتا تو اس کو جان سے تعبیر فرمایا۔ ثعبان کے لغوی معنی ہیں اژدھا حیۃ کے معنی ہیں سانپ، اور سانپ کے لہراتے ہوئے پھن کو جآن کہتے ہیں۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، تو وہ سچ مچ کا ایک سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ مسند ابی یعلیٰ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک لمبی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ سانپ کچھ دیر کے بعد فرعون کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے ڈر کے مارے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اسے پکڑ

لو، موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے پکڑ لیا تو وہ لاٹھی بن گیا۔ [1]

اس کے بعد انھوں نے اپنے گریبان سے اپنا ہاتھ نکالا، تو وہ بغیر برص کی بیماری کے خوبصورت چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔

﴿ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا
اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ
سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ﴿۳۸﴾
وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ
اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ
اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ
مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ

۱۔ [مسند أبي يعلىٰ: ۲/ ۵۱۹، ح: ۲۶۱۰]

إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

فرعون نے اپنے اردگرد (بیٹھے ہوئے) سرداروں سے کہا یہ تو یقیناً بڑا ماہر جادوگر ہے۔(۳۴) یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو (کے زور) سے تمہاری سرزمین سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟۔(۳۵) انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو (کچھ) مہلت دیجئے اور شہروں میں نقیب بھیج دیجئے۔(۳۶) کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تمہارے پاس لے آئیں۔(۳۷) چنانچہ سب جادوگر ایک متعین دن اور متعین وقت پر جمع کئے گئے۔(۳۸) اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہو گے۔(۳۹) تا کہ ہم جادوگروں کا ساتھ دیں اگر وہ غالب رہنے والے ثابت ہوں۔(۴۰) جب جادوگر آئے تو وہ فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں انعام بھی ملے گا؟۔(۴۱) فرعون نے کہا، ہاں اور بیشک اس وقت تم میرے مقربین لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔(۴۲) موسیٰ (علیہ

السلام) نے جادوگروں کو کہا کہ ڈال دو جو کچھ تم ڈالتے ہو ۔(۴۳) تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں اور کہا: فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔(۴۴) پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا ڈالا تو اچانک اس نے ان کے بنائے ہوئے (سانپوں کو) نگلنا شروع کر دیا۔(۴۵) پس (یہ دیکھ کر) جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔(۴۶) اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔(۴۷) جو موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کا رب ہے (۴۸)۔

فرعون دونوں نشانیاں دیکھ کر تاڑ گیا کہ یہ کوئی مافوق العادت چیز ہے، لیکن اس نے اپنے اردگرد فرعونیوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے کہا کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہاری سرزمین پر قابض ہو جائے اور تمہیں اس سے بے دخل کر دے۔ اس نے یہ بات موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پھیلانے کے لیے کہی، تاکہ لوگ ان کی بات نہ مانیں۔

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا

فرعون نے کہا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

فرعونیوں نے اس سے کہا کہ آپ ان دونوں بھائیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجیے اور

حکم دے دیجیے کہ ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے حکم کے مطابق فرعونیوں کی عید کے دن صبح کے وقت سارے جادوگر جمع ہو گئے۔ تمام لوگوں کو وقت پر جمع ہونے کی خوب ترغیب دلائی گئی تھی، تاکہ موسیٰ (علیہ السلام) اور جادوگروں کا مقابلہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور موسیٰ کی شکست کا نظارہ کر کے اس پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن ان کی اس جدوجہد سے موسیٰ (علیہ السلام) کی خواہش پوری ہوئی کہ جب اللہ کا معجزہ ظاہر ہو تو سب لوگ اسے دیکھیں، تاکہ حق اور باطل ان کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لیے بلوایا تھا۔ لعل امید ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ (علیہ السلام) ہارون (علیہ السلام) اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی، اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔

جب ملک کے نامور جادوگروں کی ایک بڑی تعداد فرعون کے پاس پہنچی گئی تو انہوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آ گئے تو کیا اس پر ہمیں اجر وانعام بھی ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اجر وانعام کے علاوہ تم سب کو ہمارے قرب شاہی کا اعزاز بھی ملے گا۔ پھر جادوگر خوشی خوشی مقابلے کی جگہ کی طرف چل دیئے۔ اور وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ پہلے تم اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔ حضرت

موسیٰ (علیہ السلام) کا جواب سنتے ہی انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کہ فرعون کی عزت اور وسیلے سے ہم غالب رہیں گے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ہیبت نازل زدہ کر دیا اور دیکھنے والوں کو محسوس ہوا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں اور سارا میدان سانپوں سے بھرا ہوا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔

پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو فوراً ایک بہت بڑا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگا اور ان کا ایک سانپ بھی نہ بچ سکا۔ سو حق ظاہر ہو گیا اور باطل مٹ گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ جادوگر اسے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ ہمارا جادو تو جادو ہے لیکن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے سچے نبی ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور پھر سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کا رب ہے اور جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

﴿ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا

ضَيْرَ ۚ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

فرعون بولا کہ کیا تم موسیٰ (علیہ اسلام) پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالوں گا مخالف سمت سے اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ (۴۹) انہوں نے جواب دیا کوئی حرج نہیں! بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۵۰) بیشک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا، کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ (۵۱)

فرعون نے کہا۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے تو فرعون نے ان سے کہا: کیا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا، اسی لیے وہ تم پر غالب آ گئے اور تم نے آپس میں مل کر میرے خلاف سازش کی اور میرے ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کی، اب تم جان جاؤ گے کہ تمہارے اس عمل کی وجہ سے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ مجھے قسم ہے! عنقریب میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا اور تم سب کو پھانسی دے دوں گا۔ اس گفتگو سے فرعون کا ایک مقصد یہ تھا

کہ لوگ شبہ میں پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ جادوگروں پر حق ظاہر ہو گیا اسی لیے وہ ایمان لے آئے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ عام مخلوق ڈر جائے اور لوگ جادوگروں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لے آئیں۔

فرعون کی دھمکی سن کر ان جادوگروں نے کہا "اللہ تعالیٰ کی خاطر جان دینے میں کچھ نقصان نہیں خواہ دنیا میں کچھ بھی پیش آئے کیونکہ ہم اپنے رب عزوجل کی طرف ایمان کے ساتھ پلٹنے والے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید ہے اور ہمیں اس بات کا لالچ ہے کہ ہمارا رب عزوجل اس بنا پر ہماری خطائیں بخش دے کہ ہم فرعون کی رعایہ میں سے یا اس مجمع کے حاضرین میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کئی سال تک وہاں ٹھہرے رہے اور ان لوگوں کو حق کی دعوت دیتے رہے، لیکن ان کی سرکشی بڑھتی گئی۔

﴿ وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۵۲﴾
فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٌ
قَلِیۡلُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ﴿۵۶﴾
فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۵۷﴾ وَّکُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ کہ (فرعون کی طرف سے) تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔(۵۲) پس فرعون نے شہروں میں ہرکارے (نقیب) بھیج دیئے۔(۵۳) فرعون نے کہا) یقیناً یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔(۵۴) اور یقیناً انھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے ۔(۵۵) اور یقیناً ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں۔(۵۶) تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا۔(۵۷) اور خزانوں سے اور عمدہ ٹھکانوں سے نکال دیا۔

(۵۸)

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب

اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے نبیوں کی تصدیق اور تعظیم کرتے ہیں، ان کو نجات عطا فرماتا ہے اور جو کافر اس کے رسولوں کی تکذیب اور توہین کرتے ہیں ان کو ہلاک کر دیتا ہے تو اس سنت الٰہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے متبعین کو نجات عطا فرمائی اور اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا بیان فرمایا ہے اور الشعراء: ۵۲ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دیا کہ وہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے نکال کر لے جائیں، اور بنی اسرائیل چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے والے تھے اس لیے ان کو فرمایا "میرے بندوں" اور یہ بتایا کہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو بحر قلزم (عرب اور افریقہ کا درمیانی سمندر) کی طرف نکال کر لے جائیں، وہاں آپ کے اوپر جو میرے احکام پہنچیں آپ ان پر عمل کریں، یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب آپ متعدد سال مصر میں فرعونیوں کے درمیان ٹھہر چکے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی مسلسل دعوت دیتے رہے تھے اور ان کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تکبر اور سرکشی سے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے، بنی اسرائیل نے اپنی کسی تقریب میں شرکت کے لیے قبطیوں سے زیورات عاریۃ لیے ہوئے تھے، نیز فرعونیوں نے اپنے کام کاج اور خدمت کے لیے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بتایا کہ جب ان کو پتا چلے گا کہ تم مصر سے جا رہے ہو تو وہ تمہارا تعاقب کریں گے۔

حضرت کعب الاحبارؒ سے مروی ہے کہ آل یعقوب زمانہ یوسف (علیہ السلام) میں مصر آئی تو وہ 72 افراد تھے اور جب وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد 6 لاکھ سے متجاوز تھی۔ [1]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے علماء بنی اسرائیل نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کا تابوت ساتھ لے کر جائیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ کسی کو علم نہ تھا سوائے ایک بوڑھی عورت کے ایسے حضرت موسیٰ نے قبر یوسف کا پتہ پوچھا اس نے کہا آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جنت میں آپ مجھے اپنے ساتھ اپنے درجہ میں رکھیں گے اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس بڑھیا کو یہ

۱۔ (ابن ابی حاتم جلد ہشتم، تورات کتاب پیدائش)

وعدہ دے دیا جائے تب اس نے جگہ بتائی وہ دریائے نیل کے کنارے پر تھی اس پر پانی چڑھ آیا تھا پانی کو ہٹا کر ان کا تابوت نکالا گیا اور بنی اسرائیل اسے لے کر چلے تو راستہ نصف النہار کی طرح واضح ہو گیا [1]۔

﴿ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۵۹ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝۶۰ فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝۶۱ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝۶۲ ﴾

اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان (سب چیزوں) کا وارث بنا دیا۔(۵۹) پھر (فرعونیوں نے) سورج نکلتے ہی بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔(۶۰) پھر جب دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ (علیہ السلام) کے اصحاب نے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے۔(۶۱) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا! ہرگز نہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔(۶۲)

بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ کا وارث بنا دیا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

۱۔ (در منثور جلد ششم، اسنادہ صحیح)

پہلی دو آیتوں کا معنی یہ ہے کہ دن چڑھنے کے بعد فرعون اور اس کی قوم نے بنو اسرائیل کا تعاقب کیا لیکن ہم نے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کو ان کے شہروں کا وارث کر دیا۔ [1]

واضح رہے کہ فرعون کے شہروں سے مراد سرزمین مصر کے شہر ہیں سو علامہ قرطبی کی تفسیر کا معنی یہ ہوا کہ بنو اسرائیل کو مصر کے شہروں کا وارث بنا دیا لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، کیونکہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا، اور ان کے انکار کرنے کے بعد ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، اس کے بعد وہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے، جہاں پر بیت المقدس ہے، اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قبر بھی ارض مقدسہ میں ہی ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھ کو موت کے وقت ارض مقدسہ کے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو راستے کی ایک جانب سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا۔ [2]

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اور حافظ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن التین نے کہا ارض مقدسہ شام ہے، اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کا سوال کیا تھا کیونکہ بیت المقدس ارض مقدسہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ارض مقدسہ کے قریب دفن ہونے کی اس لیے دعا کی تھی کہ ان کا مطلب ان انبیاء (علیہم السلام) کا قرب تھا

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۳۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹)

جو بیت المقدس میں مدفون تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں چھوڑ دیا، حتیٰ کہ ان کو موت نے فنا کر دیا۔ پس ارض مقدسہ میں حضرت یشع کے ساتھ صرف ان کی اولاد داخل ہو سکی تھی اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا تھا جنہوں نے پہلے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا اور ارض مقدسہ کے فتح ہونے سے پہلے حضرت ہارون (علیہ السلام) فوت ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فوت ہو گئے اور چونکہ جبارین کا ارض مقدسہ پر غلبہ تھا اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا، اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ ارض مقدسہ کے قرب میں مدفون ہو جائیں۔ [1]

امام عبدالرزاق، امام عبن بن حمید، امام ابن المنذر، امام ابن عساکر اور امام ابن ابی حاتم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو جس سرزمین کا وارث کیا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

(الاعراف: ۱۳۷) اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔

اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں وہ شام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے! مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں، آپ نے دعا کی اے اللہ ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے، مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں، آپ

۱۔ (فتح الباری ج ۳ ص 568 دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ عمدۃ القاری ج ۸ ص 149 ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۴۳۹ھ)

نے فرمایا وہاں لزلزے آئیں گے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیاطن کا سینگ طولع ہوگا۔ [1]

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ، امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سندوں کے ساتھ حسن بصری اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ الاعراف: ۱۳۷ میں جس سرزمین کا ذکر ہے اس سے مراد شام ہے۔ [2]

امام ابوقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوسلام الاسود نے کہا شام میں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

مکحول نے ایک شخص سے کہا تم شام میں کیوں نہیں رہتے وہاں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

میں لکھتے ہیں۔ ابن التین نے کہا ارض مقدسہ شام ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بیت المقدس کے قریب دف ہونے کا سوال کیا تھا کیونکہ بیت المقدس ارض مقدسہ میں ہے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ارض مقدسہ کے قریب دفن ہونے کی اس لیے دعا دعا کی تھی کہ ان کا مطلوب ان انبیاء (علیہ السلام) کا قرب تھا جو بیت المقدس میں مدفون تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں چھوڑ دیا حتیٰ کہ ان کی موت نے فنا کر دیا۔ پس ارض مقدسہ میں یوشع کے ساتھ صرف ان کی اولاد داخل ہوسکی تھی اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدسہ میں داخل نہی ہوسکا تھا جنہوں نے پہلے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا اور ارض مقدسہ کے فتح ہونے سے پہلے حضرت ہارون (علیہ السلام) فوت ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فوت ہوگئے اور چونکہ جبارین کا ارض مقدسہ پر غلبہ تھا اس لیے

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۶۴۲)

۲۔ (تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱ ص 321 جامع البیان جز ۹ ص ۵۸ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص 1551)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ ارض مقدسہ کے قرب میں مدفون ہو جائیں۔ [1]

سورج نکلتے ہی فرعون اور اس کے لوگ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑے جب بنی اسرائیل نے فرعونی لشکر کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے اب ہمارا کیا بنے گا؟ تو حضرت موسیٰ نے پورے اطمینان سے جواب دیا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے لے کر نکلا ہوں، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں، میرا رب ہمیں فرعونیوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس قسم کا ایک واقعہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا۔ ہجرت کے وقت جب نبی کریم اپنے رفیق سفر صدیق اکبر کے ساتھ غار ثور میں تشریف فرما تھے اور کفار مکہ آپ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تشویش لاحق ہوئی کہ اگر کفار نے ذرا جھک کر دیکھا تو وہ ہمیں پالیں گے، اس وقت نبی کریم نے پورے اطمینان سے صدیق اکبر کو فرمایا: فکر مند نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، لہٰذا یہ کفار ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔

﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾

---

[1] (فتح الباری ج ۳ ص ۸۲۵ ھ، دار الفکر، بیروت ۱۴۲۰ ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۴۹، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۹ ھ)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

اس وقت ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو، تو دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک عظیم پہاڑ کی مانند بن گیا۔ (۶۳) اور ہم نے اس جگہ دوسروں (فرعون کے لشکر) کو بھی پہنچا دیا۔ (۶۴) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو بچا لیا۔ (۶۵) پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ (۶۶) بیشک اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ (۶۷) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑی قوت والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (۶۸)

سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اس سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور بلاشبہ یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا عظیم معجزہ ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ سمندر میں اتر جائیں تو حضرت یوشع بن نونؑ کے سوا سب نے انکار کر دیا' انہوں

نے اپنی سواری پر ضرب لگائی اور سمندر میں اتر گئے اور دوسرے پار پہنچ کر واپس آ گئے' بنو اسرائیل نے سمندر میں اترنے سے انکار کر دیا پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا تب آپ سے کہا گیا کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریے تب سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ایک راستے سے گزرنے لگ ان بارہ راستوں کو ممتاز کرنے کے لیے ان کے درمیان دیوارایں تھیں اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی مانند الگ تھا تو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا ہمیں اپنے قبیلہ والوں کا حال معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان دیواروں کے درمیان کھڑکیاں اور روشن دان بنا دیئے وہ سمندر پار کرتے ہوئے ان کھڑکیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے اور عطا ابن السائب سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اور آل فرعون کے درمیان حضرت جبرائیل کھڑے ہوئے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری پچھلی والی جماعت اگلی جماعت سے مل جائے اور قبطیوں سے کہتے کہ تم آ کر ان سے مل جاؤ۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سمندر پر اپنا عصا مارا اور اس کے نتیجے میں جو اثرات ظاہر ہوئے اس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حسب ذیل وجوہ سے معجزات ہیں

(۱) لاٹھی مارنے سے سمندر کے پانی کا پھٹ جانا فی نفسہ معجزہ ہے

(۲) اس پانی کا متعدد اطراف سے خشک ہو کر پہاڑ کی طرح بلند ہو جانا اور بارہ دیواریں بن جانا بھی معجزہ ہے

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جب فرعون حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کا تعاقب کر رہا

تھا اور وہ ان کے قریب پہنچنے والا تھا تو اس زور کی آندھی آئی کہ مکمل اندھیرا چھا گیا اور راستہ کا پتا نہ چلنے کی وجہ سے اس کو رکنا پڑا اور اس وقفہ میں بنو اسرائیل بحر قلزم کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور یہ بھی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معجزہ ہے۔

(۴) پانی کی خشک شدہ بارہ دیواروں میں اس طرح کھڑکیاں اور روشن دان بن جانا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں یہ بھی معجزہ ہے

(۵) پانی میں بنے ہوئے ان خشک راستوں کا اس وقت تک باقی رہنا کہ بنو اسرائیل سمندر کو عبور کر لیں اور جب فرعون اور اس کا لشکر ان راستوں پر پہنچا تو خشک راستوں کا مٹ کر پھر پانی بن جانا اور عین سمندر کے وسط میں فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہو جانا یہ الگ معجزہ ہے

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے اور دوسروں کو ہم قریب لے آئے یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنو اسرائیل کے قریب لے آئے' فرعون کا موسیٰ (علیہ السلام) کو ہلاک کرنے کے لیے ان کا تعاقب کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو ہم نے قریب کیا' سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کی نسبت ہو گئی اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے قریب پہنچنا اس کی ہلاکت اور سزا کا سبب تھا سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت نہیں بلکہ کفر کی سزا دینے کی نسبت ہے۔

فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے یعنی فرعون کی قوم میں سے کیونکہ فرعون کی قوم میں سے صرف چند افراد ایمان لائے تھے ایک آل

فرعون سے مومن تھا جس کا نام حزقیل تھا دوسری اس کی بیٹی آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور تیسری مریم نام کی ایک بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ [1]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قبر کی نشاندہی

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک اعرابی آیا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی مہمان نوازی کی اور اس سے فرمایا کہ اپنی کوئی حاجت بیان کرو اس نے کہا مجھے سواری کے لیے اونٹنی چاہیے اور دودھ پینے کے لیے بکریاں چاہیں۔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ تو بنو اسرائیل کی بڑھیا سے بھی کم ہمت نکلا آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے ساتھ بنو اسرائیل کو لے جانے کا ارادہ کیا تو ان کو راستہ نہیں ملا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بنو اسرائیل سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے کہا جب یوسف (علیہ السلام) کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے اس وقت نہ نکلیں جب تک یوسف (علیہ السلام) کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا تو تم میں سے حضرت یوسف کی قبر کا پتا کس کو معلوم ہے بنی اسرائیل کے علماء نے کہا ان کی قبر کا پتا صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو معلوم ہے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو بلایا اور فرمایا تم حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قبر کی رہنمائی کرو اس نے کہا میں اس وقت تک ان کی قبر کا پتا آپ کو نہیں بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری

۱۔ (زادالمسیر ج ۶ ص ۸۲۱' مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۱۰۱)

فرمائش نہ پوری کریں' حضرت موسیٰ ؑ نے پوچھا تمہاری کیا فرمائش ہے؟ اس نے کہا میری فرمائش یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں رہوں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کی فرمائش کو ناپسند کیا حتیٰ کہ وحی سے بتایا گیا کہ اس کی فرمائش پوری کر دیں' آپ نے اس کی فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا وہ ان کو سمندر کی ایک کھاڑی کی طرف لے گئی اور کہا اس جگہ سے پانی ہٹاؤ' وہاں سے پانی ہٹایا تو اس نے کہا کہ اس جگہ کھدائی کرو جب وہاں سے کھدائی کی تو حضرت یوسف کی نعش مل گئی اور جب انہوں نے حضرت یوسف ؑ کی نعش کو نکال لیا تو پھر گمشدہ راستہ ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ [1]

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾

۱۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۰۴، طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث ۳۲۵۳، طبع جدید' صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۱۰۵)

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾
وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ
خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

اور (اے پیغمبر، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ سنایئے۔ (۶۹) جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو۔ (۷۰) وہ بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم انہی کے پاس جمے رہتے ہیں۔ (۷۱) اور ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا وہ تمہاری آواز سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو۔ (۷۲) یا تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ (۷۳) انھوں نے جواب دیا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ (۷۴) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم نے ان چیزوں پر غور کیا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۷۵) تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی۔ (۷۶) بلاشبہ وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے (میرا دوست ہے)۔ (۷۷) جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے

۔(۷۸)اور وہی جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔(۷۹)اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔(۸۰)اور وہی جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔(۸۱)اور وہی جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔(۸۲)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور قوم کو مشترکہ خطاب کرتے ہوئے استفسار فرمایا کہ آخر تم ان چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے سامنے اعتکاف اور ان کی تعظیم کرتے رہیں گے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے پے در پے ان سے تین سوال کیے۔ جب تم ان کے سامنے فریاد کرتے ہو کیا یہ تمہاری فریادیں سنتے ہیں؟ کیا تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں؟ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے بت پتھر کے ہوں یا کسی اور چیز کے۔ وہ سن نہیں سکتے اور نہ ہی آج تک کسی بت نے اپنی پوجا پاٹ کرنے والے کو کبھی جواب دیا ہے۔ وہ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ جا نہیں سکتے اور نہ ان میں جان اور حرکت پائی جاتی ہے وہ دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کا کسی کو نقصان پہنچانے کا معاملہ ہے جن کو تراش اور توڑ، جوڑ کر بنایا جائے جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے وہ کسی کو کیا نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ان کے سامنے تھی جس بناء پر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس لیے انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طرح ہی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہم بھی اس طرح ہی ان کی عبادت اور اعتکاف کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یاد رہے کوئی قوم بنیادی طور پر یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ بت سنتے ہیں اور نفع و نقصان

پہنچا سکتے ہیں۔ بتوں کی عبادت کے پیچھے یہ عقیدہ ہوتا ہے یہ کہ ہمارے بزرگوں کی شبیہات ہیں اور بزرگوں کی ارواح ان میں حلول کر چکی ہیں۔ لہٰذا ہم بتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر لوگ بتوں کی عبادت سے انکار کرتے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ اور ان کی قوم اس حد تک شرک میں آگے بڑھ چکی تھی کہ انھوں نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے سامنے اعتکاف اور ان کی تعظیم کرتے رہیں گے۔ کوئی اقرار کرے یا انکار کرے۔ قرآن مجید نے اس طریقہ عبادت کو غیر اللہ کی عبادت قرار دیا ہے۔ بیشک وہ بتوں، مزارات یا کسی اور چیز کو سامنے رکھ کر کی جائے۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اسی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور تمام انبیاء (علیہ السلام) لوگوں کو روکتے رہے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے انھیں ایک دفعہ پھر توجہ دلائی۔ سوچو اور غور کرو۔ جب یہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان کے مالک ہیں تو پھر تم ان کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ یقین جانو رب العالمین کے سوا یہ سب میرے دشمن ہیں۔ دشمن سے مراد یہ نہیں کہ بت کسی کی دشمنی کر سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں غیر اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سب سے بیزار اور ان سے نفرت کرتا ہوں۔ اسی بات کو امت مسلمہ کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

"تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء کے کردار میں نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور تمہارے معبودوں کے کبھی قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور

تمہارے درمیان کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی (الممتحنۃ: ۴)

یہی بات سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بارہ سال کی عمر میں ایک پادری کو کہی تھی۔

نبی علیہ السلام کو قبل از نبوت شرک سے شدید نفرت تھی

آپ کی عمر مبارک بارہ سال دو مہینے دس دن ہوگئی۔ جناب ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ملک شام کے سفر پر نکلے اور بصریٰ پہنچے بصریٰ شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا، جو بُحیرا کے لقب سے معروف تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے پاس آیا اور اس کی میزبانی کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ گرجے سے نہیں نکلتا تھا۔ اس نے آپ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں۔ اللہ نے اسے رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا ہے۔ ابوطالب نے کہا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا "تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو۔ یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں اسے مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم اسے اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرا نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ۔ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے اس پر ابوطالب نے بعض غلاموں کے ساتھ آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔ (الرحیق المختوم) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بحیرا نے آپ سے کہا کہ میں تجھ سے لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا جونہی اس نے لات اور عزیٰ کے واسطے کی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر سوال نہ کرنا۔

"جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھانے سے فارغ ہوئے تو بحیرہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے

بچے میں تجھ سے لات وعزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا۔تو مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا۔بحیرا نے لات وعزیٰ کا واسطہ اس لیے دیا تھا کہ اس نے قافلے کے لوگوں کو لات وعزیٰ کی قسمیں اٹھاتے ہوئے سنا تھا اور اس سے اس نے تصور کیا کہ شاید آپ بھی ان کی قسمیں اٹھاتے ہونگے۔آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے فرمایا مجھ سے لات وعزیٰ کے نام نہ سوال کرنا۔اللہ کی قسم میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں۔" (سیرۃ ابن ہشام)

قبیلہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہؓ کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجا اور وہ مسلمان ہوگئے، پھر وہ واپس اپنی قوم کے پاس گئے،تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ واپس جا کر سب سے پہلا جملہ جو انھوں نے اپنی زبان سے ادا کیا، وہ یہ تھا کہ لات اور عزیٰ (کس قدر) برے ہیں۔لوگوں نے جب ضمامؓ کی زبان سے یہ سنا تو کہنے لگے، اے ضمام! (بزرگوں کی گستاخی سے) رک جا اور برص اور کوڑھ کی بیماریوں سے بچ اور بچ (کہ کہیں بزرگوں کی گستاخی سے) تو پاگل نہ ہوجائے! یہ سن کر ضمامؓ نے اپنی قوم سے کہا، ہلاکت ہو تمہارے لیے! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ دونوں (مل کر بھی) نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ کچھ سنوار سکتے ہیں، (سنو!) اللہ عزوجل نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب اتاری ہے، جن جہالتوں اور گمراہیوں میں تم پڑے ہو، اس کتاب کے ساتھ وہ تمہیں ان سے بچاتا ہے۔[1]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ نے ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام دیا، ام سلیمؓ نے کہا کہ میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میری شادی کسی مشرک سے ہو، اے ابوطلحہ! کیا تو نہیں جانتا ہے کہ یقیناً تمہارا

---

[1] [مسند أحمد: ۱/۲٦٤، ۲٦٥، ح: ۲۳۸٤۔ مستدرک حاکم: ۳/٥٤، ٥٥، ح: ٤۳۸۰]

معبود، جس کی تم عبادت کرتے ہو، اسے فلاں آدمی یا (فرمایا) فلاں قبیلے کا بڑھئی غلام تراشتا ہے اور اگر تم اس میں آگ بھڑکاؤ تو وہ یقیناً خاکستر ہو جائے؟ انسؓ کہتے ہیں، یہ سن کر ابوطلحہ چلے گئے اور یقیناً ام سلیم ؓ کی بات ان کے دل میں بیٹھ گئی، وہ جب کبھی ام سلیمؓ کے پاس آ کر پیغام نکاح دیتے تو وہ انھیں یہی بات کہتیں، ایک دن وہ آئے اور کہا کہ جو دعوت تو نے مجھے دی تھی میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ سیدنا انسؓ کہتے ہیں (پھر انھوں نے شادی کر لی اور) ام سلیمؓ کا مہر ابوطلحہؓ کا قبول اسلام ہی تھا، اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ [1]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے رب العالمین کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہنمائی فرمائی وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میں جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے مارے گا اور وہی مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس سے امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس موقع پر رب العالمین کی نو صفات کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ذات باری تعالیٰ کے احترام کے پیش نظر بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ موحّد کے لیے مودب ہونا از بس ضروری ہے۔

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ

---

[1] [الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۸/ ۳۱۳، وإسنادہ صحیح]

النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ
يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى
اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾

اے میرے رب مجھے علم وحکمت عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے ۔(۸۳) اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر خیر جاری فرما۔(۸۴) اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں شامل فرما دے۔(۸۵) اور میرے باپ کو بخش دے کہ بیشک وہ گمراہوں میں تھا۔(۸۶) اور جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے مجھے اس دن رسوا نہ کیجیے گا۔(۸۷) جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے (کچھ کام آئیں گے)۔(۸۸) مگر وہ جو اللہ کے پاس قلب سلیم (پاک دل) لے کر آئے گا۔(۸۹)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا

قوم کے سامنے معبود حقیقی کے اوصاف بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔اے میرے پروردگار تو مجھے علم وحکمت عطا فرما اور مجھے اپنے خاص نیک بندوں میں شامل فرما۔اور فرمایا کہ میرا ذکر خیر آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے کہ وہ مجھے اچھائی سے یاد کریں اور

میرے طریقے پر چلیں اور مجھے بھی ان کی نیکیوں سے حصہ ملے۔ اے اللہ مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کو علم وحکمت اور نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا اور صالحین یعنی انبیاء میں سے بنایا۔

وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ: یعنی دنیا میں بھی صالح دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت عطا فرما اور آخرت میں بھی انھی کے ساتھ ملا دے۔ یوسف (علیہ السلام) نے بھی یہ دعا کی: (تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ) [یوسف:۱۰۱] "مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔" اور ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی آخری وقت دعا کی تھی: (اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْأَعْلٰی) "(اے اللہ!) مجھے سب سے بلند رفیقوں میں شامل فرما دے۔" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دعا تین دفعہ کی۔ [1]

اس کے بعد آپ نے دعا کی اے اللہ تو میرے باپ کی مغفرت فرما دے یقیناً وہ راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ یعنی اے اللہ اس کو ایمان و ہدایت کی توفیق نصیب فرما تا کہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو امید تھی کہ شاید وہ ایمان لے آئے لیکن جب اللہ کی طرف سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

پھر اپنی دعا جاری رکھتے ہوئے عرض کی۔ اے میرے پروردگار، جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس روز تو مجھے ذلیل ورسوا نہ کرنا۔

قیامت کے دن ابراہیم (علیہ السلام) اپنے باپ کو اس حال میں ملیں گے کہ اس کے چہرے پر سیاہی اور

۱۔ [صحیح بخاری، فضائل أصحاب النبي (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب:۳۶۶۹، ۴۴۳۷]

غبار ہوگا۔ ابراہیم (علیہ السلام) اس سے کہیں گے: "میں نے تجھے کہا نہ تھا کہ میری نافرمانی مت کر۔" ان کا باپ کہے گا: "تو آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔" ابراہیم (علیہ السلام) کہیں گے: "اے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے اس دن رسوا نہیں کرے گا جب لوگ اٹھائے جائیں گے، تو میرے بدنصیب باپ سے بڑھ کر ذلت کیا ہوگی۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "یقیناً میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔" پھر کہا جائے گا: "ابراہیم! تیرے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟" وہ دیکھیں گے تو اچانک گندگی میں لت پت ایک بجّو ہوگا، پھر اس بجّو کو اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔" گویا اللہ تعالیٰ مشرک پر جنت حرام کرنے کا قانون بھی قائم رکھیں گے اور ابراہیم (علیہ السلام) کو رسوا ہونے سے بھی بچالیں گے کہ رسوائی تو تب ہو کہ لوگ دیکھیں کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ آگ میں جل رہا ہے۔ ایک بجّو آگ میں جل رہا ہو تو کسی کو کیا خبر کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ ہے۔[1]

وہ دن بڑا ہولناک ہوگا۔ اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد کسی کام آئے گی۔ اس دن ذلت و رسوائی سے صرف وہ شخص بچے گا جو اللہ کے سامنے کفر و شرک سے پاک وصاف ہو کر آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہدؒ، حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہوسکتا ہے کافر کا دل بیمار ہوتا ہے۔

﴿ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾

---

[1] [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: (واتخذ الله إبراهيم خليلا): ٣٣٥٠]

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ
يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ
وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ
شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

(اس دن) جنت پرہیزگاروں کے قریب کردی جائے گی۔(۹۰) اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی۔(۹۱) اور ان (گمراہوں) سے کہا جائے گا کہ وہ (معبود) کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے۔(۹۲) اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں۔(۹۳) پھر وہ اور ان کے

جھوٹے معبود اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔(۹۴) اور ابلیس کے تمام لشکر بھی (جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے)۔(۹۵) گمراہ کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑ رہے ہونگے۔(۹۶) اللہ کی قسم یقیناً ہم تو کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔(۹۷) جب کہ ہم تمہیں خداوند عالم کے برابر کرتے تھے۔(۹۸) اور ہم کو تو ان گنہگاروں نے گمراہ کیا تھا۔(۹۹) سو اب نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے۔(۱۰۰) اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔(۱۰۱) کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم ضرور ایمان والوں میں شامل ہو جائیں۔(۱۰۲) یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔(۱۰۳) اور بیشک تمہارا پروردگار تو سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔(۱۰۴)

قیامت کے دن جنت سعادت مندوں کے مقام سے قریب کر دی جائے گی، وہ جنت کی طرف دیکھیں گے اور اس میں موجود طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے اور اس لیے خوش ہوں گے کہ انہیں اس میں جمع کیا جائے گا، جبکہ حق راستے سے گمراہ ہو جانے والے بدبختوں پر جہنم ظاہر کر دی جائے گی، وہ اس میں موجود طرح طرح کے ہولناک احوال کو دیکھیں گے اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ اب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کسی صورت اس سے چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسا اس لیے فرمائے گا کہ ایمان والوں کو جلد خوشی نصیب ہو اور کافروں کو عظیم غم ملے۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ : سیدنا عدی بن حاتم (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھا کہ اتنے میں دو آدمی آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک مفلسی کی شکایت کرتا تھا اور دوسرا رہزنی کا شاکی تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "رہزنی کا حال تو یہ ہے کہ تم پر زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ ایک قافلہ مکہ کی طرف روانہ ہوگا اور اس کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوگا۔ رہی مفلسی تو قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک (منظر یہ نہ ہو کہ) تم میں سے کوئی شخص اپنی خیرات لیے ہوئے گھومے گا تو اسے ایسا کوئی آدمی نہیں ملے گا جو اسے قبول کرلے۔ پھر (قیامت کے دن) تم میں سے کوئی شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا، اس حالت میں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان۔ تب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تجھے مال نہیں دیا تھا؟ وہ عرض کرے گا، کیوں نہیں، (بیشک تو نے مال دیا تھا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں نے (دنیا میں) تیری طرف رسول نہیں بھیجا تھا؟ وہ عرض کرے گا، کیوں نہیں، (بیشک تو نے رسول بھیجا تھا)۔ پھر وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہوگی اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہوگی، تو تم میں سے ہر شخص کو آگ سے بچنا چاہیے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی، اگر یہ بھی نہ ملے تو اچھی بات کہہ کر ہی سہی۔"[1]

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ: ثقہ تابعی مجاہد بن جبرؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے آقا عبداللہ بن سائبؓ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میرے پاس ایک پتھر تھا، جسے ہم نے اپنے ہاتھ سے تراشا تھا اور جس کی میں اللہ کے علاوہ عبادت کرتا تھا، میں خالص وعمدہ دودھ لے کر آتا،

---

[1] [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ قبل الرد: ۱۴۱۳]

جو میرے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا اور اس بت پر بہا دیتا، پھر کتا آتا اور (مزے لے کر) اسے چاٹ لیتا اور پھر وہیں ٹانگ اٹھا کر پیشاب کر دیتا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے روز جہنم (میدان حشر میں) لائی جائے گی، تو اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہونگے۔" [2]

جہنمی جب جہنم میں داخل کیے جائیں گے تو ان کی ذلت و رسوائی میں اضافہ کرنے اور ایک حقیقت کا اعتراف کروانے اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑنے کے لیے انہیں آمنے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ مرید اپنے پیروں سے، ورکر اپنے لیڈروں سے، مقتدی اپنے اماموں سے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تمہاری وجہ سے گمراہ ہوئے کیونکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنے کی کئی صورتیں ہیں بڑوں کے سامنے جھکنا، سجدہ کرنا دینوی مفاد کی خاطر ان کے غیر شرعی حکم ماننا اور عقیدت میں ان کی ایسی تعظیم کرنا جس سے شریعت نے منع کر رکھا ہے۔ جہنمی کھلے الفاظ میں ان باتوں کا اقرار کرینگے اس کے ساتھ ہی وہ اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ اے رب! ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ جہنمیوں کا سب سے بڑا اقرار شرک کے بارے میں ہوگا جو دنیا میں اپنے بڑوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے بڑے بھی انھیں کہا کرتے تھے کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالیں گے۔ جہنمی صاف طور پر اعتراف کریں گے کہ ہم اپنے معبودوں کو رب العالمین کے برابر سمجھا کرتے تھے۔ جس بنا پر وہ کسی کو داتا کہتے اور سمجھتے تھے، کسی کو دستگیر کہتے، کسی کو حاجت روا مشکل کشا

۱۔ [مسند أحمد: ۳/ ۴۲۵، ح: ۱۵۵۱۰۔ مستدرک حاکم: ۱/ ۴۵۸، ح: ۱۶۸۳]

۲۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب جہنم أعاذنا اللہ منہ: ۲۸۴۲]

جان کر اس کے حضور نذرانے پیش کرتے یہاں تک کہ فوت شدگان کے ساتھ بھی وہ اس قسم کا عقیدہ اور عقیدت رکھتے تھے۔

مشرکین جہنم میں غایت حزن وملال کے ساتھ کہیں گے، اے کاش! ہم دوبارہ دنیا میں لوٹائے جاتے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے، لیکن ان کی یہ تمنا ایسی ہوگی جو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

یعنی ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا جو واقعہ ابھی بیان کیا گیا ہے، اس میں صاحب بصیرت انسان کے لیے بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ انھوں نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، کس قدر صبر وتحمل اور بردباری سے کام لیا اور مسئلہ توحید کی کیسی عمدہ وضاحت کی، یہ اور ان کے علاوہ بہت سی مفید نصیحتیں اس واقعے سے حاصل ہوتی ہیں، لیکن دعوت ابراہیمی کی ان تمام خوبیوں کے باوجود ان کی قوم کے بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔ اگلی آیت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے بندے اگر اس کی طرف رجوع کریں اور اس کی عبادت میں مخلص ہوں، تو وہ نہایت مہربان ہے، انھیں بیشمار نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا۔

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ
نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

جب ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ (۱۰۵) نوح (علیہ السلام) کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۰۶) یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ (۱۰۷) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو۔ (۱۰۸) میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (۱۰۹) تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۱۰)

حضرت نوح (علیہ السلام) کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ان لوگوں کا گمراہی پر جمے رہنا اور آخر میں غرق ہو کر ہلاک ہونا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم سے جو گفتگو ہوئی گزشتہ رکوع میں اس کا ذکر تھا اب یہاں سے دیگر انبیاء کرام (علیہ السلام) کے واقعات اور قوموں کے ساتھ ان کے مکالمات اور مخاطبات اور قوموں کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کے قصے بیان کیے جا رہے ہیں اولاً حضرت نوح (علیہ السلام) کا واقعہ اور اس کے بعد حضرت ھود حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب (علیہ السلام) کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی شرک سے روکا اور انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور ان لوگوں سے کہا کہ تم کفر و شرک کیوں نہیں چھوڑتے اللہ کو ایک ماننے کے لیے تو عقل ہی کافی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور امانت دار ہوں جو کچھ کہتا ہوں اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو میری فرماں برداری کرو کیونکہ میری فرماں برداری کرنا خالق اور مالک ہی کی فرماں

برداری کرنا ہے اور تم یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں اور تمہیں راہ حق پر لانے کی محنت کر رہا ہوں اس میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے تم سے اپنی اس محنت پر کوئی اجرت یا عوض یا صلہ طلب نہیں کرتا میں تو اپنا اجر وثواب رب العالمین جل مجدہ سے لے لوں گا تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ جب یہ شخص ہم سے کسی چیز کا طالب نہیں تو اتنی محنت کیوں کرتا ہے تم غور کرو اور سمجھو اور اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو۔ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے ہدایت قبول نہ کی اینڈے بینڈے جواب دیتے رہے حضرت نوح (علیہ السلام) ساڑھے نو سو سال ان لوگوں کے درمیان رہے لیکن تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جو کٹ حجتی کی اور ایمان نہ لانے کا بہانہ بنایا اس میں ایک یہ بات بھی تھی کہ تمہارے ساتھ رذیل لوگ لگے ہوئے ہیں اگر ہم تم پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑے گا (اس میں گویا اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ لوگ ہٹ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ سے دین سیکھنے لگیں) یہ ایسا ہی ہے جیسے عرب کے لوگوں نے حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا تھا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں (یعنی بلال صہیب عمار خباب وغیرھم ؓ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں، قال القرطبی وکانھم طلبوا منہ طرد الضعفاء کما طلبتہ قریش۔ حضرت نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ مجھے دین وایمان سے مطلب ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کوئی شخص عمدہ پیشہ اختیار کر لے یا ایسا کوئی کام اختیار کر لے جسے دنیا والے گھٹیا سمجھتے ہیں مثلاً سڑکوں پر جھاڑو دینا یا جوتے گانٹھنا وغیرہ اصل چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں دو چیزوں کے ذریعہ بلند مرتبہ ملتا ہے اور پھر سب کو اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے محاسبہ فرمائے گا۔(یہ بات فرما کر ان لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ دیکھو تمہارا بھی حساب ہوگا) کاش تم سمجھدار ہوتے تو ایسی بے تکی باتیں نہ کرتے حق کو قبول نہ کرنے کے لیے ایسے بہانے کرنا کہ تمہارے پاس جو لوگ بیٹھے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے گھٹیا ہیں ناسمجھی کی بات ہے یہ جو تمہاری خواہش ہے کہ میں انہیں ہٹادوں تو میں ایسا نہیں کرسکتا جن لوگوں نے حق کو قبول کرلیا توحید کو مان لیا مومن بندے بن گئے بھلا میں ان کو کیسے ہٹا سکتا ہوں اور میں کوئی تم پر زبردستی تو کر نہیں سکتا میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے سمجھانے میں اور صاف صاف کہنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں یوں ہی ظاہر میں تمہارا دین قبول کرلیا ہے دل سے مومن نہیں ہیں جواب میں حضرت نوح (علیہ السلام) نے فرمایا (وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ) کہ مجھے کسی کے باطن سے بحث نہیں میں تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف ہوں۔کسی نے ایمان قبول کرلیا میرا ساتھی ہوگیا بس وہ میرے نزدیک مومن ہے رہا باطن کا معاملہ سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ ان کا حساب لے گا کاش تم قانون شرعی کو جانتے ہوتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم کے آدمی کہنے لگے کہ اپنی یہ باتیں بند کرو اگر تم باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں ہم پتھر مار مار کر تمہیں جان سے ماردیں گے۔سورہ ھود اور سورہ نوح میں ان لوگوں کی اور باتیں بھی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا (جس کا ذکر سورہ ھود میں ہے) ساڑھے نو سو سال تک کسی قوم کو دعوت دینا یہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے ان لوگوں نے بھی عذاب مانگا اور حضرت نوح (علیہ السلام) بھی بہت زیادہ دل برداشتہ ہوگئے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ پاک میرے اور

میرے قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے یعنی ان کو ہلاک کردیجیے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والے ہیں نجات دے دیجیے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کو کشتی بنانے کا حکم فرمایا چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی اپنے اہل وعیال مومنین اور دیگر اہل ایمان کو ساتھ لے کر (بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا) پڑھ کر اس میں سوار ہوگئے۔ آسمان سے پانی برسا زمین سے بھی پانی ابلا زبردست سیلاب آیا اس میں پوری قوم غرق ہوگئی اور حضرت نوح (علیہ السلام) اپنے ساتھیوں سمیت جو کشتی میں سوار تھے نجات پا گئے تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں واقعہ گزر چکا ہے اور سورہ نوح کا بھی مطالعہ کرلیا جائے۔ فائدہ: حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا مکالمہ شروع فرماتے ہوئے (كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ) فرمایا ہے اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی طرف ایک ہی نبی مبعوث ہوئے تھے پھر تمام مرسلین کرام (علیہ السلام) کا جھٹلانا کیسے لازم آیا اس کے جواب میں حضرات مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ تمام انبیائے کرام (علیہ السلام) کی دعوت ایک ہی تھی اس لیے جب کسی ایک نبی کو جھٹلایا تو اس سے سب کی تکذیب لازم آ گئی خصوصاً جبکہ ہر نبی نے تمام نبیوں کی تصدیق کا حکم بھی فرمایا۔ اور یہ بھی بتایا ہو کہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لاؤ۔

﴿ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝١١١ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١١٢ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝١١٣ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١١٤ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١١٥ ﴾

وہ بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف رذیل ترین لوگ کر

رہے ہیں۔(۱۱۱) نوح (علیہ السلام) نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کام کرتے ہیں ۔(۱۱۲) ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔کاش تم سمجھ رکھتے۔(۱۱۳) اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔(۱۱۴) میں تو صرف کھول کھول ڈر سنانے والا ہوں۔(۱۱۵)

قوم نوح نے جواب دیا کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے، نہ تمہاری پیروی کریں گے اور نہ تم پر ایمان لانے والے ان گھٹیا لوگوں کو اپنے لیے نمونہ قرار دیں گے جنھوں نے تمہاری اتباع وتصدیق کی ہے، کیونکہ وہ تو ہمارے ذلیل لوگ ہیں۔ان کے نزدیک عزت وشرف کا معیار مال وجاہ تھا، نہ کہ بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق۔ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ مال ودولت والے دنیاداروں نے اللہ کے دین اور بلند اخلاق وکردار کی پروانہ کی اور غریبوں اور کمزوروں کو گھٹیا اور رذیل سمجھا۔حالانکہ انھی کمزوروں نے آگے بڑھ کر اللہ کے دین کو گلے سے لگایا اور اونچے کردار اور اچھے اخلاق کو مال ودولت پر ترجیح دی۔تاریخ شاید ہے کہ انبیاء کی پیروی کرنے والے زیادہ تر غریب اور کمزور لوگ ہوتے تھے، جبکہ دولت مند لوگ اپنے کبر وغرور کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ جس دین کی اتباع حقیر وفقیر لوگ کر رہے ہیں، وہ سچا اور برحق دین کیسے ہوسکتا ہے؟ نوح (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے اعمال جاننے کا پابند نہیں بنایا گیا ہے کہ کون کیا کرتا ہے؟ کون مال دار ہے اور کون فقیر؟ کس کے دل میں کیا ہے، اس کا علم اللہ کو ہے اور وہی اپنے بندوں کا حساب لے گا۔ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے اللہ کے دین کی طرف بلاؤں۔اے میری قوم کے لوگو! اگر تمہیں ان باتوں کا شعور ہوتا تو تم لوگوں کی

صنعت وحرفت اوران کی مال داری اورغریبی کوحق وباطل کے درمیان امتیاز کا معیار نہ سمجھتے۔ میں تمہاری یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے بھگادوں، میں تو تمہیں اللہ کے عذاب سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾
قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا
وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ ﴾

وہ بولے اے نوح (علیہ السلام)! اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے ۔(۱۱۶) نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔(۱۱۷) پس تو میرے اوران کے درمیان قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے دے۔(۱۱۸) چنانچہ ہم

نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (بٹھا کر) نجات دے دی ۔(۱۱۹) پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔(۱۲۰) بیشک اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(۱۲۱) اور بیشک آپ کا رب بڑا غالب نہایت رحم کرنے والا ہے۔(۱۲۲)

تذکرہ حضرت نوح (علیہ السلام)

لمبی مدت تک جناب نوح (علیہ السلام) ان میں رہے دن رات چھپے کھلے انہیں اللہ کی راہ کی دعوت دیتے رہے لیکن جوں جوں آپ (علیہ السلام) اپنی نیکی میں بڑھتے گئے وہ اپنی بدی میں سوار ہوتے گئے بالآخر زور باندھتے باندھتے صاف کہہ دیا کہ اگر اب ہمیں اپنے دین کی دعوت دی تو ہم تجھ پر پتھراؤ کر کے تیری جان لے لیں گے۔آپ کے ہاتھ بھی جناب باری میں اٹھ گئے قوم کی تکذیب کی شکایت آسمان کی طرف بلند ہوئی۔اور آپ نے فتح کی دعا کی فرمایا کہ اے اللہ! میں مغلوب اور عاجز ہوں میری مدد کر میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی بچا لے۔پس جناب باری عزوجل نے آپ کی دعا قبول کی۔انسانوں جانوروں اور سامان اسباب سے کچھا کچھ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو جانے کا حکم دے دیا۔یقیناً یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے لیکن اکثر لوگ بے یقین ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ رب بڑے غلبے والا لیکن وہ مہربان بھی بہت ہے۔

قوم عاد کی عمارت پرستی

ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہوجائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو، ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی، لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لیے انھوں نے برج بنا رکھے تھے، حضرت ہود (علیہ السلام) نے انکے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لیے محلات اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ "الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد"۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا، چونکہ یہ عمل فضل اور بے نتیجہ تھا اس لیے حضرت ہود (علیہ السلام) نے اس کو پسند نہیں کیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لیے حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو کچی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ [1]

ا۔ رواہ الطبرانی بسند جید من حدیث جابر۔

سیدنا حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کی ہے کہ "النفقۃ کلھا فی سبیل اللہ الا البناء فلا خیر فیہ"۔ یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "ان کل بناء وبال علی صاحبہ الا مالا یعنی الا مالا بد منہ" (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لیے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع ؓ کی روایت ہے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔

سیدنا حضرت انس بن مالک ؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد (نما مکان) کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لیے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ سے ناراض ہیں اس لیے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے پوچھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے

بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتادی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا، فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لیے وبال ہوگی، سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میری جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

سیدنا حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آجائے)۔ [1]

ا۔ رواہ احمد والترمذی، ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پانی قریب ہی ہیں حضور اقدس سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ [1]

﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝١٢٣ۖۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٢٤ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝١٢٥ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٢٦ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٢٧ؕ ﴾

قوم عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (۱۲۴) جب ان سے ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں۔ (۱۲۴) یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ (۱۲۵) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۲۶) میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (۱۲۷)

۱۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔

قوم عاد کا مختصر تعارف

حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم، اور حضرت نوح (علیہم السلام) کے بعد یہ چوتھا قصہ حضرت ہود (علیہ السلام) کا ہے۔ عاد قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام ہے، مقاتل نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود دونوں کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ تھا، بعض مورخین نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود دونوں بھائی تھے اور ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے، عاد اور اس کے فرزندوں کا مسکن یمن میں تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان میں تھا۔ ان سب کی زبان اور لغت عربی تھی، یہ سب ختم ہو گئے اب ان کی نسل باقی نہیں ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت ہود (علیہ السلام) کے قبیلہ کا نام عاد بن عوص بن سام بن نوح تھا، یہ عرب تھے اور احقاف میں رہتے تھے، یہ پہاڑوں کے درمیان ریگستان ہے یہ یمن میں عمان اور حضرت موت کے درمیان ہے یہ لوگ مضبوط ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے صحیح ابن حبان میں انبیاء اور مرسلین کے ذکر میں ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

اے ابوذر! چار نبی عرب ہیں' ھود' صالح' شعیب اور تمہارا نبی۔ [1] ایک قول یہ ہے کہ حضرت ھود (علیہ السلام) پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں کلام کیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم ہیں اور یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے' مقصود یہ ہے کہ اس عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے یہ وہ پہلی قوم ہے جس نے

۱۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۶۳)

طوفان نوح کے بعد بت پرستی کی' ان کے تین بت تھے' صد صمود اور ھر۔ [1]

﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ ﴾

کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک فضول یادگار کے طور پر عمارت بناتے ہو۔(۱۲۸) اور تم بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا کہ ہمیشہ یہیں رہو گے۔(۱۲۹) اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو ظالم و جابر بن کر ڈالتے ہو۔(۱۳۰) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۳۱)

قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو ایک یادگار تعمیر کرتے تھے اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے اس کو عبث فرمایا۔

(۲) سعید بن جبیر اور مجاہدؒ نے کہا وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے

(۳) ضحاکؒ نے وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے

---

[1] ۔(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۸۱-۸۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸)

اوران کا مذاک اڑاتے۔ [1]

ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتمؒ سے نقل فرمایا ہے کہ ابوالدرداءؓ نے "غوطہ" میں مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں اور شجر کاری دیکھی تو ان کی مسجد میں جا کر آواز دی: "اے دمشق والو!" وہ ان کے پاس جمع ہو گئے، تو انھوں نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: "کیا تم حیا نہیں کرتے؟ کیا تم حیا نہیں کرتے؟ تم وہ کچھ جمع کر رہے ہو جو کھاتے نہیں اور وہ عمارتیں بنا رہے ہو جن میں رہتے نہیں اور اس کی امید کرتے ہو جو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے کئی صدیاں گزریں، وہ لوگ جمع کرتے تھے، پھر اس کی حفاظت کرتے تھے، عمارتیں بناتے تھے اور بہت مضبوط بناتے تھے، امیدیں باندھتے تھے اور بہت لمبی باندھتے تھے، پھر ان کی امید دھوکا نکلی اور ان کی جماعت ہلاک ہو گئی اور ان کی رہائش گاہیں قبریں بن گئیں۔ یاد رکھو! قوم عاد عدن سے عمان تک گھوڑوں اور اونٹوں کے مالک تھے، اب کون ہے جو مجھ سے ان کی میراث دو درہم میں خرید لے؟" دکتور حکمت بن بشیر نے فرمایا، اس کی سند حسن ہے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ: یہ ان کا تیسرا کام ہے جس پر ہود (علیہ السلام) نے انکار فرمایا کہ تم ایسے سنگدل اور انسانیت سے عاری ہو کہ کمزوروں کے لیے تمہارے دل میں کوئی رحم نہیں، وہ گردو پیش کی کمزور قومیں ہوں یا تمہارے پست طبقہ کے لوگ، جب انھیں پکڑتے ہو تو بہت بے رحم ہو کر پکڑتے ہو، دنیا کے لالچ اور تکبر نے انسانی اخلاق کا لباس تمہارے جسموں سے اتار دیا ہے۔ اس کا باعث بھی یہی تھا کہ ان کا اللہ کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان نہ تھا۔ ایمان سنگدلی کی اجازت نہیں دیتا۔ مومن قتل کرتے وقت بھی سنگدلی سے کام نہیں لیتا۔ عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی

۱۔ (زادالمسیر ج ۶ ص ۶۳۲-۵۳۱، مصبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (إِنَّ أَعَفَّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ) "یقیناً قتل کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ اچھا طریقہ اختیار کرنے والے اہل ایمان ہوتے ہیں۔"[1]

قوم کو مسلسل سمجھانے کے بعد ہر نبی نے آخری مرحلہ میں پہنچ کر قوم کو یہی نصیحت کی کہ اے قوم ابھی وقت نہیں گزرا اور تمہارے لیے موقع موجود ہے کہ اپنی من مانیوں سے باز آجاؤ اور میری اطاعت وفرماں برداری کرو اس طرح آخری حجت پوری ہوگئی اور اسکے بعد وہ مقرر وقت آ گیا جو گزشتہ قوموں کی تاریخ ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے لیکن جس طرح قوم نے اس سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اس طرح انہوں نے اس آخری ہدایت کو بھی باوجود کو بھی سننے کے باوجود ان سنی کر دیا اور نتیجہ وہی نکلا جو پہلے نکلتا آ رہا تھا۔

﴿ وَاتَّقُوا الَّذِيٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ
وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَّجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ
الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾

---

[1] ۔[مسند أحمد: ۱/۳۹۳، ح: ۳۷۲۸، قال المحقق حدیث حسن]

اوراس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہیں مدد پہنچائی جن کو تم جانتے ہو ۔(۱۳۲)اس نے تمہاری مویشیوں اور بیٹوں کے ساتھ مدد کی۔(۱۳۳)اور باغوں اور چشموں سے۔(۱۳۴)بیشک میں تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔(۱۳۵)انہوں نے ہود(علیہ السلام) کو جواب دیا چاہے تم نصیحت کرو یا نہ کرو، ہمارے لیے دونوں ہی برابر ہیں۔(۱۳۶)اور کچھ بھی نہیں یہ باتیں مگر اگلے لوگوں کی عادت ہے۔(۱۳۷)اور ہم پر کوئی آفت آنے والی نہیں ۔(۱۳۸)غرضیکہ انہوں نے اس (ہود علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ (۱۳۹)اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب، نہایت ہی مہربان ہے۔(۱۴۰)

حضرت ھود (علیہ السلام) نے بار بار اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس دلایا اور انھیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔اے میری قوم! اپنے ماضی پر غور کرو۔تم افرادی قوت کے اعتبار سے تھوڑے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں کثیر افزائش سے نوازا۔جس کے نتیجے میں تم افرادی قوت کے اعتبار سے اپنے مخالفوں پر برتر ہوئے۔اس نے تمہیں مال، مویشی کے اعتبار سے بھی برکت عنایت فرمائی تم بڑے بڑے باغات اور چشموں کے مالک بنے۔لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی

بجائے اس کے نافرمان اور لوگوں پر ظالم بن چکے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تم اپنے رب کی ناشکری کرتے اور لوگوں پر مظالم ڈھاتے رہے تو کسی دن تمہیں عظیم عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ قوم حضرت ھود (علیہ السلام) کے ارشادات اور ان کی ہمدردانہ دعوت پر غور کرتی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتی۔ لیکن انھوں نے اپنی افرادی قوت اور دنیا کی ترقی پر اتراتے ہوئے حضرت ھود (علیہ السلام) کو کھلے انداز میں کہا کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں آپ کی باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پہلے لوگ بھی اس طرح کی وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ ہم کسی قسم کے عذاب میں مبتلا نہیں ہونگے۔ اس طرح انھوں نے حضرت ھود (علیہ السلام) کو یکسر طور پر جھٹلا دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کیا۔ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ: ارشاد فرمایا: (وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ)[الحاقۃ:٦ تا ٨] "اور جو عاد تھے وہ سخت ٹھنڈی، تند آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے، جو قابو سے باہر ہونے والی تھی۔ اس نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلائے رکھا۔ سو تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح (زمین پر) گرے ہوئے دیکھے گا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔ تو کیا تو ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتا ہے؟"

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری مدد صبا (مشرقی ہوا) کے ذریعے سے کی گئی اور عاد کو دبور (مغربی ہوا) کے ذریعے سے تباہ کیا گیا۔"[1]

۱۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قولہ: (وھوالذی یرسل الریاح۔۔الخ): ۳۲۰۵۔ مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب فی ریح الصباء والدبور: ۹۰۰]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا پڑھتے: (اَللّٰهُمَّ ! اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا ، وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ) "اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ دے کر وہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں، اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ دے کر وہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" اور عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چہرہ متغیر ہو جاتا، آپ کبھی باہر تشریف لے جاتے اور کبھی اندر تشریف لاتے، (پریشانی کی حالت میں) کبھی آتے کبھی جاتے، پھر جب بارش نازل ہو جاتی تو آپ کی پریشانی دور ہو جاتی۔ کہتی ہیں کہ میں نے یہ کیفیت محسوس کر کے دریافت کیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) کہیں (اس قوم کے ساتھ) ایسا نہ ہو، جیسا (قوم عاد کے ساتھ ہوا تھا) قوم عاد نے کہا تھا: (فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا) [الاحقاف: ۲۴] "تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔"[1]

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

---

[1] [مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤیۃ الریح۔۔الخ: ۸۹۹/۱۵]

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور (قوم) ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۴۱) جب ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں۔(۱۴۲) یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۔(۱۴۳) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔(۱۴۴) میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۴۵)

قوم ثمود عرب کے شمالی علاقے میں آباد تھی۔ان کے خاص شہر کا نام حجر تھا جو وادی القرای میں مدینے اور شام تک درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں چشمے اور باغات کثرت سے تھے۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔قوم ثمود کے لوگ بت پرست اور رہزن تھے۔قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے اور خوب آسودہ حال تھے۔

جب حضرت صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت و صداقت سے خوب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو، اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں تو

اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تا کہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۙ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ﴿۱۴۷﴾
وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۚ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۚ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ﴿۱۵۰﴾ ﴾

کیا تم یہاں (دنیا) کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیے جاؤ گے؟۔(۱۴۶) باغوں اور چشموں میں۔(۱۴۷) اور کھیتوں اور ایسی کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہوتے ہیں۔(۱۴۸) اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں پر تکلف مکانات بناتے ہو۔(۱۴۹) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۵۰)

صالح (علیہ السلام) نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، کیا تمہارا گمان ہے کہ تم ہمیشہ یونہی امن و سکون کے ساتھ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہو گے؟ باغوں، چشموں، کھیتوں اور کھجوروں سے فائدہ اٹھاتے رہو گے؟ اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکانات بناتے رہو گے؟ یہ تمہاری بھول ہے، ہمیشہ کے لیے اس حال میں نہیں رہو گے۔ ایک دن آئے گا کہ موت تمہیں آدبوچے گی اور اس کے بعد قیامت آئے گی۔ جس دن ہر انسان کی طرح تمہیں اپنے کرتوتوں کا حساب چکانا ہوگا۔ اس لیے اللہ کی

گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرو اور میری بات مانو، ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور بھلائی کا کوئی کام نہیں کرتے۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۔۔: عاد کے تمدن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے، جب کہ ثمود کے تمدن کی سب سے نمایاں خصوصیت، جس کی بنا پر وہ مشہور تھے، یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ فجر (۷) میں عاد کو "ذَاتِ الْعِمَادِ" (ستونوں والے) کہا گیا ہے اور ثمود کے متعلق فرمایا: (وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ)[الفجر:۹] "جنھوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔" اس کے علاوہ وہ اپنے میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے محل تعمیر کرتے تھے، فرمایا: (تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا)[الاعراف:۷٤] "تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو۔" ان تعمیرات سے ان کی غرض وغایت اپنی شان وشوکت، مہارت اور کمال فن کی نمائش تھی، نہ کہ کوئی حقیقی ضرورت۔ بگڑے ہوئے معاشروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ایک طرف لوگوں کو سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں ملتی تو دوسری طرف امراء اور اہل ثروت کمزوروں کی مدد کے بجائے اپنی ضرورت سے زیادہ عمارتیں بنانے کے بعد بلاضرورت نمائشی یادگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔

تفہیم القرآن میں ہے: "ثمود کی ان عمارات میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں، جنھیں ۱۹۵۹ء کے دسمبر میں میں نے خود دیکھا ہے۔ یہ جگہ مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز کے مشہور مقام "العلاء" (جسے عہد نبوی میں وادی القریٰ کہا جاتا تھا) سے چند میل کے فاصلے پر بجانب شمال واقع ہے۔ آج بھی اس جگہ کو مقامی باشندے الحجر اور مدائن صالح کے ناموں ہی سے یاد کرتے ہیں۔ اس علاقے میں "العلاء" تو اب بھی

نہایت سرسبز وشاداب وادی ہے، جس میں کثرت سے چشمے اور باغات ہیں، مگر "الحجر" کے گردوپیش بڑی نحوست پائی جاتی ہے، آبادی برائے نام ہے، روئیدگی بہت کم ہے، چند کنویں ہیں، انھی میں سے ایک کنویں کے متعلق مقامی آبادی میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی اسی سے پانی پیتی تھی۔ اب وہ ترکی عہد کی ایک ویران چھوٹی سی چوکی کے اندر پایا جاتا ہے اور بالکل خشک پڑا ہے۔ اس علاقے میں جب ہم داخل ہوئے تو "العلاء" کے قریب پہنچتے ہی ہر طرف ایسے پہاڑ نظر آئے جو بالکل کھیل کھیل ہو گئے ہیں، صاف محسوس ہوتا تھا کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انھیں سطح زمین سے چوٹی تک جھنجھوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ اسی طرح کے پہاڑ ہمیں مشرق کی طرف "العلاء" سے خیبر جاتے ہوئے تقریباً پچاس (۵۰) میل تک اور شمال کی طرف ریاست اردن کے حدود میں ۳۰، ۴۰ میل کے اندر ملتے چلے گئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تین چار سو میل لمبا اور سو میل چوڑا ایک علاقہ تھا جسے ایک زلزلہ عظیم نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔"

﴿ وَلَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي
الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٥٣﴾
مَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِـَٔايَةٍ إِن كُنتَ مِنَ
الصَّٰدِقِينَ ﴿١٥٤﴾ ﴾

اور حد سے گزر جانے والوں کا کہنا نہ مانو۔ (۱۵۱) جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں

اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے۔(۱۵۲) وہ بولے کہ ضرور تم پر کسی نے جادو کیا ہے۔(۱۵۳) تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو، اگر تم سچے ہو تو تم کوئی نشانی پیش کرو۔(۱۵۴)

وَلَا تُطِيعُوٓا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۔۔: یعنی ان لوگوں کا کہنا مت مانو جو اخلاق وتہذیب کی ساری حدیں پھلانگ کر شتر بے مہار بن گئے ہیں۔ مراد ان کے وہ سردار اور امراء ہیں جو شرک وکفر کے داعی اور حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور جن کی زیر قیادت ان کا بگڑا ہوا نظام زندگی چل رہا تھا، ایسے لوگ ہمیشہ زمین میں فساد ہی پھیلاتے ہیں، ان کے ہاتھوں اصلاح کبھی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان "الۡمُسۡرِفِيۡنَ" میں سب سے پیش پیش وہ نو (۹) بدمعاش تھے جنھوں نے ملک میں فساد مچا رکھا تھا اور آخر کار قوم کی تباہی کا سبب بنے، فرمایا: (وَكَانَ فِي الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ يُّفۡسِدُوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ)[النمل:٤٨] "اور اس شہر میں نو (۹) شخص تھے، جو اس سرزمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔"

قوم نے اس کا مثبت جواب دینے کی بجائے کہا کہ اے صالح! تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو جس طرح سحر زدہ لوگ باتیں کرتے ہیں۔ جس طرح کے ہم انسان ہیں تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو کوئی معجزہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ یاد رہے کہ ہمیشہ سے نافرمان لوگوں کا وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر اور مصلح نے انھیں سمجھایا تو انھوں نے مصلح پر یہی الزام لگایا اور اعتراض کیا کہ تجھے تو جادو ہو گیا ہے اس لیے پاگلوں جیسی بات کرتا ہے۔ اس کے ساتھ منکرین کا یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ نبی مافوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ یہی قوم ثمود نے حضرت صالح

(علیہ السلام) پر الزام لگایا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔

﴿ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا
فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ﴾

صالح (علیہ السلام) نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری پانی پینے کی باری ہے۔ (۱۵۵) اور تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا' ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آ پکڑے گا۔ (۱۵۶) پھر انہوں نے اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر وہ پشیمان ہو کر رہ گئے۔ (۱۵۷) پھر ان کو ایک عذاب نے پکڑ لیا۔ بیشک اس میں ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ (۱۵۸) اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور نہایت رحم و کرم والا ہے۔ (۱۵۹)

حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی

روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔ تب ان سے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آ کر کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ ①

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا، اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو۔ یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی۔ ②

حضرت ابوطفیلؓ بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے حضرت صالح (علیہ السلام) سے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔ تو حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ، تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا، پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔ حضرت صالح نے ان سے فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔ اس کو اللہ کی زمین میں

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۲۵، جز ۱۹ ص ۱۷۱۔۱۷۰)

۲۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۶۶)

چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دو۔ [1]

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیجی۔ وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔ اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے۔ پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی' وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔ حضرت صالح نے ان سے کہا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے' اس کو اللہ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ [2]

حضرت عبداللہ بن زمعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا' وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھا۔ [3]

قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے۔ (الشعراء: ۱۵۷)

۱۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۶۷)

۲۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۷۳) (رقم الحدیث: ۱۵۸۶۸)

۳۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۷۰)

اس آیت میں ہے فعقروھا' عقر کا معنی ہے کونچیں کاٹنا' پاؤں کے جو پٹھے پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تھا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تھے تاکہ وہ بھاگ نہ جائے پھر اس کو نحر کرتے تھے یعنی اس کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارتے تھے یا ذبح کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق ؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ اس اونٹنی کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اور قدار اس کے راستے میں ایک چٹان کی جڑ میں چھپا بیٹھا تھا اور مصدع دوسری جڑ میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری۔ اس نے تاک کر اس کو تیر مارا۔ وہ تیر اس کی پنڈلی کے گوشت میں جا کر پیوست ہو گیا۔ پھر قدار نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ وہ اونٹنی گر پڑی۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے بچے کو خبردار کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے اس کے سینہ کے بالائی حصے پر وار کر کے اس کو نحر کر دیا اور اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں میں گم ہو گیا۔ حضرت صالح (علیہ السلام) ان کے پاس آئے تو دیکھا اونٹنی قتل کی جا چکی تھی۔ وہ رونے لگے اور کہنے لگے تم نے اللہ کی حرمت کو پامال کر دیا۔ اب تم کو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو!۔ [1]

حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ اپنے گھر میں تین دن تک عیش کر لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وعید تھی جو جھوٹی نہیں تھی۔ پھر ایک

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۷۸)

زبردست چنگھاڑ آئی اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جس قدر لوگ تھے وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔ سوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا۔ اس کو اللہ کے حرم نے عذاب سے بچا لیا۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کون شخص تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ ابو رغال تھا۔ [1]

ابن عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا تو حضرت صالح نے ان سے فرمایا' تم پر عذاب آنے والا ہے۔ انہوں نے پوچھا اس عذاب کی کیا علامت ہے؟ حضرت صالح نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟ اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟ اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے' پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا۔ پھر انہوں نے خوشبو لگائی' کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔ پھر حضرت جبرائیل نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جسموں سے ان کی روحیں نکل گئیں۔ [2]

حضرت صالح (علیہ السلام) پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی اور ان کو حضرت ھود (علیہ السلام)

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۸۷)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۸۸)

کے ایک سو سال بعد مبعوث کیا گیا تھا اور وہ دو سو بیس سال زندہ رہے۔ [1]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی ندامت سے ان کو اس لیے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے ندامت کے باوجود توبہ نہیں کی بلکہ جب ان کو عذاب کا یقین ہو گیا تو پھر حضرت صالح (علیہ السلام) کو قتل کرنے کے لیے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر نادم نہیں تھے بلکہ اس پر نادم تھے کہ انہوں نے اونٹنی کے ساتھ ہی اس کے بچہ کو بھی کیوں قتل نہیں کر دیا اور اس کو نکل کر بھاگنے کا موقع کیوں دیا' لیکن یہ جواب بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ (الشعراء: ۱۵۸)

قوم عاد میں سے مردوں اور عورتوں کو ملا کر دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے۔ کعب احبار نے کہا' حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا بارہ ہزار مرد تھے اور قوم عاد ان سے چھ گنا زیادہ تھی۔ [2]

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

۱۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ (جامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ
مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

قوم لوط (علیہ السلام) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۱۶۰) جب ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں۔(۱۶۱) یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔(۱۶۲) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۶۳) میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۶۴) کیا تم سارے جہان والوں میں سے مردوں سے خواہش پوری کرتے ہو۔(۱۶۵) اور تمہارے رب نے جو تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو، درحقیقت تم حد سے نکل جانے والے ہو۔(۱۶۶)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن، ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط (علیہ السلام) کا نام ہے لوط بن حاران بن تارخ، حاران حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھائی تھے اور حضرت لوط (علیہ السلام)، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بھتیجے تھے۔[1]

۱۔(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳، ص ۲۳۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لوط (علیہ السلام) کا بچپن سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کے زیر سایہ گزرا اور ان کی نشو ونما حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہی کی آغوش تربیت کی رہین منت ہے۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نے سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی اور اس وقت تک وہ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے جب ہجرت کر کے مصر کی طرف آئے تو دونوں بزرگوں کے پاس بہت سا ساز وسامان بھی تھا جس میں بڑے بڑے ریوڑ تھے اس لیے دونوں کے مشورہ سے طے پایا کہ دونوں الگ الگ علاقوں کی طرف بڑھ جائیں اس لیے لوط (علیہ السلام) مصر سے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ کی طرف چلے گئے اور وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نبوت سے نوازا اور انہوں نے دین حنیف کی تبلیغ شروع کر دی، سدوم اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر میت اور بحر لوط واقع ہے اس علاقہ میں سدوم وعامورہ کی بستیاں کبھی آباد تھیں۔ لوط (علیہ السلام) نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا تو ان کی بستی بعض متفرد قسم کی برائیوں میں مبتلا تھی جن میں باہر سے آنے والوں کو پریشان کرنا اور ان کے مال پر نہایت برے طریقہ سے قبضہ کر لینا ان کا شیوہ تھا اور یہ لوگ ہم جنسی کے فعل میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، لوط (علیہ السلام) نے ان لوگوں کو اس برائی سے باز آنے کی تلقین کی تو وہ لوط (علیہ السلام) کے مخالف ہو گئے اور آپ کی بعثت کو انہوں نے جھٹلایا۔ عروۃ الوثقی میں سورہ الاعراف کی آیت ۷۰ تا ۸۴ ' سورہ ہود کی آیات ۷۷ تا ۸۳ میں ان کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے اور سورہ ہود میں لوط (علیہ السلام) کی مختصر سرگزشت کے تحت بھی ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر گزر چکا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جسے تم لوط (علیہ السلام) کی قوم والا کام کرتے دیکھو تو کرنے والے کو بھی قتل کر دو اور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی،

اسے بھی قتل کر دو۔"[1]

﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾
قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ
فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ﴾

ان لوگوں نے کہا کہ اے لوط (علیہ السلام)! اگر تم باز نہ آئے تو شہر سے ضرور نکال دیے جاؤ گے۔ (۱۶۷) لوط (علیہ السلام) نے کہا میں تمہارے اس کام سے سخت بیزار ہوں۔ (۱۶۸) (اور دعا کی) کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے نجات دے جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔ (۱۶۹) پھر ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات دیدی۔ (۱۷۰) مگر ایک

---

[1]۔[مسند أحمد: ۱/۳۰۰، ح: ۲۷۳۵۔ ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی حد اللوطی: ۱۴۵۶]

بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔(۱۷۱) پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔(۱۷۲) اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا جو مینہ ان لوگوں پر برسایا سو کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے۔(۱۷۳) یقیناً اس میں بڑی ایک نشانی ہے مگر ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔(۱۷۴) اور بیشک آپ کا پروردگار بڑی قوت والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔(۱۷۵)

قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ جب فرشتے (لڑکوں) کی شکل میں حضرت لوط (علیہ السلام) کے ہاں تشریف لائے۔تو بدمعاش قوم ان سے بے حیائی کرنے کی نیت سے حضرت لوط (علیہ السلام) کے ہاں دوڑتے ہوئے آئی۔حضرت لوط (علیہ السلام) نے نہایت عاجزی کے ساتھ انھیں سمجھایا کہ اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لیے حلال ہیں۔یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو۔اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں میں مجھے بے آبرو نہ کرو۔جب وہ بھاگم بھاگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے لوط نے یہ بھی فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ (ہود:۷۸)

بے حیا کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کیا سروکار، تو جانتا ہے کہ ہم کس ارادہ سے آئے ہیں۔ان حالات میں لوط کہنے لگے آج کا دن میرے لیے بڑا بھاری ہے۔کاش تمہارے مقابلے میں میرا کوئی حمایتی ہوتا یا کوئی پناہ گاہ جہاں میں تم سے بچ نکلتا۔(ہود:۷۹،۸۰)

عذاب کے فرشتوں نے حضرت لوط (علیہ السلام) کو تسلی دی کہ اے اللہ کے نبی دل چھوٹا نہ کرو۔یہ بے حیا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔بس آپ اہل ایمان کو لے کر رات کے پچھلے پہر ہجرت کر جائیں۔

ہاں یاد رہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے کیونکہ اسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے اور یہ عذاب ٹھیک صبح کے وقت نازل ہوگا۔ لوط (علیہ السلام) گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ صبح کب ہوگی؟ ملائکہ نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول صبح تو ہونے ہی والی ہے چنانچہ صبح کے وقت رب ذوالجلال کا حکم صادر ہوا تو اس دھرتی کو اٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا پھر ان پر مسلسل نامزد پتھروں کی بارش کی گئی۔ (ھود: ۶۹ تا ۸۳)

سورہ القمر: آیت، ۳۷ تا ۳۸ میں فرمایا کہ ظالموں نے لوط (علیہ السلام) کے مہمانوں پر زیادتی کرنا چاہی تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مسخ کر دیا۔ سورہ الصافات: آیت، ۱۳۷ تا ۱۳۸ میں ارشاد ہوا یقیناً لوط (علیہ السلام) مرسلین میں سے تھے جب ہم نے انھیں اور اس کے اہل کو نجات دی ہاں ایک بڑھیا کو پیچھے رہنے دیا پھر ہم نے باقی کو ہلاک کر دیا۔ اے اہل مکہ تم صبح شام ان بستیوں سے گزرتے ہو لیکن اس کے باوجود عقل نہیں کرتے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۳۵ تا ۱۳۸)

"پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے (تہس نہس) کر دیا اور تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے۔ تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) لکھا ہوا تھا اور ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔" [سورہ ھود: ۸۲، ۸۳]

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ
اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

اصحاب الایکہ (بن کے رہنے والوں) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۷۶) یاد کرو جب شعیب (علیہ السلام) نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔(۱۷۷) یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔(۱۷۸) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۷۹) میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۸۰)

حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ (الحجر:۷۹)۔۔اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے قافلوں کو شام، فلسطین، یم، بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی۔ قرآن مجید اسی کو امام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قافلوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شامل کے متصل حجاز کا آخر حصہ تھا۔

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایک بڑی تجارت پیشہ

قوم تھی۔قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی۔اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔اسی بناء پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

اہل مدین اور اصحاب الایکہ

عکرمہؒ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک دن فرمایا' مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں' جن کی طرف حضرت شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا گیا۔(ہر چند کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ امتیں ہیں۔

قتادہؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (اندھے کنویں والے' الفرقان: ۳۷) فرمایا ہے' اس سے مراد حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔[1]

۱۔(مختصر تاریخ دمشق' ج۱، ص۳۰۹۔۳۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔حضرت شعیب (علیہ السلام) بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی' وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے' اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔بہرحال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ؕ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ
اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ
عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؕ﴿۱۸۷﴾ قَالَ
رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ

الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

ناپ پورا کیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔(۱۸۱) اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔(۱۸۲) اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔(۱۸۳) اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور اگلی مخلوقات کو پیدا کیا۔(۱۸۴) قوم نے کہا، تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔(۱۸۵) اور تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اور ہم تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔(۱۸۶) سو اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔(۱۸۷) شعیب (علیہ السلام) نے کہا کہ جو کام تم کرتے ہو انہیں میرا رب خوب جانتا ہے۔(۱۸۸) سو ان لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ان لوگوں کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔(۱۸۹) بیشک اس واقعہ میں ایک بڑی نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے

نہیں تھے۔(۱۹۰)اور بیشک آپ کا پروردگار ہی بڑا غالب، نہایت مہربان ہے (۱۹۱)۔

شرک باللہ کے علاوہ اصحاب مدین ایک بڑا گناہ یہ کرتے تھے کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، یعنی کسی کو دیتے وقت کم اور کسی سے لیتے وقت زیادہ تولتے تھے۔لوگوں سے ان کا مال قرض یا ادھار لیتے اور جب واپس کرتے تو حتی الامکان کم دینے کی کوشش کرتے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے۔ مسافروں اور راہ چلتے لوگوں کا مال چھین لیتے تھے۔ ان کا یہ عمل ان کی کمینگی، ان کی گھٹیا ذہنیت اور دنیا سے انتہا درجہ کی محبت پر دلالت کرتا تھا۔شعیب (علیہ السلام) نے انھیں شرک باللہ سے منع کیا، توحید کی دعوت دی اور ان کے مذکورہ بالا اعمال کی قباحت وشناعت بیان کر کے عدل وانصاف کی دعوت دی اور انھیں نصیحت کی کہ جب دوسروں کے لیے ناپو تو پورا ناپو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، عدل و انصاف کے ساتھ وزن کرو۔لوگوں کے حقوق واموال واپس کرتے وقت کٹوتی نہ کرو۔لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے ذریعے سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط سالی، روزگار کی تنگی اور حکمرانوں کا ظلم وستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔"[1]

شعیب (علیہ السلام) کی قوم نے وہی زبان اور انداز اختیار کیا جو قوم نوح، قوم ثمود نے اختیار کیا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کو سحر زدہ قرار دیا اور عذاب لانے کا مطالبہ کیا یہی انداز قوم شعیب نے اختیار کیا

---

[1]۔[ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات: ۴۰۱۹۔مستدرک حاکم: ۴/ ۵۴۰، ح: ۸۶۲۳]

اور کہا اے شعیب (علیہ السلام)! تجھ پر جادو ہو گیا ہے اس وجہ سے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ جہاں تک تیرے نبی ہونے کا دعویٰ ہے تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ تجھ میں کوئی ایسی خوبی نہیں دکھائی دیتی جس بنیاد پر تجھے نبی تسلیم کر لیا جائے ہم تجھے کذّاب انسان سمجھتے ہیں۔

قوم شعیب سمجھتی تھی کہ نبی بشر نہیں ہوسکتا نبی تو کوئی نورانی مخلوق ہونا چاہیے تھا انھوں نے حضرت شعیب (علیہ السلام) سے یہ بھی مطالبہ کیا اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ حضرت شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا یہ تو میرا رب جانتا ہے کہ اس نے کس وقت تک تمہیں ڈھیل دینا ہے اگر اس نے تمہیں عذاب میں گرفتار کرنا ہے تو وہ کس قسم کا عذاب ہوگا۔

قوم شعیب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

قوم نے حضرت شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ان پر بلاشبہ عذاب عظیم نازل ہوا۔ (الشعراء:۱۸۹) ظالموں کو ایک کڑک نے آلیا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھر ایسے ویران ہوئے جیسے ان میں کوئی بسا ہی نہ ہو۔ یاد رکھو اہل مدین پر ایسی ہی پھٹکار ہوئی جس طرح قوم ثمود پر پھٹکار کی گئی تھی۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر سات راتیں اور آٹھ دن گرمی اور حبس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ وہ نہ تہہ خانوں میں آرام کر سکتے تھے اور نہ ہی کسی درخت کے سائے تلے ٹھہر سکتے تھے۔ انتہائی کرب کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکلے تو ایک بادل ان پر سایہ افگن ہوا۔ جب سب کے سب بادل تلے جمع ہو گئے تو بادل سے آگ کے شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور پھر ایسی دھماکہ خیز چنگھاڑ گونجی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوندھے منہ تڑپ تڑپ کر ذلیل ہو کر مرے۔

یہاں قوم شعیب کے واقعہ کا اختتام بھی انہی الفاظ سے ہو رہا ہے جن الفاظ سے پہلی چھ قوموں کا ہوا ہے۔ گویا کہ سات انبیاء (علیہ السلام) کی جدوجہد اور ان کی اقوام کا ردِّعمل اور انجام کا ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر! آپ کا رب ہر بات پر غالب اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام (علیہ السلام) کے ساتھ بھی ان کی اقوام نے معاندانہ رویہ اختیار کیا جس کی وجہ سے انھیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ مال، افرادی قوت، صنعت و حرفت، چوپائے اور بھیڑ بکریاں بڑے بڑے محلات اور سیاسی اقتدار، دنیا کی شان و شوکت اللہ کے غضب کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔

انھیں بھی اللہ تعالیٰ نے وقت معین تک مہلت دے رکھی اگر آپ کی قوم کو ان کے جرائم کے باوجود مہلت دی جا رہی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کا رب نہایت ہی رحیم و کریم ہے جس وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو بار بار موقعہ دیا جائے تا کہ توبہ و استغفار کر سکیں۔

قوم شعیب کے جرائم

۱۔ اہل مدین بھی اپنے پیش رو اقوام کی طرح شک جیسے غلیظ اور بدترین عقیدہ میں مبتلا تھے۔ شرک وہ بیماری ہے ام الامراض کہنا چاہیے۔ قوم مدین میں وہ تمام اخلاقی اور اعتقادی بیماریوں نے جنم لیا، جن میں قوم نوح سے لے کر قوم لوط کے لوگ ملوث چلے آ رہے تھے۔ ام الامراض یعنی شرک کی جڑ کاٹنے کے لیے حضرت شعیب (علیہ السلام) اپنی دعوت کا آغاز دعوت توحید سے کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۸۵)

۲۔ قوم مدین نہ صرف عقیدہ کی خیانت میں مرتکب ہوئی بلکہ گاہک سے پوری قیمت وصول کرنے کے باوجود ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے۔ ادائیگی کے وقت چیز مقررہ وزن اور پیمائش سے کم دیتے لیتے

ہوئے طے شدہ وزن سے زیادہ لینے کی مجرمانہ کوشش کرتے۔(الاعراف:۸۵)

۳۔ یہ لوگ پیشہ ور ڈاکو تھے ان کے علاقے سے گزرنے والے مسافروں کی عزت وآبرو اور مال وجان محفوظ نہیں تھے۔(الاعراف:۸۶، ہود:۸۵)

۴۔حضرت شعیب (علیہ السلام) کی زبردست مخالفت اور نافرمانی کرنے والے تھے۔(ہود:۸۹)

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝۱۹۳ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۱۹۵ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۹۶ ﴾

اور بیشک یہ (قرآن کریم) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔(۱۹۲) اس کو روح الامین (امانتدار فرشتہ) لیکر اترا ہے۔(۱۹۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر تا کہ آپ لوگوں کو ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔(۱۹۴) یہ قرآن) بالکل واضح عربی زبان میں ہے۔(۱۹۵) اور بلاشبہ اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔(۱۹۶)

کفار قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کرتے تھے، اس لیے وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے بھی منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یہ کہہ کر فرمایا کہ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں، اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دینے کے لیے اور کفار کو کفر کے انجام بد سے ڈرانے

کے لیے انبیائے کرام (علیہ السلام) کے سات قصّے بیان فرمائے، جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ رسول، جو نہ پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے، گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کیسے بیان کرسکتا تھا۔ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ انکار جتنا شدید ہو بات اتنی ہی تاکید سے کی جاتی ہے۔ اس لیے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا کہ بیشک یہ یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے خود تصنیف کیا ہے، نہ کسی اور انسان یا جن کا گھڑا ہوا ہے۔

اس قرآن کا ذکر گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ آخری آیت میں فرمایا کہ کیا تورات وانجیل کے ذریعے سے علمائے بنی اسرائیل کا ان باتوں سے واقف ہونا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے آخری نبی ہونگے، اللہ اپنا کلام ان کی زبان پر جاری کرے گا اور تورات وانجیل میں مذکور تفصیلات کے مطابق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مبعوث ہونا اور قرآن کا نازل ہونا، کیا یہ سب باتیں کفار مکہ کے ایمان لانے کے لیے کافی نہیں تھیں۔ عبداللہ بن سلامؓ بنی اسرائیل کے بہت ہی مشہور اور اچھے عالم تھے، انھوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھتے ہی یقین کرلیا کہ یہ نبی ہیں جن کی بشارت تورات میں دی گئی ہے، جیسا کہ سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (مدینہ منورہ) تشریف لائے تو عبداللہ بن سلامؓ (آپ کے پاس) آئے، انھوں نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور جو کلام یا دین آپ لائے ہیں وہ برحق ہے اور یہودی خوب جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں، ان کا سب سے بڑا عالم ہوں اور ان کے سب

سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں۔ [1]

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: ارشاد فرمایا: (طٰهٰ، مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى، اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى، تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى)[طٰہٰ:۱ تا ٤] ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔ بلکہ نصیحت کرنے کے لیے، اس کو جو ڈرتا ہے۔ اس کی طرف سے اتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔" اور فرمایا: (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا)[الدھر: ۲۳] "یقیناً ہم نے ہی تجھ پر یہ قرآن اتارا، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا۔"

حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو روح اور امین کہنے کی وجوہات

حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو روح کہنے کی ایک وجہ مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ آپ (علیہ السلام) روح سے پیدا کئے گئے ہیں اس لیے آپ (علیہ السلام) کو روح کہا گیا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح روح بدن کی زندگی کا سبب ہوتی ہے اسی طرح حضرت جبرائیل (علیہ السلام) مکلف لوگوں کے دلوں کی زندگی کا سبب ہیں کیونکہ علم اور معرفت کے نور سے دل زندہ ہوتے ہیں جبکہ بے علمی اور جہالت سے مردہ ہوتے ہیں اور حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے ذریعے وحی نازل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس معرفت کے ذریعے بے علمی اور جہالت کی وجہ سے مردہ ہو جانے والے دل زندہ ہو جاتے ہیں، اس لیے آپ (علیہ السلام) کو روح فرمایا گیا اور آپ (علیہ السلام) کو امین اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک

---

[1]۔[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ إلی المدینۃ: ۳۹۱۱]

وحی پہنچانے کی امانت ان کے سپرد فرمائی ہے۔

﴿ اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ اٰیَۃً اَنۡ یَّعۡلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰہُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَہٗ عَلَیۡہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ کَذٰلِکَ سَلَکۡنٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۲۰۱﴾ ﴾

کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔(۱۹۷) اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر اتارتے۔(۱۹۸) پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تو تب بھی یہ اس پر ایمان نہ لاتے۔(۱۹۹) اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے۔(۲۰۰) وہ اس پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک وہ دردناک عذاب (نہ) دیکھ لیں۔(۲۰۱)

امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ علماء بنی اسرائیل میں سے تھے اور ان میں سب سے افضل مانے جاتے تھے۔ وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کتاب کے اوپر ایمان لے آئے تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا ان

(کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں۔ [1]

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطیہؒ نے کہا یہ بنی اسرائیل کے پانچ علماء تھے: حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت ابن یامین، حضرت ثعلبہ اور حضرت عبداللہ بن سلام۔ [2]

قتادہؒ نے کہا اس آیت سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو تورات اور انجیل میں یہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہیں۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی شدت کفر کو بیان کیا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی رسول پر اتار دیتے، جس کی زبان عربی نہ ہوتی اور وہ اسے پوری وضاحت کے ساتھ انھیں پڑھ کر سنا دیتا، تو بھی کفار مکہ ایمان نہ لاتے اور اپنی شدت عناد کی وجہ سے اس کی کوئی من مانی توجیہ کر لیتے۔ آگے فرمایا کہ جس طرح عجمی رسول کے پڑھ کر سنانے کی صورت میں انکار کر دیتے، اسی طرح یہ مجرم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پڑھ کر سنانے کی صورت میں بھی قرآن کا انکار کرتے رہیں گے، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور وہ کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ صرف ایک صورت میں یہ مشرکین قرآن کی صداقت کا اعتراف کریں گے کہ جب اللہ کا غضب ان پر نازل ہوگا اور موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، تو اس وقت کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے، واقعی قرآن نے سچی بات کہی تھی کہ اگر ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ کا عذاب ہم پر نازل ہوگا۔

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۹)

۲۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۹۵۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

۳۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۷)

﴿ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ
مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ
مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ
اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا
لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ
الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ
السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ ﴾

پس وہ ان پر اچانک آ پڑے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔(۲۰۲) اس وقت وہ کہیں گے کہ کیا ہم کو کچھ مہلت مل سکتی ہے۔(۲۰۳) کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔(۲۰۴) کیا آپ نے (اس پر) غور کیا کہ اگر ہم انہیں کئی سالوں تک مزید فائدہ پہنچاتے رہیں۔(۲۰۵) پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان پر آ جائے۔(۲۰۶) تو جو (دنیا کا) یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں ان کے کسی کام نہ آئے گا۔(۲۰۷) ہم نے کسی بستی کو بھی ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے ڈرانے

والے (رسول بھیجے) تھے ۔(۲۰۸) یاددہانی کے لیے اور ہم ظالم نہیں تھے ۔(۲۰۹) اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں اترے ہیں۔(۲۱۰) اور نہ وہ اس کے قابل ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔(۲۱۱) بیشک وہ تو قرآن سننے سے بھی روک دیئے گئے ہیں۔(۲۱۲)

منکرین قرآن ایمان لانے کی بجائے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ مطالبہ کرتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے رہتے ہو وہ اب تک ہم پر کیوں نازل نہیں ہوا؟

اس کے انھیں کئی جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ اچانک اور ایسے وقت تم پر نازل ہوگا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس وقت تمہاری کیفیت یہ ہوگی کہ تم پکار پکار کر کہہ رہے ہو گے کہ کاش ہمیں مہلت دی گئی ہوتی۔ کیا اس عذاب کے بارے میں تم جلدی کا مظاہرہ کرتے ہو؟

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا (اور پینے کے لیے برتن اوپر اٹھائے گا لیکن) ابھی برتن اس کے منہ تک نہیں پہنچ پائے گا کہ قیامت آجائے گی اور دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہونگے، ابھی خرید و فروخت مکمل نہیں کر پائیں گے کہ قیامت آجائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا، ابھی وہ واپس نہیں پلٹے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔"[1]

۱۔[مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعۃ، باب قرب الساعۃ: ۲۹۵٤]

اے نبی! غور فرمائیں کہ اگر ہم انھیں مدت مدید مہلت دیئے جائیں اور پھر اپنے وعدے کے مطابق ان پر عذاب لے آئیں تو جس دنیا کے مال واسباب اور ترقی پر یہ ناز کرتے ہیں وہ انھیں عذاب سے بچا نہیں سکتے۔

مَآ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ: سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت والے دن اہل جہنم میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ اور خوش حال تھا، اسے آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا، اے ابن آدم! کیا تو نے (دنیا میں) کبھی کوئی بھلائی دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی چین کا لمحہ بھی گزرا تھا؟ تو وہ جواب دے گا کہ نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! (کبھی نہیں)۔ پھر اہل جنت میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف دہ زندگی گزاری ہوگی، اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا، اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی مشکل لمحہ بھی گزرا ہے؟ تو وہ جواب دے گا، نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! مجھ پر کبھی کوئی مشکل لمحہ نہیں گزرا اور نہ میں نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہے۔"[1]

ہم نے کسی بستی کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کیا جب تک ان کے پاس ڈرانے والے نہیں بھیجے۔ ڈرانے والوں سے مراد انبیاء کرام (علیہ السلام) ہیں یا پھر ان کے جانشین۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہدایات اور اس میں بیان ہونے والے اقوام کے واقعات۔ لوگوں کے لیے نصیحت ہیں لیکن پھر بھی لوگ باطل عقیدہ اور برے کاموں سے باز نہیں آتے جس کی وجہ سے انھیں تباہی کے گھاٹ اتار دیا جاتا

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أہل الدنیا فی النار۔۔الخ: ۲۸۰۷]

ہے۔اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝٢١٣
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝٢١٤ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢١٥ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝٢١٦ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٢١٧ الَّذِيْ يَرٰىكَ
حِيْنَ تَقُوْمُ ۝٢١٨ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝٢١٩ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۝٢٢٠ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝٢٢١ تَنَزَّلُ
عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٢٢٢ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝٢٢٣

پس آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریے ورنہ آپ سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔(۲۱۳) اور آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ (۲۱۴) اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے ساتھ تواضع اور عاجزی اختیار کیجئے۔(۲۱۵) پس اگر وہ آپ کی تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دیں کہ میں ان

باتوں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو۔(۲۱۶)اور آپ اس زبردست اور رحم کرنے والے پر توکل کیجئے ۔(۲۱۷)جو آپ کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں۔(۲۱۸)اور (اس وقت بھی جب) آپ سجدہ گزار لوگوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔(۲۱۹)بلاشبہ وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔(۲۲۰)اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگوں سے کہہ دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں۔(۲۲۱)وہ ہر جھوٹے (بہتان طراز) اور گناہ گار پر اترتے ہیں۔(۲۲۲)جو سنی سنائی باتیں (ان کے کانوں میں) ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔(۲۲۳)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

یہ حقیقت میں آپ کے غیر سے خطاب ہے کیونکہ حکیم کا یہ اسلوب اور طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی قوم سے خطاب کو موکد کرنا چاہتا ہے تو ظاہر میں اس خطاب کو اس قوم کے رئیس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' ہر چند کہ اس خطاب سے مقصود اس رئیس کے متبعین ہوتے ہیں اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرنے میں آپ کی امت آپ کی پیروی اور آپ کی اتباع کرے اور اس میں بھی ان کو آپ کی اقتداء کرنے کا شرف حاصل ہو۔اس وجہ سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف

آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس زمانے (یعنی اب سے قیامت تک) کا کوئی یہودی یا نصرانی (یا کوئی اور دین والا) میرے متعلق سنے، پھر اس چیز پر ایمان لانے سے پہلے مرجائے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں (یعنی قرآن) تو وہ جہنم میں جائے گا۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) [الشعراء: ۲۱۴] "اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا" تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور آواز دی: "اے فہر کی اولاد! اے عدی کی اولاد!" آپ نے سب قریش کے خاندانوں کو پکارا۔ چنانچہ وہ جمع ہو گئے اور جو شخص خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے کوئی آدمی بھیج دیا، یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا معاملہ ہے۔ ابولہب بھی آیا اور قریش کے دوسرے لوگ بھی آئے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دیکھو! اگر میں تم سے بیان کروں کہ کچھ سوار تم پر حملہ کرنے کے لیے اس وادی میں جمع ہیں، تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟" انھوں نے کہا، ہاں! کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ ہی بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو میں تم کو اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، جو تمہارے سامنے آنے والا ہے۔" یہ سن کر ابولہب کہنے لگا، سارا دن تمہاری خرابی ہو، کیا تم نے اسی بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ تو اس وقت یہ سورت نازل ہوئی: (تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ) [لہب: ۱، ۲] "ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إلی جمیع الناس: ۱۵۳]

(خود) ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ)[الشعراء: ۲۱٤] "اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا" تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے قریش کے لوگو!" یا ایسا ہی کوئی کلمہ کہا اور فرمایا: "تم اپنی جانوں کو (اللہ کے عذاب سے) بچاؤ، (اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو) میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے بنی عبد مناف! اللہ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے صفیہ، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے فاطمہ، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے (یہاں) مانگ لو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔"[2]

سیدنا ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری اور جس دعوت کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کی مثال ایک ایسے شخص جیسی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے میری قوم! میں نے لشکر کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں واضح ڈرانے والا ہوں، لہٰذا جلدی بھاگو! تو اس کی قوم میں سے بعض لوگوں نے اس کا کہنا مانا اور وہ شام ہوتے ہی بھاگ

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وأنذر عشیرتک الأقربین): ٤٧٧٠۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب قولہ تعالیٰ: (وأنذر عشیرتک الأقربین): ۲۰۸]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وأنذر عشیرتک الأقربین): ٤٧٧١۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب قولہ تعالیٰ: (وأنذر عشیرتک الأقربین): ۲۰٤]

گئے اور محفوظ جگہ چلے گئے، تو نجات پا گئے، لیکن ان میں سے بعض لوگوں نے جھٹلایا، وہ صبح تک اسی جگہ رہے، چنانچہ صبح ہوتے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اس نے ان کو تباہ کر دیا۔ تو یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس نے اس کی پیروی کی اور یہی ہے مثال اس شخص کی جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔"[1]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید کا کفر کرتے تھے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو ورنہ تم بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے' کیونکہ آپ معصوم اور مختار ہیں لیکن آپ کو بھی غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کے ساتھ خطاب کیا گیا کیونکہ اس سے مقصود آپ کا غیر ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے بعد فرمایا:

ترجمہ: (الشعراء: ۲۱۴)۔۔اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔

تا کہ آپ کے رشتہ دار آپ کے نسب اور آپ کی قرابت پر تکیہ کر کے نیک عمل اور برے کام سے اجتناب کو ترک نہ کریں۔[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ

۱۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۷۲۸۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی أمتہ: ۲۲۸۳]

۲۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳' ص ۱۳۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کرتے تھے، میرا ایک بھائی تھا جس کا نام ابوعمیر تھا، وہ ابھی دودھ چھڑائی عمر ہی کا تھا، تو نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کبھی تشریف لاتے تو اس سے مزاحاً فرماتے: "اے ابوعمیر! تیری ننھی سی چڑیا نے کیا کیا ہے (کہ داغ مفارقت دے گئی ہے)۔" وہ چڑیا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ [1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ گھر میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مصروفیت کیسی ہوتی تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے کام خود کر لیتے تھے۔ [2]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق فاضلہ کا یہ حال تھا کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کسی کام کے لیے جہاں چاہتی لے جاتی۔ [3]

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ: سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی غزوے کے سلسلے میں نجد کی طرف سفر کیا، جس میں وہ بھی شریک تھے۔ جب آپ واپس روانہ ہوئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس ہوئے اور ایک وادی میں جہاں ببول کے درخت بہ کثرت تھے، وہاں قیلولہ کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قیلولہ کی غرض سے وہیں پڑاؤ کیا اور صحابہؓ درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ آپ بھی ببول کے ایک

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب کنیۃ للصبی۔۔الخ: ۶۲۰۳]

۲۔ [ابن حبان: ۵۶۷۰۔ مسند أحمد: ۶/۲۵۶، ح: ۲۶۲۴۸]

۳۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب الکبر: ۶۰۷۲]

درخت کے نیچے استراحت فرما ہوئے اور آپ نے اپنی تلوار اسی درخت سے لٹکا دی۔ ابھی ہمیں سوئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سنی، آپ ہمیں بلا رہے تھے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک بدو بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے میری تلوار (مجھی پر) سونت لی۔ میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار بے نیام ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا، اللہ (بچائے گا، یہ سننا تھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور میں نے اسے اٹھا لیا) تو دیکھو یہ وہی شخص ہے جو سامنے بیٹھا ہے!" سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان انھیں اس طرح سنائی دیتا ہے، جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر چلانے سے آواز پیدا ہوتی ہے، پھر جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالی شان اور بہت بڑی کبریائی والا ہے۔ تو کبھی کبھی (امر الٰہی سے) چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھنک پڑ جاتی ہے، جو ایک دوسرے پر کھڑے ہو کر وہاں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔" راویٔ حدیث سفیان نے اس موقع پر ہتھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیطان ایک کے اوپر ایک جمع ہوتے ہیں اور آپ نے فرمایا: "پھر شیاطین کوئی ایک کلمہ سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتا دیتے

---

[1] [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع: ۴۱۳۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب توکلہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی اللہ تعالیٰ: ۸۴۳]

ہیں، یہاں تک کہ وہ جادوگر اور کاہن کو پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات پہنچانے سے پہلے ہی شعلہ پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ بات پہنچا دیتے ہیں، چنانچہ اس بات میں کاہن اور جادوگر اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر مشہور کرتا ہے۔ (اب جب ایک بات سچی ہو جاتی ہے تو اس کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اسی طرح ہم سے فلاں دن کاہن نے نہیں کہا تھا، تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے جو آسمان سے شیاطین نے سنا تھا، لوگ کاہنوں اور ساحروں کی بات کو سچا جاننے لگتے ہیں۔"[1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بادل میں فرشتے اترتے ہیں اور آسمان پر اللہ کے جو احکام (اس دن) جاری ہوتے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہیں، تو شیطان فرشتوں کی کوئی ایک بات اڑا لیتے ہیں اور کاہنوں کو خبر کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ کاہن ایک سچی بات میں سو جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں۔"[2]

صفیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج میں سے ایک زوجہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے اور اس سے کوئی بات پوچھے تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔"[3]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کسی کاہن یا کسی نجومی کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد (صلی اللہ

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (حتی إذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربکم۔۔الخ): ۴۸۰۰]

۲۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم: ۳۲۱۰]

۳۔ [مسلم، کتاب السلام باب تحریم الکہانۃ: ۲۲۳۰]

علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے۔"[1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کاہنوں کے متعلق پوچھا، آپ نے ان سے فرمایا: "وہ کچھ نہیں (ان کی باتیں لغو ہوتی ہیں)۔" لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ان کی بعض باتیں سچ بھی نکلتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: "وہ سچی بات وہی ہوتی ہے جس کو جن اڑا لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں اس طرح ڈال دیتا ہے، جس طرح مرغی کٹ کٹ کرتی ہے، پھر وہ اس میں اپنی طرف سے سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا لیتے ہیں۔"[2]

﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ ﴾

اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ (۲۲۴) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ (۲۲۵) اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔ (۲۲۶)

قاسم بن سلام بغدادیؒ نے کہا سب سے پہلا شعر حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹوں میں سے یعرب بن قحطان نے کہا اور فارسی میں سب سے پہلا شعر بہرام گور نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے مدح اور تعریف میں قصائد کی بنیاد رکھی وہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خراسان، بخارا اور ہر

۱۔ [مسند أحمد: ۲/ ۴۲۹، ح: ۹۵۴۸]

۲۔ [مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکہانۃ: ۱۲۳/ ۲۲۲۸]

ات کے سلطان احمد بن نوح السامانی کا درباری تھا اسکا نام رودکی تھا۔ [1]

سورہ الشعراء کا اختتام کفار کے الزامات اور ان کے جوابات پر ہوتا ہے۔ اہل مکہ بڑے تکرار اور صرار کے ساتھ یہ الزام لگاتے کہ آپ شاعر ہیں یہ الزام لگانے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو قرآن مجید کے الفاظ، آیات کا اختتامی انداز جس میں بعض آیات کا ردیف قافیہ اس طرح بنتا ہے جس میں خود بخود ایک دھن پیدا ہو جاتی ہے اور پھر پورے قرآن میں غضب کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ جس سے کوئی بھی آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کبھی وہ آپ کو شاعر قرار دیتے اور کبھی جادوگر کہتے تھے۔ آپ کو شاعر قرار دینے کی دوسری وجہ یہ تھی کیونکہ قرآن مجید میں انتہا درجہ بلاغت اور تخیل کی بلندی پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے اس پر شاعرانہ کلام کا الزام لگانا آسان تھا۔ اس لیے مکہ کے لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شاعر کہتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ضماد مکہ میں آئے، وہ قبیلہ ازدشنوءہ میں سے تھے اور جنوں اور آسیب وغیرہ کے لیے دم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مکہ کے نادانوں سے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں تو انھوں نے کہا، میں انھیں دیکھتا ہوں، شاید اللہ میرے ہاتھ سے انھیں شفا دے دے۔ غرض یہ کہ وہ آپ سے ملے اور کہنے لگے، اے محمد! میں جنون وغیرہ کا دم جھاڑا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے جس کو چاہتا ہے شفا دیتا ہے تو کیا آپ چاہتے ہیں (کہ میں آپ کا علاج کروں) ؟ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھنا شروع کر دیا: (اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا

---

[1] (دستور العلماء ج ۲ ص ۸۵۱-۷۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۲۴۱ھ)

اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، اَمَّا بَعْدُ !) "سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، میں اس کی خوبیاں بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں جس کو اللہ راہ بتلائے اسے کون بہکا سکتا ہے اور جسے وہ بہکائے اسے کون راہ بتلا سکتا ہے؟ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور بھیجے ہوئے (رسول) ہیں۔" ضماد نے کہا، ان کلمات کو دہرایئے! آپ نے ان کلمات کو تین مرتبہ دہرایا، پھر ضماد نے کہا، میں نے کاہنوں کی باتیں سنیں، جادوگروں کے اقوال سنے، شاعروں کے اشعار سنے، مگر آپ کے ان کلمات کے مثل میں نے کبھی نہیں سنا، یہ تو سمندر کی تہ تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر ضماد نے کہا اپنا ہاتھ لایئے کہ میں اسلام کی بیعت کروں۔ الغرض انھوں نے بیعت کی۔ [1]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج (بستی) میں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شاعر ملا، جو شعر پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اس شیطان کو پکڑ لو۔" یا فرمایا: "اس شیطان کو روک لو، اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ خون اور پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اسے بھرے۔" [2]

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ

۱۔ [مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ: ۸۶۸]

۲۔ [مسلم، کتاب الشعر، باب فی إنشاد الأشعار۔۔الخ: ۲۲۵۹]

مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

مگر ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا اور عنقریب جان لیں گے ظلم کرنے والے کہ وہ کس جگہ لوٹ کر جائیں گے۔

شانِ نزول: آیت الا الذین امنوا۔۔الخ

شعراء پر تنقیدی آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان ابن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، کعب بن مالکؓ اور کعب بن زہیرؓ روتے ہوئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! شاعروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کی ہیں، ہم بھی تو شاعر ہیں، ہم تو ہلاک ہو گئے، ہماری نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پیش نظر آیت کریمہ نازل فرمائی۔ [1]

جن شعراء کی عام مذمت کی گئی، ان میں سے مندرجہ بالا چار خصائل والے شعراء مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ وہ ایمان لائے ہوں، دوسرے انھوں نے نیک اعمال کو اپنا طرز زندگی بنالیا ہو، تیسرے اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہتے ہوں۔ کسی وقت بھی ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں، چوتھے یہ کہ جو کچھ کہیں، ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے شعر کہیں۔ کسی کی ہجو اپنی ذاتی اغراض کے تحت نہ کریں۔ مثلاً اشعار کے ذریعے سے اللہ کی حمد وثنا بیان کریں، نیکی کی ترغیب دیں، کفر کی اور گناہوں کی مذمت بیان

۱۔ابن کثیر ۳/۳۵۴

کریں، یا اگر کافر مسلمانوں یا اسلام یا پیغمبر اسلام کی ہجو بیان کریں تو ہجو کا اسی طرح جواب دے کر اس ظلم کا بدلہ لے لیں۔ سیدنا کعب بن مالکؓ (شاعر تھے، وہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اشعار کے بارے میں یہ نازل فرمایا ہے (اور میں تو شاعر ہوں) تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(تم ان میں سے نہیں ہو) مومن تو اپنی تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مشرکوں کی ہجو ان کو ایسے ناگوار ہوتی ہے جیسے تیروں سے مارنا۔"[1]

سیدنا ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بعض شعر حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔"[2]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ نے حسانؓ سے فرمایا: "جب تک تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جواب دیتا رہے گا، روح القدس تیری مدد کرتا رہے گا۔" اور فرمایا: "حسان نے قریش کی ہجو کر کے مومنوں کے دلوں کو تسکین دی اور کافروں کی عزتوں کو تباہ کر دیا۔"[3]

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہونگے۔"[4]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص نے کسی

۱۔[ابن حبان: ۵۷۸۶۔ مسند أحمد: ۳۸۷/۶، ح: ۲۷۲۴۲۔ بیہقی: ۲۳۹/۱۰]

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب ما یجوز من الشعر والرجز: ۶۱۴۵]

۳۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل حسان بن ثابت (رض): ۲۴۹۰]

۴۔[بخاری، کتاب المظالم، باب الظلم ظلمات یوم القیامۃ: ۲۴۴۷]

دوسرے کی آبرو کو نقصان پہنچایا ہو، یا کوئی اور ظلم کیا ہو تو وہ آج دنیا میں معاف کرا لے، اس دن سے پہلے جس دن نہ دینار ہوگا اور نہ درہم۔ البتہ اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا، تو وہ اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔"[1]

---

[1]۔[بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل۔۔الخ:۲۴۴۹]

سورہ النمل

یہ پوری سورت مکی ہے اس میں ترانوے آیات اور ایک ہزار ایک سو انچاس کلمات اور چار ہزار سات سو سڑسٹھ حروف ہیں اور اس میں سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورت النمل ہے کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں النمل کا ذکر ہے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾۔ (النمل: ۱۸) حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو۔ درمنثور میں ہے کہ اس کو سورہ سلیمان بھی کہتے ہیں۔

تعبیر:

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور سفر کو دوست رکھے گا اور فائدہ کم اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

زمانہ نزول

اس سورہ کا تعلق بھی مکی زندگی کے درمیانی عہد سے ہے۔ کیونکہ اس سورہ کا مضمون اور انداز بیان مکہ کے دور متوسط کی سورتوں سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ اور اس کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت

عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن زیدؒ کا بیان ہے کہ پہلے سورہ شعراء نازل ہوئی، پھر النمل اور پھر القصص۔ یہ زمانہ وہ ہے جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی۔ غلط الزامات، طعن و تشنیع، بہتان طرازی کے طوفان برپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: عظیم الشان کتاب، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا آگ لینے جانا اور تجلیٔ الٰہی کی روشنی کو دیکھنا۔ پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیہما السلام) کا واقعہ، جنوں اور انسانوں کے لشکر، ہدہد کی غیر حاضری اور قوم سبا کا قصہ مذکور ہے۔ آخر میں ملکہ بلقیس کے نام حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے خط کا بیان ہے۔

رکوع ۳: بلقیس کا حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے خط کے بارے میں اہل دربار سے مشورہ اور بلقیس کی آزمائش کے لیے اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگوا کر اس میں کچھ تغیر کرانا مذکور ہے۔

رکوع ۴: حضرت صالح (علیہ السلام) کی بعثت اور فساد پھیلانے والوں کے انجام کا بیان ہے۔ پھر قوم لوط کا احوال وانجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: قدرت الٰہی کے مظاہر، زمین کو جائے قرار بنانا۔ مضطر کی دعا قبول کرنے اور پرستاروں کے ذریعے رہنمائی کا بیان ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور حشر ونشر کا انکار کرنے والے مشرکین کا رد کیا گیا۔

رکوع ۶: مکذبین کا انجام، منکرین قیامت کا عذاب طلب کرنا۔ بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ اور

علامات قیامت کا بیان ہے۔

رکوع ۷: قیامت کے روز مکذبین سے باز پرس اور روز حشر کے احوال کا بیان ہے۔ پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عبادت و تلاوت قرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ ﴾

طا۔سین۔(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ قرآن (کریم) اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۔(۱) یہ قرآن) ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔(۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔(۳)

(طٰسٓ) یہ حروف مقطعات میں سے ایک حرف ہے، اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

"کتاب مبین"۔ سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

قرآن کے احکام واضح ہیں:

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال و حرام احکام کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور

چونکہ معجز ہے اس لیے اپنے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۶﴾ ﴾

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، ہم نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔(۴) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بری سزا ہے اور وہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہونگے۔(۵) اور بیشک آپ کو یہ قرآن ایک حکیم اور علیم کی طرف سے دیا جا رہا ہے (۶)۔

اس سے پہلی آیتوں میں ایمان والوں کے حالات بیان کئے گئے اور اس آیت سے کافروں کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں، چنانچہ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو آخرت پر اور قرآن پاک میں قیامت کے دن ملنے والے نیک اعمال کے جو ثواب اور برے اعمال کے جو عذاب بیان کئے گئے ہیں، ان پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے برے اعمال ان کی نگاہ میں خوشنما

بنا دیئے ہیں کہ وہ اپنی برائیوں کو خواہشات کی وجہ سے بھلائی جانتے ہیں، پس وہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں اور ان کے پاس بصیرت نہیں جس کے ذریعے وہ اچھائی اور برائی میں امتیاز کر سکیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا میں قتل اور گرفتاری کا برا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں کہ ان کا انجام دائمی عذاب ہے۔

یہ قرآن ایسی ہستی کی طرف سے نازل شدہ ہے جو تمام لوگوں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے، اس کی نظروں میں سب انسان بحیثیت انسان ایک جیسے ہیں، جو ہر ایک کے حقوق و فرائض اپنے اسی وسیع علم کی بنا پر مقرر کرتی ہے۔ پھر وہ حکیم بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہر حکم میں کچھ نہ کچھ حکمتیں مضمر ہوتی ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، لہٰذا قرآن مجید کی تمام آیات و احکام حکمت سے پر ہیں۔ ارشاد فرمایا: (ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ) [بنی اسرائیل:۳۹] "یہ اس میں سے ہیں جو تیرے رب نے حکمت میں سے تیری طرف وحی کی۔"

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ

يُعَقِّبُ ط يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ قف اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ صلے
اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪
وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِيْ
تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا پھر تمہارے پاس سلگتا ہوا انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم (آگ) تاپو۔(۷) پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) اس آگ کے پاس آئے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے، اور اللہ پاک ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔(۸) اے موسیٰ میں ہی اللہ غالب حکمت والا ہوں۔(۹) اور تم اپنی لاٹھی ڈال دو! پھر جب (موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے دیکھا کہ سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے' تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا' حکم ہوا کہ اے موسیٰ ڈرو مت' ہمارے پاس پیغمبر

ڈرانہیں کرتے۔(۱۰) لیکن ہاں جس نے ظلم کیا ہو پھر برائی کے بعد اس نے (اپنے فعل کو) نیکی سے بدل دیا ہو تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔(۱۱) اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا، (یہ دو معجزات) نو معجزات میں سے ہیں، جنہیں لے کر تمہیں فرعون اور اسکی قوم کے پاس جانا ہے بلاشبہ وہ ایک بدکار قوم ہے۔(۱۲)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا آگ کو دیکھنا

قبطی کی موت کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ مدین کا علاقہ بحر احمر کی اس شاخ کے مشرقی ساحل پر تھا جس کو خلیق عقبہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے یہاں تقریباً آٹھ سال گزارے اس کے بعد وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر واپس جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں وہ بحر احمر کی دونوں شاخوں کے درمیان اس پہاڑ کے کنارے پہنچے جس کا قدیم نام طور تھا اور اب اس کو جبل موسیٰ (GebelMusa) کہا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کی بیٹی تھی۔ ان کا نام صفورا تھا' اس سفر میں آپ راستہ بھول گئے اور رات آ گئی' یہ سردیوں کا موسم تھا' آپ کو دور سے آگ کا شعلہ نظر آیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں نے آگ کا شعلہ دیکھا ہے' قرآن مجید میں انست کا لفظ ہے' انست کا لفظ انس سے بنا ہے جس کا معنی ظہور ہے' انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور جنات اس کے مقابلہ میں

مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں ذ جس طرح انس کا معنی ظہور ہے اسی طرح جن کا معنی مخفی ہونا ہے۔ انسان ظاہر ہے اور دکھائی دیتا ہے اور جن مخفی ہے اور دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ کو آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں' ممکن ہے اس روشنی سے راستہ کی سمت معلوم ہوجائے یا میں وہاں سے آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے آؤں جس سے تم لوگ سردی کی اس یخ بستہ رات میں حرارت حاصل کرو۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی

النمل: ۸ میں فرمایا: ان کو ندا کی گئی جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور اس کے پاس ہے وہ برکت والا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ انہوں نے فرمایا رب العلمین کا نور درخت میں تھا۔ [1]

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں وہ کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ کا نور ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' یہ قتادہؓ اور زجاج کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اس کلام سے ندا کی جس کو انہوں نے اس مبارک سرزمین میں ایک درخت سے سنا۔ پس وہ درخت آگ میں تھا اور اس کے آس پاس فرشتے تھے اس لیے فرمایا اس کو برکت دی گئی جو آگ میں تھا اور جو اس کے آس پاس تھے۔ یہ جبائی کا قول ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں کیونکہ وہ آگ کے قریب تھے' اور جو اس کے پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' اور یہ قول زیادہ

---

[1] (جامع البیان رقم الحدیث: ۵۲۴۰۲)

قریب ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے قریب ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہے' پانچواں قول صاحب کشاف کا ہے کہ جس کو برکت دی گئی ہے یہ وہ مبارک سرزمین ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فلما اتھا نودی من شاطی ء الواد الایمن فی البقعۃ المبرکۃ من الشجر ۃ ان یموسی انی انا اللہ رب العلمین۔ (القصص: ۳۰) پس جب موسیٰ وہاں پہنچے تو اس برکت والی زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت سے ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بیشک میں اللہ رب العلمین ہوں۔ [1]

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۷۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ' حسن بصری اور محمد بن کعب ؒ نے کہا وہ آگ اللہ عزوجل کا نور ہے' اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک عظیم نور کو دیکھا اور اس کو آگ گمان کیا' اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے اپنی آیات اور اپنے کلام کو آگ سے ظاہر فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت میں تھا جیسے قرآن مجید میں ہے:

وھو الذی فی السمآء الہ فی الارض الہ ط (الزخرف: ۴۷) وہ ذات جو آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اس آیت کا معنی نہیں ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہیں' اسی طرح اس آگ میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آگ اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہے' لیکن ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے جس سے فاعل کا علم ہوتا ہے' اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جس کو آگ میں برکت دی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی قدرت ہے۔ [2]

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

۲۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۳۱' ص ۸۴۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! ڈرو نہیں، بیشک میری بارگاہ میں سانپ یا کسی اور چیز سے رسول ڈرتے نہیں، جب میں انہیں امن دوں تو پھر کسی چیز کا کیا اندیشہ ہے، لیکن جس شخص نے کوئی زیادتی کی اس کو ڈر ہوگا یہاں تک کہ وہ اس سے توبہ کرلے اور برائی کے بعد اپنے عمل کو نیکی سے بدل سے تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں، توبہ قبول فرماتا ہوں اور بخش دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دوسری نشانی دکھائی گئی اور فرمایا گیا "اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالو تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ حضرت موسیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی شعاعوں کی طرح چمک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نو نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بیشک وہ فرعونی نافرمان لوگ ہیں اور کفر و سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

تو نشانیوں کا بیان

(فی تسع آیت: نو نشانیوں میں سے)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو نو نشانیاں عطا کی گئیں وہ یہ ہیں: (1) عصا۔ (2) ید بیضا۔ (3) بولنے میں دقت جو حضرت موسیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان مبارک میں تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا۔ (4) دریا کا پھٹنا اور اس میں رستے بننا۔ (5) طوفان۔ (6) ٹڈی۔ (7) گھن۔ (8) مینڈک۔ (9) خون۔ اس رکوع میں پہلی دو نشانیاں بیان کی گئی ہیں، جبکہ ان میں سے آخری 6 نشانیوں کا مفصل بیان نویں پارے کے چھٹے رکوع میں گزر چکا ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۱۳﴾
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾

پس جب ان کے پاس ہمارے آنکھیں کھول دینے والے معجزے پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔(۱۳) اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے۔ تو دیکھو مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔(۱۴)

قوم والوں کا انکار اور عذاب

چنانچہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے تو آپ کے ہاتھ پر اللہ کی کھلی نشانیاں ظاہر ہوئیں عصا سانپ بنا اور جادوگروں کی سب رسیاں اور لکڑیاں کھا گیا آپ کا ہاتھ مثل آفتاب چمکا، پھر فرعونیوں پر طوفان، مکڑیاں اور جوئیں وغیرہ ظاہر ہوئیں اور وہ شدید اذیت میں مبتلا ہوئے مگر ایمان لانے کی بجائے ظلم و سرکشی سے یہی کہتے رہے کہ یہ کھلا جادو ہے حالانکہ ان کے دل یقین رکھتے تھے کہ آپ جادوگر نہیں ہیں وہ سمجھتے تھے کہ اگر آپ جادوگر ہوتے تو آپ کا عصا سارے سانپوں کو کھا نہ جاتا کیونکہ جادو تو صرف فریب نظر ہوتا ہے۔ جب وہ ایمان نہ لائے تو دیکھو ان فسادیوں کا انجام

کیسا خوفناک تھا۔

اس میں کفار مکہ اور قیامت تک آنے والے دیگر دشمنان اسلام کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز رہیں۔ ورنہ ان کا انجام خوفناک ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٥ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝١٦ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝١٧ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٨ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٩ ﴾

اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔(۱۵) اور سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بلاشبہ یہ اللہ کا کھلا ہوا فضل وکرم ہے۔(۱۶) اور سلیمان (علیہ السلام) کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے پس ان کو الگ الگ دستوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔(۱۷) یہاں تک کہ جب وہ چونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چونٹیوں! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر ہمیں کچل ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔(۱۸) سلیمان (علیہ السلام) چیونٹی کی اس بات پر ہنس پڑے اور دعا کی اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کرسکوں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے اچھے عمل کروں جو تجھے پسند ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں داخل کر فرما۔(۱۹)

داؤد (علیہ السلام) اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے علوم

حضرت داؤد (علیہ السلام) جو بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر تھے ان کو اللہ نے زبور کے ساتھ ساتھ ایسی خوبصورت آواز سے نوازا تھا کہ جب وہ اپنی خوبصورت آواز میں زبور کی آیات کی تلاوت اور اللہ کی حمد وثناء کرتے تھے تو تمام انسان' جنات' چرند پرند اور درند بھی جھوم اٹھتے اور ان کی حمد وثنا سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے۔ وہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے اخراجات اپنے ہاتھ کی محنت سے پورے فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا تھا وہ جس طرح چاہتے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے لوہے کو گرم کئے بغیر باریک اور نازک زنجیروں کے حلقے بنا کر ایسی زرہیں تیار کرتے تھے جن سے ایک سپاہی میدان جنگ میں آسانی سے نقل وحرکت کر سکتا تھا اور اس طرح ایک جنگی ضرورت بھی پوری ہو جاتی تھی۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) کے انیس بیٹے تھے جن میں سب سے چھوٹے بیٹے حضرت سلیمان (علیہ السلام) تھے۔ تمام اولاد میں صرف حضرت سلیمان (علیہ السلام) ہی ان کے علم کے وارث تھے۔ وقت کے عظیم نبی اور عالی شان حکومت وسلطنت کے مالک تھے۔

چیونٹیوں کی وادی پر گذر

ایک مرتبہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی "الٰہی مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسر اور حاصل نہ ہو (سورہ ص) اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان کو وہ سلطنت عطا فرمائی جو اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ نے ان کو انسانوں اور جنات کے علاوہ چرند' پرند' رند اور ہواؤں پر بھی حکومت عطا کی تھی۔ ہوا ان کے اسی طرح تابع اور مسخر کر دی گئی تھی کہ وہ آپ کے تخت کو لے کر اڑ جاتی۔ تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ایک مہینے کا سفر آدھے دن میں طے ہو جایا کرتا تھا۔ ان کا لشکر زبردست قوت و طاقت کا مالک تھا جس میں چرند' پرند' درند' انسان اور جنات سب ہی شامل تھے۔ اور آپ ہر مخلوق کی بوی

سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ اسی زبردست لشکر کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ کے کان میں ایک چیونٹی کی آواز پڑ گئی جو اپنی ساتھی چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ تم جلدی سے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کیونکہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا لشکر آ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لشکر تمہیں اپنے پاؤں سے روند ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس چھوٹے سے جانور کی بات سن پر بے ساختہ ہنس پڑے اور شکر کے طور پر اللہ کے سامنے جھک گئے اور عرض کیا" الٰہی میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ واقعی آپ نے مجھے اور میرے والدین کو اپنی بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ عاجزی اور انکساری سے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اپنے صالح بندوں میں شامل فرما لیجئے گا۔ اپنی خاص رحمت اور اعلیٰ درجات سے نواز دیجئے گا۔ مجھے ایسے اعمال کی توفیق عطا فرمایئے گا کہ جس سے آپ راضی ہو جائیں۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی خوش الحانی کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہیں آل داؤد کی خوش الحانیوں میں سے خوش الحانی دی گئی ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو سب روزوں سے زیادہ داؤد (علیہ السلام) کے روزے پسند ہیں، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد (علیہ السلام) کی نماز ہے، وہ آدھی رات تک سوتے، پھر تہائی رات عبادت کرتے، پھر رات کے چھٹے حصے میں

---

[1]۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن: ۲۳۶/ ۷۹۳]

سوتے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "داؤد (علیہ السلام) پر زبور کا پڑھنا اتنا آسان کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسے جانے سے پہلے پہلے وہ زبور کو پڑھ لیتے تھے اور وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے کھایا کرتے تھے۔"[2]

سیدنا ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہم گروہ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا، بلکہ ہم نے جو مال چھوڑا ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔"[3]

سلیمان (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہمارے رب کی جانب سے ہر چیز دی گئی ہے، کسی چیز کی کمی نہیں ہے، بیشک اللہ کا ہم پر واضح فضل و کرم ہے۔ سلیمان (علیہ السلام) نے یہ بات فخر و مباہات کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کے شکر کے طور پر کہی تھی۔

﴿ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ
الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُۥ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَا۟ذْبَحَنَّهُۥٓ أَوْ
لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ

---

[1]۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب أحب الصلوۃ إلی اللہ صلوۃ داؤد۔۔الخ: ۳۴۲۰۔ مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدھر۔۔الخ: ۱۱۵۹/۱۹۰]

[2]۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ولقد آتینا داؤد زبورا): ۳۴۱۷]

[3]۔[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۷۱۲]

بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ
امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا
يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور (ایک روز) جب انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ہُدہُد نظر نہیں آ رہا کیا کہیں وہ غائب ہو گیا ہے۔ (۲۰) میں یقیناً اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا مگر یہ کہ وہ میرے سامنے کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ (۲۱) سو تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ (ہدہد) آ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ (۲۲) بیشک میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور اسے ہر چیز میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ (۲۳) اور میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا (دیکھا) کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال

انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور ان کو رستہ سے روک رکھا ہے، پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔(۲۴)

حضرت سلیمان نے جب پرندوں کے لشکر کا جائزہ لیا تو ہدہد کو غائب پایا۔ ہدہد (Hoopoe) کبوتر کی طرح ایک پرندہ ہے جس کے سر پر کلغی (Crest) ہوتی ہے اس لیے اسے شاہی پرندہ (Royal Bird) کہتے ہس۔ یہ فلسطین اور شام کے علاقہ میں بہ کثرت پایا جاتا ہے اور کبوتر ہی کی طرح نامہ بری کا کام کرتا ہے۔ مگر حضرت سلیمان کے جس ہدہد کا ذکر یہاں ہو رہا ہے وہ ایک خاص اور خداداد صلاحیت رکھنے والا ہدہد تھا اور اس نے جو غیر معمولی خدمت انجام دی اس کے پیش نظر اسے عام ہدہد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگوں نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ ہدہد ایک شخص کا نام تھا جو پرندوں کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مگر قرآن کا سیاق وسباق اس سے انکار کرتا ہے اور گزر چکا کہ سلیمان کے لیے انسانوں اور جنوں کے علاوہ پرندوں کا لشکر بھی جمع کر دیا گیا تھا اور اس آیت میں طیر (پرندوں) کے جائزہ لینے کا ذکر ہوا ہے نیز آگے حضرت سلیمان کا یہ بیان بھی نقل ہوا ہے کہ اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کا معقول عذر پیش نہیں کیا تو میں اسے ذبح کر دوں گا۔ یہ سب باتیں ہدہد کے پرندہ ہونے پر واضح سے دلالت کرتی ہیں اس لیے اس سے ہدہد نام کا آدمی مراد لینا ایک ایسی تاول ہے جو سراسر باطل ہے۔

قوم سبا

یاقوت حمویؒ معجم البلدان میں سبا کے متعلق لکھتے ہیں۔ ارض بالیمن مدینتہا مارب بینہا وبین صنعاء سیرۃ ثلاثۃ ایام" سبا یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر مآرب ہے جو صنعاء (یمن کا موجودہ دار

الحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ یشجب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اس لیے یہ علاقہ سبا کہلایا۔ [1]

علامہ قزوینیؒ نے آثار البلاد میں اس کے متعلق تفصیلا لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ سبا ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشجب بن قحطان نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ اور پانی بہت میٹھا تھا۔ باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ بارش ہوتی پانی بہ کر ریگستانوں میں ضائع ہوجاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہوجاتا۔ اس بند میں پانی کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سوراخ تھے۔ حسب ضرورت انھیں کھول کر پانی لے لیا جاتا جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوش حال ہوگئے۔ خوش حالی اپنے ہمراہ عیش وعشرت اور فسق وفجور لے آئی۔ جب ان کی نافرنیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہر الٰہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا، سارا علاقہ برباد ہوگیا۔ اس کا ذکر قرآن میں کئی مواقع پر آیا ہے۔

﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

---

[1] (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ طبع بیروت)

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾

یہ کہ وہ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے۔(۲۵) اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔(۲۶)

ہُدہُد نے اس بنیادی حقیقت کے ثبوت کے لیے تین عظیم الشان دلیلیں پیش کیں کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اس کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ پہلی یہ کہ وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے۔ آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں کے عموم میں سورج، چاند، ستارے، سیارے، بارش، ہوا اور بجلی وغیرہ سب ہی داخل ہیں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں میں تمام نباتات، پودے، درخت، دریا، چشمے، زیرزمین پانی، تیل، گیس اور بیشمار معدنیات سب آجاتے ہیں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہدہد کی خوراک عام طور پر وہ کیڑے ہوتے ہیں جو درختوں کی چھال یا زمین کے نیچے چھپے ہوتے ہیں۔ اس بظاہر معمولی سے پرندے نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل اپنی سمجھ اور تجربے کے مطابق دی کہ عبادت اور سجدے کے لائق وہ اللہ ہے جو ہر مخلوق کو اس کی چھپی ہوئی روزی تک رسائی دیتا ہے۔ سورج جسے اپنی گردش ہی سے فرصت نہیں، نہ اس نے کوئی چیز پیدا کی کہ وہ اسے چھپانے یا ظاہر کرنے کا علم یا اختیار رکھتا ہو، وہ عبادت یا سجدے کے لائق کیسے ہوگیا؟ شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں: "ہدہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال نکال کر کھانا، نہ دانہ کھائے نہ میوہ، اس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے۔"

وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ: یہ اکیلے اللہ کو سجدہ کرنے کی دوسری دلیل ہے، یعنی سجدے کے

لائق وہ ذات ہے جس کا علم اتنا وسیع ہے کہ نہ صرف آسمان وزمین ہی کی پوشیدہ قوتوں اور چیزوں کو جانتا ہے بلکہ وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو یا پوشیدہ رکھتے ہو۔ سورج یا کسی اور مخلوق کو کسی کے ظاہر یا پوشیدہ حالات کی کیا خبر کہ وہ سجدے کے لائق ہو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔: یہ توحید کی تیسری دلیل ہے کہ وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ مالک تو وہ کائنات کی ہر چیز کا ہے، لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا۔ ایک تو اس لیے کہ عرش الٰہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی گو بہت بڑا ہے، مگر اسے عرش عظیم سے کوئی نسبت نہیں، جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ یہاں ہدہد کا کلام ختم ہوا۔ بعض مفسرین نے ان دو آیات کو اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہدہد کے کلام کے بعد توحید کی تعلیم کے لیے فرمایا ہے۔ ابن عباس ؓ نے فرمایا: "نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صُرَد (لٹورا) کو۔"[1]

﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۷ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝۲۹ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰ اَلَّا

---

[1] ۔[أبوداؤد، الأدب، باب في قتل الذر: ٥٢٦٧]

تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ
اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ
اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا
تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا
وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ
اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ
سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِيَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ
اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

سلیمان (علیہ السلام) نے (ہدہد سے) کہا: ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا
ہے یا تم جھوٹے ہو۔ (۲۷) میرا یہ خط لے جا کر اور اس کو ان کے آگے ڈال دے،

پھران کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔(۲۸)(ملکہ بلقیس نے) کہا کہ اے میرے سرداروں! بیشک میری طرف ایک عزت والا خط بھیجا گیا ہے۔(۲۹) بیشک یہ خط سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (۳۰) اس کے بعد یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔(۳۱) ملکہ کہنے لگی اے دربار والو! تم میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملے میں بھی حتمی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو۔(۳۲) وہ بولے! ہم بڑے زور آور اور جنگجو ہیں، اور فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔(۳۳) ملکہ نے کہا جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ۔(۳۴) اور بیشک میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔(۳۵) پھر جب قاصد سلیمان (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔پس جو کچھ اللہ نے ہمیں دیا ہے وہ

اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ تم ہی اپنے تحفوں سے خوش ہوتے ہو گے۔(۳۶) تم ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور ہم ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے۔(۳۷)

یہ قوم سورج کو اپنا معبود مانتی ہے۔ ایک اللہ کو چھوڑ کر وہ شیطان کی پیروی کرتی ہے۔ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں اتنا خوبصورت بنا دیا ہے کہ جس سے وہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر گم راہی میں جا پڑے ہیں حالانکہ ان کو اس اللہ کی عبادت و بندگی کرنا چاہیے تھی جو تمام آسمانوں اور زمین کے بھیدوں سے واقف ہے۔ اسی نے زمین کو سرسبز و شاداب بنایا ہے' وہی معبود برحق ہے اور اس کا تخت سلطنت ہی سب سے بلند و بالا ہے۔ ہدہد نے کہا شاید آپ کو اس سلطنت اور اس کی حکمران کے متعلق معلومات نہیں ہیں۔ مجھے جو معلوم ہوا وہ میں نے عرض کر دیا ہے۔

سلیمان (علیہ السلام) کا خط

حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے شان پیغمبری کے مطابق اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کیا اور فرمایا کہ تمہیں جیسے ہی میرا خط ملے تو ایک فرماں بردار کی طرح فوراً حاضر ہو جاؤ۔ خط کی مہر اور شاہی انداز سے لکھے گئے اس خط سے ملکہ بلقیس نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ خط ایک عظیم بادشاہ نے لکھا ہے جن سے وہ واقف بھی تھی۔ یہ دعوت ملکہ بلقیس کا تاج و تخت' حکومت و سلطنت حاصل کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ اسلام کے اس مزاج کی عکاسی تھی جو اس نے ہمیش انسانوں کو راہ راست پر رکھنے کے

لیے اختیار کی ہے تا کہ وہ کفر وشرک کو چھوڑ کر دین اسلام کی سچائیوں کی طرف آجائیں چنانچہ خود مختار قوموں کو یہ کہا گیا کہ وہ دین اسلام کو ایک سچا دین سمجھ کر اس کو قبول کرلیں تا کہ وہ ان کے بھائی بن کر برابر کی بنیاد اسلامی نظام کا ایک حصہ بن جائیں اور اگر وہ اس کو قبول نہیں کرتے تو اسلامی حکومت کی تابع داری قبول کرلیں اور سیدھے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں تا کہ ان کی حفاظت کی جاسکے۔ اور اگر یہ دونوں سورتیں ممکن نہ ہوں تو پھر وہ جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔ تلوار خود فیصلہ کردے گی کہ کس کو حکمرانی کا حق حاصل ہے۔

ملکہ بلقیس جنوبی عرب کی مشہور تجارت پیشہ، ترقی یافتہ اور مال دار قوم سبا کی حکمران تھی جس قوم سبا نے دنیا پر ایک ہزار سال تک حکمرانی کی ہے اور دنیاوی وسائل میں بہت مشہور ہے۔ اس نے پانی کو روکنے اور اس کو تقسیم کرنے کے لیے ایسے بہترین بند باندھ رکھے تھے کہ جس سے یہ ملک سرسبز وشاداب نظر آتا تھا۔ سورہ سبا میں اس کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔

ملکہ بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ

غرضیکہ جب ملکہ بلقیس کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا یہ خط پہنچا تو اس نے ملک کے تمام ذمہ داروں کو جمع کر کے پوچھا کہ میں ہمیشہ تم سے مشورہ کرتی ہوں مجھے یہ مشورہ دو کہ ہمیں اس موقع پر کیا کرنا چاہیے کہنے لگے کہ ہم بہترین اور ہر اعتبار سے جنگ کرنے کی عظیم صلاحیتیں رکھتے ہیں اگر ہمارے اوپر جنگ مسلط کی گئی تو ہم اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں ہمیں کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو ہر طرح تیار ہیں باقی آپ جیسے بہتر سمجھیں فیصلہ کر لیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مشورہ کے بعد ملکہ بلقیس جو نہایت ذہین عورت تھی اس نے عقل مندی اور ہوشیاری کا

مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اس ملک کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیتے ہیں۔ میں اپنی طاقت پر بے جا گھمنڈ کرنے کے بجائے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتی ہوں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان (علیہ السلام) کیا چاہتے ہیں۔ انہیں ہماری دولت سے غرض ہے یا وہ ہمیں دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس نے بڑے قیمتی تحفے بھیجے جس میں سونا' چاندی' قیمتی جواہرات کے علاوہ کچھ غلام اور باندیاں بھی بھیجیں۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے تحفے لانے والوں سے کہا کہ مجھے اللہ نے اس سے بھی زیادہ دیا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے نہیں کہا تھا کہ مجھے تمہاری دولت اور تحفوں کی ضرورت ہے بلکہ میں نے دین اسلام پیش کیا تھا۔ لہٰذا یہ تحفے قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ ملکہ سے جا کر کہہ دینا کہ اگر تم نے میری اس دعوت کو قبول نہ کیا تو میں ایک ایسے زبردست لشکر کے ساتھ حملہ کرنے والا ہوں جس کے سامنے تم اور تمہاری طاقت ٹھہر نہ سکے گی۔ گویا اب میدان جنگ میں تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

﴿ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ

طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ قٓ
لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا
عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾
فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ
وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا
كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾
قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ
عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ
اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

سلیمان (علیہ السلام) نے کہا کہ اے دربار والو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا

تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کہ میرے پاس حاضر ہوں ۔(۳۸) جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس (تخت) کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت بھی حاصل ہے اور میں امانتدار بھی ہوں۔(۳۹) ایک شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس (تخت) کو آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں، جب سلیمان (علیہ السلام) نے تخت کو اپنے پاس رکھے ہوئے دیکھا تو کہا کہ "یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بیشک میرا رب بے پرواہ سب خوبیوں والا ہے۔(۴۰) سلیمان (علیہ السلام) نے (ملکہ کی عقل کو آزمانے کے لیے) حکم دیا کہ اس کے لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔(۴۱) پھر جب ملکہ (بلقیس) حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی یہ تو گویا وہی ہے اور اور ہمیں اس سے پہلے ہی حقیقت حال معلوم ہو گئی

تھی اور ہم فرماں بردار ہو گئے تھے۔(۴۲) ملکہ کو (ایمان لانے سے) ان چیزوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی تھی کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔(۴۳) اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ جب اس (ملکہ) نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور (پائنچے اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان (علیہ السلام) نے کہا بیشک یہ شیشوں سے جڑا ہوا محل ہے، وہ بولی اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ہاتھ پر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔(۴۴)

بلقیس کا تخت اٹھانے کا پروگرام

سلیمان (علیہ السلام) کا مقصد اس سے یہ تھا کہ جب وہ یہاں پہنچ کر اپنے تخت کو موجود پائے تو اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو کیسی غیر معمولی قوتیں عطا فرماتا ہے، تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ میں واقعی اللہ کا نبی ہوں اور اس کی عقل کا بھی امتحان ہو جائے کہ کچھ تبدیلی کے بعد وہ اپنا تخت پہچانتی ہے یا نہیں۔ بعض مفسرین نے سلیمان (علیہ السلام) کے ملکہ کا تخت منگوانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اس کے پہنچنے سے پہلے اس کے تخت پر قبضہ کر لینا چاہتے تھے، کیونکہ جب وہ پہنچ کر اسلام قبول کر لے گی تو اس کے مال پر قبضہ جائز نہ ہوگا۔ مگر یہ بات سراسر غلط ہے، کیونکہ سلیمان (علیہ السلام) کے پاس تو ہر چیز ملکہ سے کہیں بہتر اور بڑھ کر موجود تھی اور کسی شخص کے مسلمان ہونے کی امید پر اس کی مدد کے بجائے

پہلے ہی اس کے اموال پر قبضہ جمانے کی فکر کرنا ایک نبی تو دور خلفائے اسلام کی شان کے لائق بھی نہیں۔ ویسے بھی پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔

عفریت کا معنی

اس آیت میں ہے عفریت من الجن نے کہا، عفریت کا معنی ہے بہت بڑا جن، قوی ہیکل دیو، علامہ راغب اصفہانی نے کہا جنات میں سے عفریت اس کو کہتے ہیں جو موذی اور خبیث ہو، جیسے بہت بدکار اور سازشی انسان کو شیطان کہا جاتا ہے اسی طرح بہت خبیث جن کو عفریت کہا جاتا ہے۔ [1]

امام ابن جریرؒ نے کہا عفریت کا معنی سرکش اور قوی ہے اور اس جن کا نام کوزن تھا۔ [2]

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس کا نام صخر تھا۔

عفریت من الجن کی پیشکش کہ وہ دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا اس عفریت من الجن نے کہا میں آپ کی مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ مجاہد، سدیؒ اور دیگر مفسرین نے کہا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے اور دیگر کارروائی کے لیے صبح کے اول وقت سے لے کر زوال تک بیٹھتے تھے۔ اس جن نے کہا میں اس تخت کے لانے پر قوی ہوں اور اس میں جو قیمتی ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں ان پر میں امین ہوں۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے کہا میں اس سے بھی زیادہ

۱۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۴۱)

۲۔ (جامع البیان جز ۱۹ ص ۱۹۷)

جلدی چاہتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس تخت کو اس لیے منگوانا چاہتے تھے کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عظیم سلطنت عطا کی ہے اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ان لشکروں کو مسخر کر دیا جن کو ان سے پہلے کسی اور کے لیے مسخر نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی اور کے لیے ایسی سلطنت فرماں روائی ہوگی اور تا کہ آپ کی یہ سلطنت بلقیس کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہو کیونکہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) شام میں تھے اور بلقیس یمن کے شہر صنعا میں تھی اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا اور وہ تخت نو کوٹھڑیوں میں سے نویں کٹھڑی میں تالوں میں بند تھا اور اس کے گرد محافظ اور چوکیدار مستعد بیٹھے تھے۔ [1]

چنانچہ جب بلقیس آئیں تو حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ان کو تخت دکھا کر فرمایا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگیں ہاں ہے تو ایسا ہی اور ہمیں تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہوگئی۔

سلیمان (علیہ السلام) کے پاس ایک ایسا محل تھا جس کا فرش شیشے کا بنا ہوا تھا، اس کے نیچے ایک بڑا تالاب تھا جس میں بہت سے مچھلیاں تھیں۔ اس تالاب کے پانی میں تموج پیدا ہوتا رہتا تھا، انھوں نے بلقیس اور اس کی قوم کو اپنی نبوت اور عظیم سلطنت کی ایک اور نشانی دکھانا چاہی، چنانچہ وہ اس محل میں جا کر بیٹھ گئے۔ ان کے ارد گرد انسانوں اور جنوں کا ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ پھر اس سے کہا گیا کہ سلیمان (علیہ السلام) اس سے اس محل میں ملنا چاہتے ہیں۔ جب اسی نے اس محل کو دیکھا تو اس نے پانی سمجھ کر اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھا لیا، تو سلیمان (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ یہ پانی نہیں، بلکہ شیشے کا فرش ہے، یہ آخری چیز تھی جس نے بلقیس کی آنکھیں کھول دی۔ اسی لیے وہ بے ساختہ پکار اٹھی کہ

---

[1] ۔ (تفسیر کثیر ج ۳ ص ۴۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں اب تک اللہ کے بجائے آفتاب کی پرستش کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں، اب میں سلیمان (علیہ السلام) کی پیروی کرتے ہوئے اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں اور اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہوں۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ ﴾

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو اچانک وہ دو گروہ ہو کر جھگڑ رہے تھے۔(۴۵) صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ اے قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو اور تم کیوں اللہ سے مغفرت طلب نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(۴۶)

انہوں نے کہا ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو باعث نحوست خیال کرتے ہیں۔ صالح (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست تو اللہ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ (۴۷) اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے تھے اور وہ اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔ (۴۸)

حضرت صالح (علیہ السلام) اور قوم ثمود کا تعارف

حضرت صالح (علیہ السلام) جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود (علیہ السلام) کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے اس کو عاد ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔

یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے وہ سب الحجر ہے، آج کل یہ جگہ فج الناقۃ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ کفر و شرک چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کریں تو دین کے معاملے میں ان میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک کافروں کا گروہ اور دوسرا مومنوں کا گروہ۔ یہ دونوں گروہ دین کے معاملے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔

لیکن صالح (علیہ السلام) کی اس گفتگو کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے جواب میں کہا کہ اے صالح! ہم لوگ تو تم سے اور تمہارے ماننے والوں سے بدشگونی ہی لیتے ہیں، یعنی جب سے تم نے یہ نئی بات شروع کی ہے ہمیں نقصان ہی پہنچتا آیا ہے۔ صالح (علیہ السلام) نے جواب میں ان سے کہا کہ تمہیں جو

بھی خیر و شر پہنچتا ہے وہ اللہ کی تقدیر سے پہنچتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو تمہیں روزی دیتا ہے، نہیں چاہتا تو محروم رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم پر تمہارے کفر اور گمراہی کا جادو چل گیا ہے۔ جو بات تمہاری خواہش نفس کے مطابق ہوتی ہے اسے اپنے لیے اچھا سمجھتے ہو اور جو تمہاری خواہش اور مرضی کے موافق نہیں ہوتی اسے اپنے لیے بدشگونی سمجھتے ہو۔

اونٹنی کو قتل کرنے والے نو آدمیوں کے نام

اس کے بعد فرمایا: اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ (النمل: ۴۷)

حضرت صالح (علیہ السلام) کے شہر سے مراد حجر ہے۔ مدینہ اور شام کے درمیان جو بستیاں اور قصبات ہیں ان کو حجر کہتے ہیں یہ جگہ قوم ثمود کا وطن تھی' یہ لوگ پہاڑوں کو اندر سے کھود کھود کر اپنے گھر بناتے تھے ان کو اثالث کہا جاتا ہے' ان ہی پہاڑوں میں پانی کا وہ چشمہ بھی تھا جس سے حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی پانی پیتی تھی' نیز حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے۔ حطیم اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو حضرت ابراہیم نے کعبہ میں شامل کیا تھا لیکن قریش نے چھوڑ دیا۔

یہ نو شخص وہ تھے جنہوں نے حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ ایڑی کے اوپر جو پاؤں کے پٹھے ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں ان نو شخصوں کے ناموں کا ذکر اس روایت میں ہے:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں ان کے نام یہ تھے رعمی' رعیم' ہریم' ودار' صواب' ریاب' مسطع'

مصداع اوران کا سردار قدار بن سالف تھا اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ [1]

﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ﴾

انہوں نے کہا کہ تم سب آپس میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح (علیہ السلام) اوران کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ہم ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور بیشک ہم سچے ہیں۔(۴۹) اورانھوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک ایسی تدبیر کی کہ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔(۵۰)

صالح (علیہ السلام) پر حملہ کا پروگرام

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر انہوں نے کہا چلو مل کر صالح کو قتل کر دیں' اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے

۱۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۴۶۶' ج۹ ص۲۹۰۰)

اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے۔ وہ شب خون مارنے کے لیے رات کو حضرت صالح کے گھر پہنچے' فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا' جب وہ وقت مقرر پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح (علیہ السلام) کے گھر گئے' وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت صالح (علیہ السلام) سے پوچھا کیا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح (علیہ السلام) پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' تو حضرت صالح کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے اور کہا تم ان کو قتل نہیں کر سکتے' انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا' اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا اور پھر ان نو آدمیوں کے حمایتی واپس چلے گئے۔ [1]

﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ ﴾

تو دیکھو ان کی چال کا انجام کیا ہوا ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۶۸' ج ۹ ص ۲۹۰۰)

۔(۵۱) پس یہ ان کے گھر ویران پڑے ہوئے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ لوگ کرتے رہے تھے، بلاشبہ اس میں ایک بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔(۵۲) اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور اپنے (رب کی نافرمانی سے) بچتے رہتے تھے۔(۵۳)

قوم صالح پر عذاب

ایک قول یہ ہے کہ حضرت صالح (علیہ السلام) پر چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے' اور باقی لوگ عذاب سے ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے فرمایا تھا تم پر تین دن بعد عذاب آئے گا' پہلے دن ان کے بدنوں پر چنے کے برابر سرخ دانے نکل آئے۔ دوسرے دن ان کا رنگ پیلا ہو گیا اور تیسرے دن ان کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کو ذبح کیا تھا اور تین دن بعد اتوار کو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی چیخ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

حضرت صالح (علیہ السلام) اپنے متبعین کے ساتھ حضرموت کی طرف نکل گئے تھے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) جیسے اس شہر میں داخل ہوئے اسی وقت ان پر موت آ گئی اس لیے اس شہر کا نام حضرموت پڑ گیا۔ حضرموت کا معنی ہے حاضر ہوا اور مر گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرموت قحطان کے ایک بیٹے کا نام ہے جو اس علاقہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ یمن سے مشرق کی طرف ایک وسیع علاقہ ہے جس میں بیسیوں بستیاں اور شہر ہیں' شہروں میں مشہور تریم اور شام ہیں۔ حضرت ہود (علیہ السلام) اسی علاقہ میں مدفون

ہیں۔[1]

﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ﴾

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ "تم بے حیائی کے کام کیوں کرتے ہو، حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ (۵۴) کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف شہوت کے ارادے سے آتے ہو۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ (۵۵) مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوط

[1] (الجامع لاحکام القرآن ومعجم البلدان)

(علیہ لسلام) کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ (۵۶) پس ہم نے لوط (علیہ السلام) اور اس کے گھر والوں کو نجات دیدی مگر ان کی بیوی کے لیے ہم نے مقرر کر رکھا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ (۵۷) اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی سو یہ بہت ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو ڈرایا گیا تھا۔ (۵۸)

پتھروں کی بارش

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے فرشتے حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے۔ انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا' قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ حضرت لوط نے فرمایا تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کرلو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔ ان کی قوم نے کہا تم کو معلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے' تب حضرت لوط (علیہ السلام) نے کہا کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو، مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیتا۔ تب حضرت جبرائیل نے مڑ کر حضرت لوط سے کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے' جب وہ لوگ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آرہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی اور آدھی رات کے وقت شہر

لوٹے اور اسی وقت اس زمین کو اوپر اٹھا لیا گیا اور ان پر آسمان سے لگا تار پتھر برسائے گئے اور اس زمین کو بلندی سے پلٹ کو اوندھا کر دیا گیا۔ [1]

اہل سے مراد یہاں صرف اہل خانہ نہیں بلکہ آپ (علیہ السلام) کے اہل وعیال اور اتباع وصحابہ سب مراد ہیں۔ اور پیچھے پلٹ کر نہ دیکھیں۔ البتہ آپ (علیہ السلام) کی بیوی آپ (علیہ السلام) کے ساتھ نہیں جائے گی ہم نے اسے کے بارے میں طے کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ یعنی آپ (علیہ السلام) کی قوم پتھروں کے جس عذاب کا شکار ہونے والی ہے آپ کی بیوی بھی ان میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ وہ بدنصیب خاتون ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے نبی کی مصاحبت نصیب ہوئی لیکن اس کی ہمدردیاں اپنی نابکار قوم کے ساتھ رہیں۔ ایسی عورت تو دوسرے لوگوں سے زیادہ عذاب کی مستحق ہے۔

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ
اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ
لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ ﴾

---

[1] ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۹۳-۱۶۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب فرما لیا۔ اللہ بہتر ہے یا وہ لوگ جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔(۵۹) بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں ۔(۶۰)

اللہ کے برگزیدہ بندے

اوپر جو سرگزشتیں بیان ہوئیں ان کا اختتام اللہ کی حمد اور برگزیدہ بندوں کے لیے سلام پر ہوا ہے، ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کے عدل، حکمت اور رحمت کی صفات کا ظہور ہوا ہے۔ اس لیے وہ اس پر حمد و ستائش کا مستحق ہے اور اس کے منتخب بندوں۔ پیغمبروں۔ نے اپنی ذمہ داریوں کو جس حسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا اس پر وہ اللہ کے ہاں اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر سلامتی ہی سلامتی ہو۔ اہل ایمان کے دل سے ان کے لیے سلامتی ہی کی دعائیں نکلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نبی کے نام کے ساتھ (علیہ السلام) کہا اور لکھا جاتا ہے۔

آیت:۶۰ اور اس سے اگلی تین چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ، رحمت، ربوبیت اور توحید کے ایسے دلائل بیان کیے ہیں کہ جن میں سے اکثر دلائل کے مشرکین مکہ بھی معترف تھے۔ سب سے پہلی

دلیل تو یہ ہے کہ آسمانوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور زمین کا بھی۔ آسمان سے مینہ برساتا ہے جسے زمین جذب کرتی ہے، تو اس کی قوت روئیدگی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ اس سے فصلیں، غلے، پھل، پھول اور مویشیوں کے لیے گھاس اور چارہ اگتا ہے۔ اس طرح روئے زمین پر جتنی بھی اللہ کی مخلوق بس رہی ہے سب کی غذا کا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ اب بتایئے کہ اس پورے نظام ربوبیت عامہ میں کوئی فرشتہ، کوئی نبی، کوئی ولی، کوئی بزرگ یا کوئی دوسرا معبود شریک ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کی عبادت کی جائے؟ ظاہر ہے اس کے سوا کوئی جواب نہیں کہ یہ سارے کام اللہ کے ہیں، تو پھر تم کیوں اللہ کے سامنے کسی اور کی پرستش کرتے ہو؟

سوال مشرکین سے ہے کہ بتاؤ جو خدا اس حکمت کے ساتھ بندوں پر حکومت کر رہا ہے وہ بہتر ہے یا اینٹ پتھر کے وہ بت جن کو تم نے خدا کا درجہ دے رکھا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ نبوت سے قبل (وادء) بلدح کے نشیبی علاقے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی، پھر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا تو زید بن عمرو بن نفیل نے کھانے سے انکار کر دیا اور (جن لوگوں نے دسترخوان بچھایا تھا، ان سے) کہا کہ تم اپنے بتوں کے نام پر جو ذبیحہ کرتے ہو میں اسے نہیں کھاتا، میں تو بس وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ زید بن عمرو بن نفیل قریش پر ان کے ذبیحے کے بارے میں عیب بیان کیا کرتے تھے کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اسی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اسی نے اس کے لیے زمین سے گھاس اگائی، پھر تم لوگ اسے غیر اللہ (

یعنی بتوں) کے نام پر ذبح کرتے ہو؟۔ [1]

﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ
وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾ ﴾

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں
بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنادی؟

---

[1]۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل: ۳۸۲۶]

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ (٦١) بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب وہ اسے پکارے، اور اس کے دکھ کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے، تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (٦٢) بھلا وہ کون ہے جو تمہیں خشکی میں اور دریا کے اندھیروں میں راہ بتاتا ہے اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (٦٣) بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے؟ پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ (اے مشرکو) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ (٦٤):

معبود کی نشانیاں

(٦١) بھلا کس نے زمین کو بسنے والوں کے لیے قرارگاہ بنایا اور زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا اور زمین کے درمیان ندیاں بنائیں اور اس زمین کے ٹھہرانے کے لیے بھاری بھاری پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے مابین ایک آڑ بنائی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ہرگز نہیں بلکہ ان میں کے بہت سے تو اتنی

موٹی بات سمجھتے بھی نہیں یعنی زمین کو ایسا بنایا کہ اس میں انسان اور حیوانات آباد ہو سکیں پھر اس زمین کے درمیان ندیاں بنائیں جس کے پانی کو پیا جا سکے اور کھیتی کے کام میں بھی آ سکے اور زمین کے ٹھیراؤ اور جماؤ کے لیے جگہ جگہ زمین میں بھاری پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان روک اور حاجب بنایا کہ دو دریا آپس میں مل نہ جائیں اور ایک دریا دوسرے دریا کو متاثر نہ کر دے تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے جو اس کا ہاتھ بٹاتا ہو کوئی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ اکثر لوگ ان میں کے ان موٹی موٹی باتوں کو سمجھتے تک نہیں۔

(۶۲) بھلا کون ہے جو بیقرار کی پکار کو پہنچتا ہے اور تکلیف و مصیبت کو دور کر دیتا ہے جب بیقرار اس کو پکارتا ہے اور کون ہے جو تم کو زمین میں اگلوں کو نائب بناتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف اور تصرف کا حقدار بناتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے اور یاد رکھتے ہو یعنی پہلوں کو لے جاتا ہے اور پیچھے آنیوالوں کو ان کے حقوق منتقل ہو جاتے ہیں اور پہلوں کے جانے کے بعد پچھلے تمام تصرفات کے حقدار ہو جاتے ہیں اسی طرح مضطر و بیقرار جب اس کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون پہنچتا ہے اور کون اس کی مصیبت پریشانی اور تکلیف کو کھولتا اور دور کرتا ہے کیا کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم سوچتے اور نصیحت قبول کرتے ہو ظاہر ہے کہ جب کوئی اور معبود نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں (بنی اسرائیل) میں سے تین آدمی (راستہ میں) چلے جا رہے تھے کہ اچانک بارش ہونے لگی۔ وہ لوگ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ اتفاق سے (ایک بڑا پتھر گرا اور) غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تینوں

آپس میں کہنے لگے، اللہ کی قسم! اب تو (اس مصیبت سے) تم کو سچائی ہی نجات دلائے گی، لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنے کسی ایسے نیک عمل کے وسیلہ سے، جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ اس نے خالص اللہ کے لیے کیا ہے، اللہ سے دعا کرے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک فرق (تین صاع) چاولوں پر ایک مزدور رکھا تھا، اس نے میرا کام تو کیا، مگر پھر (کسی بات پر غصہ میں آ کر) وہ اپنے چاول چھوڑ کر چلا گیا۔ اب میں نے اس کے حصہ کے چاول بو دیے اور ان سے اتنا فائدہ ہوا کہ میں نے اس کی آمدنی سے گائے بیل خریدے، پھر (جب ایک مدت کے بعد) وہ اپنی مزدوری مانگنے آیا تو میں نے کہا کہ جا! وہ سب گائے بیل لے جا۔ اس نے کہا، میرے تو تیرے پاس (صرف) ایک فرق چاول تھے۔ میں نے کہا، وہ سب گائے بیل لے جا، وہ تیرے چاولوں ہی سے خریدے گئے ہیں۔ آخر وہ ان سب کو لے گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ (خالص) تیرے ڈر سے کیا تو تو ہماری اس مصیبت کو دور کر دے۔ چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا۔ پھر دوسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے بوڑھے اور ضعیف والدین تھے۔ میں ہر رات کو (ان کے پلانے کے لیے) بکری کا دودھ لایا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے دیر ہو گئی، میں جب (دودھ لے کر) آیا تو وہ سو گئے تھے اور میرے بیوی بچے سب بھوک سے بے چین تھے۔ میری عادت تھی کہ پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا اور اس کے بعد بیوی بچوں کو۔ مجھے ان کو جگانا بھی اچھا معلوم نہ ہوا اور یہ بھی میں نے پسند نہ کیا کہ ان کو چھوڑ کر چلا جاؤں اور وہ (رات بھر) دودھ کا انتظار کرتے رہیں۔ چنانچہ میں ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے (اپنے ماں باپ کی) یہ خدمت (محض) تیرے ڈر سے کی تھی، تو تو ہماری اس مصیبت کو دور کر

دے۔اس پر وہ پتھر تھوڑا سا اور ہٹ گیا اور ان کو آسمان دکھائی دینے لگا۔ پھر تیسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی، جس کو میں سب سے زیادہ چاہتا تھا، میں نے اس سے صحبت کرنا چاہی تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا، ایسا اس حالت میں ہوسکتا ہے کہ تو مجھے سو اشرفیاں لا کر دے۔ سو میں سو اشرفیوں کی طلب میں نکلا، یہاں تک کہ وہ مجھے مل گئیں، چنانچہ میں نے سو اشرفیاں لا کر اس کے حوالے کر دیں اور اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ جب میں اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگی، اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق طریقہ سے نہ توڑ۔ یہ سنتے ہی میں کھڑا ہو گیا اور میں نے وہ سو اشرفیاں بھی چھوڑ دیں۔ اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے (خالص) تیرے ڈر سے ایسا کیا تھا تو اے اللہ! تو ہماری یہ مصیبت دور کر دے تو اللہ نے پتھر کو ہٹا دیا اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔"[1]

(۶۳) بھلا کون ہے جو جنگل اور دریا کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی اور رہبری کرتا ہے اور کون ہے جو اپنی رحمت اور بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا اور چلاتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے شرک سے بلند و بالاتر ہے یعنی جنگل کی اندھیریوں اور سمندر کی تاریکیوں میں کون سیدھا راستہ بتاتا ہے اور تاروں کے ذریعے کون تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور اپنی رحمت یعنی بارش جو سراسر رحمت ہے اس بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے جس سے باران رحمت کی امید بلکہ یقین ہو جاتا ہے کیا ان باتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی قابل عبادت ہے جو اس کی مدد کرتا اور ہاتھ بٹاتا ہے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے شرک سے بہت بلند و بالاتر ہے یعنی جو اپنی

---

[1]۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار: ۳۴۶۵]

خدائی میں کسی کا محتاج نہیں یہ بدنصیب اس معبود برحق کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں۔
سیدنا سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عام معافی کا اعلان کیا، سوائے چار آدمیوں اور دو عورتوں کے، ان سے متعلق حکم ارشاد فرمایا: "انھیں قتل کر دو، اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے ہوں۔" ان میں ایک عکرمہ بن ابوجہل بھی تھے۔ انھوں نے جب یہ حکم سنا تو سمندر کے ذریعے سے راہ فرار اختیار کی۔ اتفاق کہ کشتی والوں کو تند و تیز ہوا نے آلیا، اب کشتی والوں نے کہا کہ اللہ کو خلوص سے پکارو، کیونکہ اس موقع پر تمہارے (جھوٹے) معبود کچھ کام نہیں آئیں گے۔ تو عکرمہ نے کہا، اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف اللہ ہی نجات دیتا ہے تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دیتا، اے اللہ! اگر تو نے مجھے میری اس مصیبت سے عافیت دے دی تو میرا تجھ سے پختہ وعدہ ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، کیونکہ میں آپ کو درگزر کرنے والا اور مہربان پاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آئے اور آ کر اسلام قبول کر لیا۔ [1]

(۶۴) بھلا کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے آپ ان سے فرمائیے اچھا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی برہان اور دلیل پیش کرو یعنی پہلی بار اس کا پیدا کرنا تو سب کو تسلیم ہے اور دوبارہ پیدا کرنے پر براہین اور دلائل قطعیہ پر قائم ہیں آسمان سے پانی برسا کر زمین سے ہر قسم کے رزق کا سامان پیدا کرتا ہے اللہ کے ساتھی اور مددگار بھی نہیں بناتے پھر ان اصنام کو استحقاق عبادت پر تمہارے پاس جو دلیل ہو وہ پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں صادق اور سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ یہ

---

[1] [نسائی، کتاب تحریم الدم، باب الحکم فی المرتد: ۴۰۷۲]

بھی عبادت اور پوجا کے مستحق ہیں وہ متقضیات عبادت پیش کرو اور دلائل سے ثابت کرو جن سے غیر اللہ کا حق عبادت ثابت ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۛ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۛ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ ﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا ہے اور نہ انہیں معلوم ہے کہ وہ کب دوبارہ

زندہ کئے جائیں گے۔(۶۵) بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) آخرت کے بارے میں ان کا علم تھک کر رہ گیا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔(۶۶) اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر نکالے جائیں گے؟۔(۶۷) بلاشبہ یقینا اس سے پہلے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۔(۶۸) آپ فرما دیجیے تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ ۔(۶۹) اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ ان (کے احوال) پر غم گین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر وفریب سے تنگ دل ہوں۔(۷۰) اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ قیامت کے آنے کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟۔(۷۱)

مسئلہ علم غیب

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آخرت کے بارے میں ایک قسم کی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے۔ان کے بعض سر پھرے کبھی ایسے الفاظ بولتے جیسے کہ وہ آخرت کے منکر ہوں۔مگر عام لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ نفس آخرت کا انکار نہیں کرتے تھے۔البتہ پیغمبر کے تصور آخرت کو ماننے میں زندگی کی آزادیاں ختم ہوتی تھیں اس لیے ان کا نفس اس کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔چنانچہ اس کے جواب میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے جیسے کہ وہ شک میں ہوں اپنی اسی ذہنی کیفیت کی وجہ سے انہوں نے آخرت کے دلائل پر

کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا۔اس کے بارے میں وہ اندھے بہرے بنے رہے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے تھے،تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:(قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ)[النمل:٦٥]" کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ غیب نہیں جانتا۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا انکار کرنے والوں کا علم ختم ہو چکا ہے یعنی ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ حقیقت ہے کہ مشرک آخرت کا منکر ہوتا اگر اسے یقین ہو کہ قیامت کو اس سے شرک کے بارے میں سوال ہوگا تو کبھی شرک نہ کرے،مگر اس کے باوجود آخرت کے منکر شک میں مبتلا ہیں جس بنا پر قیامت پر یقین کرنے کے بارے میں اندھے ہو چکے ہیں۔جنہیں "اللہ" کے سوا یا اس کے ساتھ پکارتے ہیں انھیں علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے؟

منکرین آخرت اپنے موقف کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں" کیا ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟" یہ ایسی بات ہے جس کا ہمارے باپ دادا اور ہم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے آج تک کوئی زندہ نہیں ہوا اور نہ ہم زندہ کیے جائیں گے۔یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ان میں کوئی حقیقت نہیں۔قرآن مجید نے مختلف الفاظ اور انداز میں اس کے کئی جواب دیے ہیں۔یہاں صرف اس جواب پر اکتفا کیا ہے کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! انھیں فرمائیں دنیا کی تاریخ پڑھو اور زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ قیامت کے منکروں اور اللہ کے باغیوں کا

---

[1]۔[مسلم،کتاب الایمان،باب معنی قول اللہ عزوجل:(ولقد رٰہ نزلۃ اُخری)۔۔الخ:۱۷۷۔بخاری،کتاب التفسیر،باب:٤٨٥٥]

کیا انجام ہوا؟ بار بار دلائل دینے اور سمجھانے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو ان کے انکار اور شرارتوں پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہاں آخرت کے منکروں کے لیے مجرم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب آدمی یہ عقیدہ بنا لیتا ہے کہ مجھے اپنے اعمال کا مرنے کے بعد کسی کو جواب نہیں دینا ایسا شخص ظلم اور جرم کرتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں کرتا۔ بالخصوص وہ شخص جو کسی نہ کسی طرح لوگوں کی گرفت اور سزا سے بچنے کے اسباب رکھتا ہے۔ ایسا شخص انسانیت کی حدود سے نکل کر درندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ آخرت کا انکار جرائم کا سب سے بڑا سبب ہے انسان کو آخرت کی جوابدہی کا فکر ہو تو وہ اقتدار اور اختیار رکھنے کے باوجود ظلم کرنے سے بچتا ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہوتا ہے اگر میں کسی سبب قانون اور لوگوں سے بچ نکلا تو قیامت کے دن ضرور پکڑا جاؤں گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ۔۔: کافروں کا یہ کہنا اس لیے نہیں تھا کہ وہ جاننا چاہتے تھے کہ قیامت اور اس میں ہونے والا عذاب کب واقع ہوگا، بلکہ وہ یہ بات قیامت کا مذاق اڑانے کے لیے کہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اسے جلد از جلد لانے کا مطالبہ کریں گے، جب وہ ہمارے تقاضے کے مطابق واقع نہیں ہوگی تو ہمیں اس کا مذاق اڑانے کا اور اسے جھوٹ قرار دینے کا موقع مل جائے گا۔

﴿ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ ہوسکتا ہے جس چیز کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو۔ (۷۲) اور بیشک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (۷۳) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (۷۴) اور آسمان و زمین میں کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں مگر ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ (۷۵)

مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ خیال کہ قیامت اگر قائم ہونے ولی ہے تو ابھی کیوں نہیں قائم ہوجاتی تمہاری جلد بازی کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ قیامت کا دن مجرموں کے لیے عذاب کا دن ہوگا اور اگر قیامت آنے میں ابھی کچھ دیر ہے تو وہ دن تو بالکل قریب آ لگا ہے جب کہ یہ دنیا میں ہی برے انجام سے دوچار ہونگے۔ مراد وہ عذاب ہے جو رسول کو جھٹلانے والی قوم پر دنیا ہی میں آتا ہے چنانچہ ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ بدر و حنین کے معرکے پیش آئے اور پیغمبر کی زندگی ہی میں وہ لوگ ہلاک ہوکر رہے جن کا کفر کبھی ان سے جدا ہونے والا نہ تھا۔ اور وہ ہلاک ہوئے تو عالم برزخ میں ان کی روحوں پر عذاب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس طرح جس عذاب کے لیے وہ جلدی مچا رہے تھے وہ بالآخر اس کی گرفت میں

آ گئے۔

وما من غائبۃ فی السمآء والارض الا فی کتب مبین حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ یہاں غائبہ سے مراد قیامت ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان اور زمین کے عذاب میں سے جو ان سے غائب ہے وہ مراد ہے، نقاش نے یہ بیان کیا ہے۔ابن شجرہ نے کہا: غائبہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ اور غائب رکھا ہے یہ عام ہے۔غائبہ کے آخر میں ھاء داخل ہے یہ جمع کی طرف اشارہ ہے تو یہ لوگ جسے پوشیدہ رکھتے ہیں یا اس کا اظہار کرتے ہیں وہ کیسے اس پر مخفی ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر شے جسے ام الکتاب میں ثبت کیا ہے وہ اسے اجل موجل کے لیے نکالتا ہے۔جس عذاب کی وہ جلدی مچاتے ہیں وہ بھی اجل مضروب ہے وہ وقت نہ پہلے ہوسکتا ہے نہ پیچھے ہوسکتا ہے۔کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا اس کو اس میں ثبت فرما دیا تا کہ ملائکہ میں سے جس کے بارے میں وہ چاہتا ہے اس کو آگاہ کرتا ہے۔[1]

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا

---

[1] تفسیر قرطبی

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى
الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی ان باتوں (کی حقیقت) کو بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔(۷۶) اور بیشک یہ (قرآن) ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔(۷۷) بیشک آپ کا پروردگار اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور وہ زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۷۸) پس آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں۔(۷۹) بیشک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔(۸۰) اور نہ آپ اندھوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت دے سکتے ہیں۔ آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ فرماں بردار بن جاتے ہیں۔(۸۱)

اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: یہود و نصاریٰ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے تھے، اس بنا پر ان کے درمیان سخت اختلافات پائے جاتے تھے، مثلاً عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہودی جھوٹا اور ولد الزنا کہتے

تھے۔نصاریٰ نے یہاں تک غلو کیا کہ انھیں عین ذات الٰہی یا اس کا بیٹا بنا بیٹھے۔(نعوذ باللہ) اسی طرح اور بھی بہت سے امور تھے جن میں ان کے درمیان سخت اختلافات پائے جاتے تھے۔ان میں حق اور اعتدال کی راہ قرآن نے واضح کی جو قرآن کے حق ہونے کی دلیل ہے۔(دیکھیے مائدہ:۴۸) اگر وہ اس راہ کو اختیار کرتے تو ان میں ہرگز کوئی اختلاف نہ رہتا اور ان سب کی فرقہ بندی ختم ہو جاتی۔

یہ جو فرمایا کہ قرآن بنی اسرائیل کے لیے اکثر وہ چیزیں بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، تو اس میں اشارہ ہے کہ اس نے بہت سی باتیں جن میں ان کا اختلاف ہے، بیان نہیں کیں، کیونکہ ان کے ذکر کرنے سے کوئی اہم مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا اور اس لیے کہ اس میں ان کی بعض خطاؤں اور لغزشوں کی پردہ پوشی ہے جو ان سے سرزد ہوئیں۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ذکر نہ کرنے کو اپنی طرف سے عفو قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: [المائدۃ: ۱۵] "اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہارے لیے ان میں سے بہت سی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے، جو تم کتاب میں سے چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔"

آپ اللہ پر بھروسہ کریں اور یقین رکھیں کہ آپ واضح طور پر حق پر گامزن ہیں۔اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے العزیز کی صفت لا کر اپنے پیغمبر کو مخصوص انداز میں مستقبل کی کامیابی کی خوشخبری دی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہجرت مکہ کے بعد دو صورتوں میں پورا فرمایا۔ نبی معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بڑے بڑے دشمن آپ کے ہاتھوں ذلت کی موت مرے، باقی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے یہودیوں کو ذلیل ہو کر مدینہ چھوڑنا پڑا۔عیسائیوں کی سب سے بڑی حکومت آپ کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب نہ

لاسکی اس طرح پوری دنیا میں اسلام کی عظمت اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صداقت کا پھریرا بلند ہوا۔

سماع موتی کا عقیدہ

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ ۔: یہ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تسلی ہے کہ آپ ان لوگوں کے قرآن پر ایمان نہ لانے سے دل گرفتہ نہ ہوں، ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انھوں نے طے کر رکھا ہے کہ انھوں نے ایمان لانا ہی نہیں۔ یہ کافر لوگ مردوں کی طرح ہیں، جنھیں دعوت دینا اور نصیحت کی کوئی بات سنانا قطعی سود مند نہیں اور یہ ان بہروں کی طرح ہیں جو پیٹھ دے کر بھاگ رہے ہوں۔ اگر وہ سامنے دیکھ رہے ہوتے تو شاید توجہ کے ساتھ کچھ سمجھ جاتے، مگر پیٹھ دے کر بھاگنے کی صورت میں تو ممکن ہی نہیں کہ وہ کوئی بات سن سکیں۔ روحانی موت اور روحانی بہرے پن کو جسمانی موت اور جسمانی بہرے پن کے ساتھ تشبیہ سے ظاہر ہے کہ مردوں کو کوئی بات سنائی نہیں جاسکتی۔ یہ نفی عام ہے، اس سے صرف وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جو دلیل (کتاب وسنت) سے ثابت ہوں اور وہ صرف دو ہیں، ان کے علاوہ کسی آیت یا صحیح حدیث سے مردوں کا سننا ثابت نہیں۔ ایک موقع وہ ہے جو انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس سے رخ پھیر لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چل دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے، تو اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں، اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: "اس شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟" وہ جواب دیتا ہے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" تو اس سے کہا جاتا ہے: "جہنم میں

اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھ، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تیرے لیے ایک ٹھکانا جنت میں بنا دیا ہے۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پھر اس بندہ مومن کو جنت و جہنم دونوں دکھائی جاتی ہیں۔ اور رہا کافر یا منافق تو وہ (اس سوال کے جواب میں) کہتا ہے: "مجھے نہیں معلوم، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا، وہی میں بھی کہتا رہا۔" تو اسے کہا جاتا ہے: "نہ تو نے کچھ سمجھا اور نہ (اچھے لوگوں کی) پیروی کی۔" اس کے بعد ہتھوڑے کے ساتھ اس کے دونوں کانوں کے درمیان (یعنی سر پر) بڑی زور سے مارا جاتا ہے اور وہ اتنے بھیانک طریقے سے چیختا ہے کہ انسان اور جن کے سوا اردگرد کی تمام مخلوق اس چیخ چیخ پکار کو سنتی ہے۔"[1]

دوسرا موقع ابوطلحہؓ سے مروی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن قریش کے سرداروں میں سے چوبیس آدمیوں کے متعلق حکم دیا تو وہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک خبیث گندگی والے کنویں میں پھینک دیے گئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کسی قوم پر فتح پاتے تو میدان میں تین دن ٹھہرتے تھے۔ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ نے اپنی اونٹنی کے متعلق حکم دیا تو اس پر اس کا پالان کسا گیا، پھر آپ چل پڑے اور آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب بھی چل پڑے اور کہنے لگے، ہمارا خیال یہی ہے کہ آپ اپنے کسی کام کے لیے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور انھیں ان کے اور ان کے باپوں کے نام لے لے کر پکارنے لگے: "اے فلاں بن فلاں! اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمھیں پسند ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی، کیونکہ ہم نے تو جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا اسے حق پایا، تو کیا تم نے بھی جو تمہارے رب نے

---

[1] [صحیح بخاری، الجنائز، باب المیت یسمع ۔۔: ۱۳۳۸]

وعدہ کیا تھا، حق پایا؟" تو عمرؓ نے کہا: "یارسول اللہ! آپ ان جسموں سے کیا بات کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔" تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! تم ان سے زیادہ وہ باتیں سننے والے نہیں جو میں انھیں کہہ رہا ہوں۔"[1]

ہمارا ایمان ہے کہ ان دونوں موقعوں پر مردے وہ بات سنتے ہیں جس کا حدیث میں ذکر ہے، ان کے سوا مردے زندوں کی کوئی بات نہیں سنتے، مگر ان دو احادیث کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے عقیدہ بنا لیا کہ تمام مردے سنتے ہیں اور ہر بات ہر وقت سنتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مردہ پرستی اور غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے فریاد کرنے کی بنیاد یہی عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں، ورنہ اگر یقین ہو کہ وہ سنتے ہی نہیں تو پاگل ہی ہوگا جو انھیں پکارے گا۔ قرآن مجید میں مردوں کے نہ سننے کا مضمون متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔ دیکھیے سورہ روم (۵۲) اور فاطر (۱۹ تا ۲۲) بلکہ مردوں کو خبر ہی نہیں کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے۔ دیکھیے سورہ نحل (۲۰، ۲۱)، فاطر (۱۳، ۱۴) اور احقاف (۴ تا ۶) اور قیامت سے پہلے فوت شدہ لوگ واپس بھی نہیں آتے۔ دیکھیے سورہ یٰس (۳۱) اور انبیاء (۹۵) عزیر (علیہ السلام) اور جن حضرات کا دنیا میں زندہ ہونا قرآن یا صحیح حدیث سے ثابت ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

﴿ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾

---

[1] ۔[صحیح بخاری، المغازي، باب قتل أبي جهل: ۳۹۷۶]

اور جب ان پر ہماری بات پوری ہونے کا وقت آ پہنچے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے گفتگو کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔

باتیں کرنے والا جانور

آخری زمانے میں قرب قیامت یہ جانور اس وقت نکلے گا جب لوگ بدترین ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل کر دین حق میں تبدیلی کر دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالے گا۔ یہ جانور لوگوں سے کہے گا کہ تم لوگ ان آیتوں پر ایمان نہیں لاتے جن میں قیامت کی خبر دی گئی ہے، میں قرب قیامت کی نشانی ہوں، مجھے اس اللہ نے قوت گویائی دی ہے جو قیامت لانے پر قادر ہے۔ اس جانور کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

قیامت کی دس نشانیاں

سیدنا حذیفہ بن اسید غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (بالا خانے سے) ہماری طرف جھانک کر دیکھا، ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: "کیا باتیں کر رہے ہو؟" ہم نے کہا، ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، جب تک تم دس نشانیاں اس سے پہلے نہ دیکھ لو گے۔" پھر آپ نے ذکر کیا دھویں کا، دجال کا، (زمین سے نکلنے والے) جانور کا، آفتاب کے مغرب سے نکلنے کا، عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کا اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا اور تین جگہ کے خسف (یعنی زمین دھنسنے) کا، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور

تیسرا جزیرہ عرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی ان کے محشر کی طرف لے جائے گی۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک حدیث سنی، جو آج تک مجھے یاد ہے۔ آپ نے فرمایا: "علامات قیامت میں سے پہلی علامت یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، پھر چاشت کے وقت لوگوں میں ایک جانور نکلے گا۔ ان دونوں میں سے جو نشانی بھی پہلے ظاہر ہوئی دوسری اس کے متصل بعد رونما ہو جائے گی۔" (۲)

سیدنا ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(زمین سے) ایک جانور نکلے گا جو لوگوں کی پیشانیوں پر نشان لگائے گا اور وہ (نشان زدہ) لوگ بہت زیادہ ہو جائیں گے، حتیٰ کہ آدمی کسی سے اونٹ خریدے گا تو کوئی پوچھے گا، یہ تو نے کس سے خریدا ہے؟ وہ جواب دے گا، میں نے یہ کسی نشان زدہ سے خریدا ہے۔" (۳)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "چھ چیزوں سے پہلے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو، ایک آفتاب کا مغرب سے نکلنا، دوسری دھواں، تیسری دجال، چوتھی زمین کا جانور، پانچویں موت اور چھٹی قیامت۔" (۴)

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ

۱۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ: ۲۹۰۱]

۲۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال ومکثہ فی الأرض۔۔الخ: ۲۹۴۱]

۳۔ [مسند أحمد: ۵/۲۶۸، ح: ۲۲۳۷۱۔ السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۲۲]

۴۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب فی بقیۃ من أحادیث الدجال: ۲۹۴۷]

يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور جس دن ہم ہر امت سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔(۸۳) یہاں تک کہ جب سب کے سب آجائیں گے تو ان کا رب ان سے پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا؟ تم نے انہیں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟۔(۸۴) اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر (عذاب کی) بات پوری ہو جائے گی تو وہ بول بھی نہ سکیں گے۔(۸۵)

قیامت کے دن اولین و آخرین سب ہی جمع کیے جائیں گے اور ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں میں سے علیحدہ کر دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان کی جماعت بندی باقی رکھنے کے لیے یوں کیا جائے گا کہ آگے پیچھے نہ رہیں سب ساتھ ہو کر حساب کی جگہ تک چلیں پھر جب موقف حساب میں پہنچ جائیں گے (جہاں حساب ہوگا) تو ان جھٹلانے والوں سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوگا کیا تم لوگوں نے میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں اپنے احاطہ علم میں بھی نہیں لائے یعنی آیات

کوسن کر اول تمہیں انہیں جاننا چاہیے تھا پھر اس میں غور کرتے تم نے تو سنتے ہی تکذیب کر دی، تکذیب ہی نہیں بلکہ تم دوسرے کام کیا کرتے تھے مثلاً انبیاء (علیہ السلام) کو قتل کرنا اور اہل ایمان کو تکلیف پہنچانا اور عقائد کفریہ اختیار کرنا اور فسق و فجور کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ اور ان کے ظلم و عدوان کی وجہ سے ان پر وعدہ عذاب پورا ہو کر رہے گا۔ اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ یعنی ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے ان پر عذاب کی بات پوری ہو جائے گی اور وہ جرم ثابت ہو جانے کے بعد کچھ بول نہ سکیں گے یعنی ابتداء میں کچھ عذر و معذرت کرتے رہیں لیکن بعد میں کوئی بات نہیں کہہ سکیں گے۔

﴿ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾ ﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے (تا کہ وہ کام کاج کر سکیں) بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ (۸۶) اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو

(سب لوگ) گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر جنہیں اللہ چاہے گا (نہیں گھبرائیں گے)، اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔(۸۷)

اب ان سے پوچھا جائے گا کہ صاحب یہ بتاؤ کہ وہ راتیں جو تم دنیا میں گزارا کرتے تھے اور ان میں آرام کیا کرتے تھے اور وہ دین جو تمہارے کام کاج کے لیے اور دیکھ کر چلنے پھرنے کے لیے بنائے گئے تھے اور ہر روز تم ایک بار رات سے اور ایک بار دن سے دو چار ہوتے تھے اگر تم کو یقین لانا ہی ہوتا تو وہ کوئی کم نشانیاں تھیں لیکن تم وہ لوگ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں رہتے ہوئے مزید نشانیاں طلب کرتے رہے اور ان پر کبھی تم نے غور نہ کیا وہ رب العالمین جو اس طرح باقاعدگی کے ساتھ ہم پر ہر دن کے بعد رات اور ہر رات کے بعد دن لا رہا ہے اس کی ان نشانیوں کو چھوڑ کر دوسری نشانیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر ایمان لانا مقصود ہو تو اس کے لیے تو صرف یہ دو نشانیاں ہی اتنی بڑی نشانیاں ہیں کہ مزید کسی نشانی کی طلب بیکار ہو جاتی ہے۔

کتنی بار صور پھونکا جائے گا

فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ: بعض مفسرین نے تین نفخے ذکر فرمائے ہیں، نفخہ فزع، نفخہ صعق اور نفخہ قیام، مگر صحیح بات یہی ہے کہ نفخہ فزع اور نفخہ صعق ایک ہی ہے، کیونکہ دونوں کے بعد "اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ" ہے۔ صعق کا لفظ بے ہوشی اور موت دونوں معنوں میں آتا ہے۔ پہلی دفعہ صور میں پھونکے جانے سے پیدا ہونے والی ابتدائی کیفیت فزع اور گھبراہٹ ہے، جو آخر میں ہر چیز کی ہلاکت اور فنا تک پہنچ جائے گی، پھر ایک طویل وقفے کے بعد، جس کی مدت اللہ تعالیٰ ہی جانتا

ہے، دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوجائیں گے۔ ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دونفخوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہے۔" لوگوں نے کہا: "(ابوہریرہ!) چالیس دن؟" انھوں نے کہا: "میں یہ نہیں کہتا۔" لوگوں نے کہا: "چالیس مہینے؟" کہا: "میں یہ نہیں کہتا۔" لوگوں نے کہا: "چالیس سال؟" کہا: "میں یہ نہیں کہتا۔" اور حدیث بیان کی: "پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا تو لوگ اگ آئیں گے جیسے سبزی اگتی ہے اور انسان کی کوئی چیز نہیں جو بوسیدہ نہ ہو، سوائے ایک ہڈی کے جو دم کی ہڈی ہے۔ اسی سے مخلوق کو قیامت کے دن دوبارہ جوڑا جائے گا۔"[1]

اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ: یعنی صور میں پھونکے جانے پر زمین وآسمان میں جو بھی ہے گھبرا جائے گا۔ سورہ زمر میں فرمایا: (فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ) [الزمر:٦٨] "جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہونگے، مرکر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا۔" یعنی آسمانوں میں اور زمین میں موجود جو بھی ہے بے ہوش ہوجائے گا، ہلاک ہوجائے گا مگر جسے اللہ چاہے۔ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ اس سے مراد انبیاء ہیں، بعض نے کہا شہداء، بعض نے ملائکہ اور بعض نے حورعین مراد لی ہیں، مگر "اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ" کی تعیین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے سپرد کردی جائے کہ وہی بہتر جانتا ہے کہ وہ خوش نصیب کون ہیں جو اس نفخہ کے وقت نہ گھبرائیں گے، نہ بے ہوش یا ہلاک ہونگے۔ کیونکہ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگ قیامت کے دن بے ہوش

---

[1]۔[صحیح بخاری، التفسیر، باب: (یوم ینفخ فی الصور فتأتون أفواجا): ٤٩٣٥]

ہوجائیں گے، تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا۔ اچانک میں موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھوں گا کہ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑے ہوئے ہونگے، سو میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا انھیں طور کی بے ہوشی کی جزا دی گئی۔"[1]

تو جب سید الخلق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (جنھیں زہر خورانی کی وجہ سے شہادت کی سعادت بھی نصیب ہوئی) اس صعقہ سے مستثنیٰ نہیں تو باقی شہداء یا انبیاء وصلحاء کے متعلق یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے؟ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کہا جائے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اس فزع اور صعقہ سے محفوظ رکھے گا۔

اس "اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ" میں بھی اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوگا کہ صور کی اس خوف ناک آواز کے وقت، جس سے جن، انسان، فرشتے، آسمان وزمین، سورج، چاند، ستارے اور پہاڑ، غرض ہر چیز فنا ہوجائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اس پر اس وقت بھی گھبراہٹ یا فنا کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ: "دَخَرَ" کے معنی میں عاجزی، ذلت اور حقارت تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، یعنی ساری مخلوق عاجز اور حقیر بن کر اللہ کے حضور پیش ہوگی، جیسا کہ فرمایا: (اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا) [مریم: ۹۳] "آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمٰن کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔"

﴿ وَتَرَى الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

---

[1] ۔[بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول اللہ تعالیٰ: (وواعدنا موسیٰ۔۔۔): ۳۳۹۸]

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ
اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور (اے انسان) تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے بیشک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔(۸۸) جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر (جزا) ہوگی اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔(۸۹) اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، تمہیں بدلہ میں وہی دیا جائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔(۹۰)

قیامت کے دن پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں یعنی بظاہر تو وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ چل رہے ہوں گے کیونکہ بڑی جسامت والی چیزیں جب چل رہی ہوں تو ان کی حرمت محسوس نہیں ہوتی جیسے زمین متحرک ہے مگر ہم اس کی حرمت کو محسوس نہیں کرتے اسی طرح قیامت کے دن یہ پہاڑ بھی چل رہے ہوں گے، پھر اچانک انہیں اٹھا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور وہ غبار،

بادل اور روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ النمل: ۹۸ میں الحسنہ (نیکی) سے مراد لا الہٰ الا اللہ ہے اور النمل: ۹۰ میں السیہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عطاؒ، قتادہ اور حسن بصریؒ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

جو لوگ شرک و معاصی کے مرتکب ہونگے، انھیں ان کے منہ کے بل جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ)[القمر: ۴۷، ۴۸] "یقیناً مجرم لوگ بڑی گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔ جس دن وہ آگ میں اپنے چہروں پر گھسیٹے جائیں گے، چکھو آگ کا چھونا۔" سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی، یا رسول اللہ! قیامت کے روز کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: "وہ ذات جس نے اسے دنیا میں دونوں پاؤں پر چلایا کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتی کہ قیامت کے روز اسے منہ کے بل چلائے؟"۔ [2]

آیت کے آخر میں بندوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس دن جو فیصلہ ہوگا تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوگا، کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا

۱۔ (جامع البیان جز: ۲ ص: ۳۔۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵)

۲۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب یحشر الکافر علی وجہہ: ۲۸۰۶]

الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ
فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے رب کی بندگی کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں۔(۹۱) اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناتا رہوں ،پس جس شخص نے ہدایت قبول کی تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو آپ فرمادیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو۔(۹۲) اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرمادیجیے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لوگے، اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔(۹۳)

مجھے تو بس اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مکہ مکرمہ کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے اپنی مخلوق پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ اس میں کسی کا حرام خون گرائیں، یا اس میں کسی رہائش پذیر پر ظلم کریں اس لیے کہ یہ پہلا اللہ کا گھر ہے اس جملہ میں کفار کو تنبیہ کرنا مقصود ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ کے پروردگار کی

عبادت کو چھوڑ کر رکھا ہے اور اللہ کی عبادت کی بجائے بتوں کی عبادت کرتے ہیں جب کہ انھیں بیت اللہ کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے تھی اس لیے کہ پیدا کرنے، ملک اور تصرف کے لحاظ سے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود کو اس کے لیے مطیع کروں میں مخلص موحدین سے شمار کیا جاؤں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پاک کی تلاوت رات دن کے اوقات میں کروں تا کہ قرآن میں جو خزانے پوشیدہ ہیں وہ مجھ پر منکشف ہوں۔

ابو شریح العدوی ؓ نے عمرو بن سعید سے اس وقت یہ حدیث بیان کی کہ جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن فرمایا: "(اے لوگو!) مکہ کو لوگوں نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے، لہٰذا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو وہاں خون بہانا اور وہاں کا درخت کاٹنا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص (میرے بعد) یہ دلیل دے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ میں جنگ کی ہے تو اس کو یہ جواب دو کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی، تمہیں اجازت نہیں دی اور دیکھو! مجھے بھی جو وہاں لڑنے کی اجازت ملی تھی تو صرف دن کی ایک گھڑی کے لیے، پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی ہوگئی ہے، جیسی کل تھی۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ (یہ بات) ان تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اب ہجرت نہیں رہی، البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہوا کرو۔ یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان اور زمین پیدا فرمائے اسی دن سے اسے

---

[1] [بخاری، کتاب المغازی، باب: ۴۲۹۵۔ مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا۔۔الخ: ۱۳۵۴]

حرمت عطا فرمادی اور اللہ تعالیٰ کی یہ حرمت قیامت تک قائم رہے گی۔ مجھ سے پہلے اس شہر میں لڑنا کسی کے لیے حلال نہیں تھا اور میرے لیے بھی محض دن کی ایک گھڑی کے لیے یہاں لڑنا حلال ہوا تھا، اب پھر دوبارہ اس کی حرمت قیامت تک قائم ہوگئی ہے۔ اس کا کانٹا نہ توڑا جائے، اس کا شکار نہ ہانکا جائے، اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے، سوائے اس کے جو بعد ازاں اس کا اعلان کرے، نیز اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔" سیدنا عباسؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کی اجازت دے دیجیے! وہ لوہاروں کے اور گھروں کے کام آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "اذخر کے علاوہ (یہاں کی گھاس نہ کاٹی جائے)۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے سب سے زیادہ بغض رکھتا ہے، ایک تو وہ جو حرم میں بے دینی پھیلائے، دوسرا جو اسلام میں جاہلیت کی رسم کا متلاشی ہو، تیسرا جو کسی آدمی کا ناحق خون کرنے کا طلب گار ہو۔"[2]

پس جس شخص نے میری تابعداری کی اور میری ہدایت کے مطابق رواں داواں رہا تو وہ سیدھے راہ پر چل رہا ہے اور جو شخص صراط مستقیم سے منحرف ہوا تو آپ اسے آگاہ کریں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور میں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے گمراہ ہونے کا مجھ پر کچھ وبال نہیں ہے یعنی آپ نعمت اسلام پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کفار مکہ کے سامنے کہیں کہ ہم مسلمان تو اللہ کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس عظیم نعمت سے نوازا ہے اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ مستقبل میں ہمارا رب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلی نشانی میدان بدر میں دکھائی

۱۔ [مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا۔۔الخ: ۱۳۵۳]

۲۔ [بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرئ بغیر حق: ۶۸۸۲]

اور دوسری فتح مکہ کے دن اور آخری نشانی موت کے وقت دکھائے گا جب فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگائیں گے اور کہیں گے کہ اب چکھو جہنم کا عذاب۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کا رب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور دے گا۔

سورہ القصص

سورہ قصص مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مختلف قصے مذکور ہیں۔ اور مزید اس میں قارون کا واقعہ بھی مذکور ہے اس لیے اس کا نام سورہ قصص ہو گیا۔ اس کا نام سورہ موسیٰ بھی ہے۔

زمانہ نزول

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور عطا کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے کہا، مگر ایک آیت مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔ ابن سلام نے کہا، جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو یہ جحفہ کے مقام پر نازل ہوئی وہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ان الذین فرض علیک القرآن لرآدک الی معاد مقاتل نے کہا: اس میں مدنی آیات یہ بھی ہے (آیت) اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

تعبیر

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی زمین یا علاقے کے معاملہ میں حاکم یا سلطان کی طرف سے آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعے کا مفصل بیان ۔ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دینا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی بے قراری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قبطی کا واقعہ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا مصر سے نکلنا مذکور ہے۔

رکوع ۳: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی مدین کی طرف روانگی اور حضرت شعیب (علیہ السلام) کے ساتھ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معاہدہ۔

رکوع ۴: معاہدہ کی تکمیل پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی مدین سے مصر واپسی ۔ راستے میں کوہ طور پر اللہ سے ہم کلامی اور لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونا ۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے غلبے و نصرت کا وعدہ، فرعون کا انکار اور اس کا اور اس کی قوم کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات کا ملنا، رسالت محمدیہ کا اثبات اور مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۶: مومنوں کے دہرے اجر اور ہدایت و توفیق کا بیان ہے۔ پھر تکبر کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۷: دنیا کے منافع، مشرکین کا انجام، اللہ کا اختیار و علم محیط اور اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۸: قارون کا واقعہ، اہل مال وقوت کا انجام اور قارون کے ٹاٹھ باٹھ پر دنیا داروں کا رشک مذکور ہے۔ آخر میں قارون کے عبرتناک انجام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: آخرت کی نعمتوں کے مستحق لوگ۔ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

﴿ طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ
نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا
فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ
يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي
الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ
فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ ﴾

طا۔سین۔میم۔(۱) یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔(۲) (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ واقعہ مومن لوگوں کے سنانے کے لیے صحیح صحیح سناتے ہیں۔(۳) بیشک فرعون نے سرزمین (مصر) میں تکبر کیا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، ان میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل) کو کمزور دیکھتا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا (اپنی خدمت کے لیے) بیشک وہ مفسدوں میں سے (فسادی) تھا۔(۴) اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جن کو سرزمین مصر میں کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کمزوروں کو پیشوا بنائیں اور ہم انہی کو ملک کا وارث بنائیں۔(۵) اور ہم انہیں ملک میں اقتدار دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ چیز دکھا دیں جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔(۶)

(طسم) یہ حروف مقطعات میں سے ایک حرف ہے، اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔حروفِ مقطعات کی تفصیلاً بحث پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

(تلک آیت: یہ آیتیں ہیں)۔یعنی اس سورت کی آیتیں اس روشن کتاب کی آیتیں ہیں جس میں حلال و حرام کے احکام، حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی صداقت، پہلوں اور بعد والوں کی

خبروں کا بیان ہے اور اس کتاب کی شان یہ ہے وہ حق و باطل میں فرق کر دیتی ہے۔ یہاں روشن کتاب سے مراد قرآن مجید ہے یا اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدیؒ نے بیان کیا کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ اس نے جادوگروں' کاہنوں' قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے' اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا' تب فرعون نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو' اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو' اس کو چھوڑ دیا جائے اور قبطیوں سے کہا کہ تم اپنے نیچ کام بنی اسرئیل سے کرایا کرو۔ ادھر بنو اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے' تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو نیچ کام کرنے پڑیں گے' آپ ایسی کریں کہ ایک سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال چھوڑ دیں' اور جس سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جانا تھا اس سال حضرت موسیٰ کی والدہ حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ پیدا ہوئے' اور مجاہدؒ نے کہا جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو چھوڑنا تھا اس سال حضرت ہارون (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اس سال حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پیدا ہوئے' اور

حضرت ہارون (علیہ السلام) حضرت موسیٰ سے ایک سال بڑے تھے۔ ①

﴿ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ وَلَا تَخَافِىۡ وَلَا تَحۡزَنِىۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝٧ فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـئِيۡنَ ۝٨ وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝٩ ﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ کچھ خوف کرنا اور نہ رنج کرنا ہم اس کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر)

ا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۳۷۶۰۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۲۷۶۶۱-۲۷۶۶۱، النکت والعیون ج ٤ ص ٤٣٢، تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٨١٤، الدر المنثور ج ٦ ص ٨٤٣، تاریخ دمشق الکبیر ج ٤٦ ص ٢٦-٣١، مطبوعہ بیروت، ١٤١٢ھ)

اسے پیغمبر بنادیں گے۔(۷) پھر فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھالیا تا کہ (آخر کار) وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا باعث بنے، بیشک فرعون اور ہامان اور ان کا لشکر خطا کار تھے۔(۸) اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ لڑکا) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا۔شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔(۹)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے والدہ کا نام یوکا بد تھا اور والد کا نام عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب (علیہ السلام) تھا۔عمران کے گھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت ایسے وقت میں ہوئی جب فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کرنے کا بیان

امام ابوجعفر محمد بن جریرؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنے سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا۔قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دل میں ڈال دی' اور وحی نبوت نہیں تھی۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو کس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈال دیں آیا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے اور ان کو دودھ پلانے کے فوراً بعد یا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چار ماہ بعد ان کو دریا میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ ان کے پیدا ہونے کے بعد چار ماہ تک وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں' ابوبکر بن عبداللہ نے کہا ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہوتے ہی ان کو دریا میں ڈال دینا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو ان پر خطرہ ہو تو پھر تم ان کو دریا میں ڈال دینا۔ ان کی ماں نے ان کو ایک باغ میں رکھا ہوا تھا اور وہ ہر روز وہاں جا کر ان کو دودھ پلاتی تھی' اور سدی نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے ان کو دودھ پلایا' پھر ایک بڑھئی کو بلایا اور اس کو تابوت بنانے کا حکم دیا پھر وہ تابوت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب ان فرعون اور اس کے لشکر سے خطرہ محسوس ہو تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد تک ان کو دودھ پلایا ہو پھر جب ان کو حضرت موسیٰ کی جان پر خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ [1]

﴿ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ۙ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى

۱۔ (جامع البیان ج ۲۰ ض ۸۳۔۷۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى
اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہے۔(۱۰) اور اس نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا تو وہ اس کو دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو خبر نہ ہوئی۔(۱۱) اور ہم نے پہلے ہی ان پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا تو وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتا بتا دوں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس (بچے) کے خیر خواہ بھی ہوں۔(۱۲) اس طرح ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو اور تا کہ وہ یہ بھی جان لے کہ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۱۳)

ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس ؓ سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا: (فَارِغًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ غَيْرِ ذِكْرِ مُوْسٰى) "موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں اتنی بے قرار ہو گئی کہ اس کا

دل موسیٰ کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی ہو گیا۔"

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں' اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں' اور مریم بنت عمران ہیں اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مردوں میں سے تو بہت سے کامل (انسان) گزرے ہیں مگر عورتوں میں دو ہی کمال کو پہنچیں، ایک تو عمران کی بیٹی مریم اور دوسری فرعون کی بیوی آسیہ اور عائشہ ؓ کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔" [2]

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ ۔۔: موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن اجنبی بن کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) کو دودھ پلانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو اس نے موقع پا کر کہا، کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والے بتاؤں جو تمہارے لیے اس کی کفالت کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ ہونگے۔ یہاں درمیان کی بات چھوڑ دی گئی ہے، کیونکہ وہ خود بخود سمجھ میں آ رہی ہے کہ فرعون کے گھر والوں نے اس سے پوچھا کہ وہ گھر والے کون ہیں؟ اس نے کہا، میری ماں۔ انھوں نے کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بچہ تمہارا ہے اور تم اس کے متعلق جانتی ہو۔ اس نے کہا، بلکہ ہم بادشاہ کے خیر خواہ اور مخلص محبت کرنے والے ہیں، اس لیے اس بچے کی خیر خواہی اور خدمت میں کوئی

۱۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۲۹۱۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۲۷۲' المستدرک ج ۳ ص ۵۸۱' حافظ ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے' حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۲)

۲۔ [بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب فضل عائشۃ (رض): ۳۷۶۹]

کوتاہی نہیں کریں گے۔ انھوں نے کہا، تمہاری اماں کے ہاں دودھ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا، میرا بھائی ہارون پچھلے سال پیدا ہوا ہے اور دودھ پی رہا ہے۔ غرض انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو بلوایا، کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سلطنت کی ملکہ ہر حال میں اس کے لیے دودھ کا انتظام کرنا چاہتی تھی، جوں ہی ماں نے بچے کے منہ سے اپنی چھاتی لگائی، بچہ خوش ہو کر دودھ پینے لگا۔

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ
اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا
مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ
عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ
نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٦ قَالَ
رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝١٧ ﴾

”جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور اس کی پرورش مکمل ہو گئی تو ہم

نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔
(۱۴) اور موسیٰ (علیہ السلام) شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوا کہ جس وقت وہاں کے باشندے بیخبر تھے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے شہر میں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ایک تو موسیٰ (علیہ السلام) کی جماعت کا آدمی اسرائیلی تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم (فرعونیوں) سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ اس شخص نے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی جماعت میں سے تھا اس شخص کے مقابلہ میں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مخالفوں میں سے تھا موسیٰ (علیہ السلام) سے مدد چاہی اس پر موسیٰ نے اس فرعونی کے گھونسا مارا اس کا کام ہی تمام کر دیا اس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا یہ تو ایک شیطانی کام ہو گیا بیشک وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ (۱۵) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے۔ تو اس نے اسے بخش دیا، بیشک وہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (۱۶) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! جیسا تو نے مجھ پر فضل فرمایا ہے، تو آئندہ کبھی میں کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔ (۱۷)

حکم اور علم کی تفسیر میں علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ان کی عمر چالیس سال ہوگئی' اور حکم سے مراد ہے وہ حکمت جو ان کو نبوت سے پہلے دی گئی' اور علم سے مراد ہے دین کی فقہ' امام محمد بن اسحاق نے کہا ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم دیا گیا' اور بنی اسرائیل میں سے جو (۹) آدمی تھے جو ان کے احکام سنتے تھے اور ان کے اقتداء کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے اور یہ ان کو نبوت دیئے جانے سے پہلے کا معاملہ تھا۔ [1]

حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کے معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے' اور وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب جوان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا: تو انہوں نے جان لیا کہ فرعون اور اس کی قوم باطل پر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دین حق کا بیان کیا اور ان کے دین کی مذمت کی' اور یہ چیز مشہور ہوگئی' اور فرعونی ان کے مخالف ہو گئے' اور بنی اسرائیل کی جماعت ان کا وعظ سنتی تھی اور ان کی اقتداء کرتی تھی' اور پھر فرعون کا خطرہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کے شہر میں بہت محتاط ہو کر داخل ہوتے تھے' ایک مرتبہ وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے' اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت وہ لوگ قیلولہ (دوپہر کی نیند) کر رہے تھے۔ حضر ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا مگر پہلی روایت اولیٰ ہے۔ آیت کی تفسیر میں ابن زید نے یہ کہا ہے کہ اس غفلت

---

[1] (الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۹۳۲)

سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ نیند میں غافل تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعہ اور ان کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے' کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب کم سن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری تھی اور اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی' تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر کچھ انگارے لائے گئے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے انگارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے تھے جس سے ان کی زبان جل گئی تھی اسی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی' تب فرعون نے کہا تھا اس کو قتل نہ کرو لیکن اس کو اس گھر سے اور شہر سے نکال دو۔ پس حضرت موسیٰ کو نکال دیا گیا اور وہ جوان ہونے تک اس شہر میں داخل نہیں ہوئے اور لوگ ان کا ذکر بھول بھال گئے۔ [1]

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ ۔۔: گو موسیٰ (علیہ السلام) نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا، مگر پیغمبروں کی شان بڑی ہے، ان کی شان کے لحاظ سے یہ بے احتیاطی بھی مناسب نہ تھی، اس لیے موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے گناہ سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلب گار ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی، مگر موسیٰ (علیہ السلام) اس کے بعد بھی نادم رہے اور قیامت کے دن جب لوگ ان کے پاس جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کیجیے تو اپنی ندامت کا اظہار ان الفاظ میں کریں گے: "میں نے ایک شخص قتل کر دیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔" [2]

قرآن کے بیان سے ظاہر ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ قتل نا دانستہ ہوا تھا، مگر بائبل موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل عمد کا مجرم ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ اس کی روایت ہے کہ "مصری اور اسرائیلی کو لڑتے دیکھ کر موسیٰ (علیہ السلام) نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے، تو اس مصری کو جان

۱۔ (جامع البیان جز ۲۰، ص ۴۵۔۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [مسلم، ال إیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها: ۱۹۴]

سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔" (خروج: ۲: ۱۲) یہ یہود کی ان تحریفات میں سے ہے جن کی اصلاح قرآن نے فرمائی، جو پہلی تمام کتابوں پر مہیمن ہے۔

﴿ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۚ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۙ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾

پس موسیٰ (علیہ السلام) (دوسرے دن) صبح کے وقت ڈرتے ڈرتے اور چوکنا رہتے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص جس نے کل مدد کے

لیے اسے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا بلاشبہ تو تو کھلا گمراہ ہے۔(۱۸) پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی شخص بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو جیسا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ تم تو ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتے ہو اور تم نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے بنو ۔(۱۹) اور ایک شخص آیا شہر کے دوسرے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! اہل دربار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں تو تم یہاں سے نکل جاؤ' بیشک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔(۲۰) سو موسیٰ (علیہ السلام) اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا! انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار!! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے۔(۲۱)

اگلے دن وہی اسرائیلی دوبارہ ایک فرعونی سے لڑ رہا تھا۔ یہ اس بات کا واضح قرینہ تھا کہ یہ ایک جھگڑالو قسم کا آدمی ہے اور روزانہ کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ اپنی قوم کا فرد ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ نے اس کو مجرم ٹھہرایا۔ مذکورہ اسرائیلی کا مجرم ہونا اس واقعہ سے مزید ثابت ہو گیا کہ اس اسرائیلی نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ آج اس کی مدد نہیں کر رہے ہیں اور اس کی امید کے خلاف خود اسی کو برا کہہ

رہے ہیں تو وہ کمینہ پن پر اتر آیا۔ اس نے غیر ذمہ دارانہ طور پر کل کے قتل کا راز کھول دیا جو ابھی تک کسی کے علم میں نہ آیا تھا۔

اسرائیلی کی زبان سے قاتل کا نام نکلا تو بہت سے لوگوں نے سن لیا۔ چند دن میں اس کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ یہاں تک کہ حکمرانوں میں موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کے مشورے ہونے لگے۔ ایک نیک بخت آدمی کو اس کا پتہ چل گیا۔ وہ خفیہ طور پر حضرت موسیٰ سے ملا اور کہا کہ اس وقت یہی بہتر ہے کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں چنانچہ آپ مصر سے نکل کر مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدین خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر تھا اور فرعون کی سلطنت کے حدود سے باہر تھا۔

علامہ ثعلبی نے کہا کہ اس شخص کا نام حزقیل بن صبورا تھا' اور وہ آلِ فرعون میں سے مومن تھا' اور وہ فرعون کا عم زاد تھا۔ علامہ سہیلی نے کہا کا اس کا نام طالوت تھا' قتادہ سے روایت ہے کہ وہ آلِ فرعون سے مومن تھا اور اس کا نام شمعون تھا' اور ایک روایت ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا' اس شخص کو یہ خبر پہنچ گئی تو اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو آ کر بتا دیا۔ [1]

﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۵۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۵۳۲' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ؕ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ
كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ
اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدین کی طرف رخ کیا تو آپ نے دعا کی امید ہے کہ میرا پروردگار سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا۔(۲۲) اور جب موسیٰ (علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا ماجرا ہے، انھوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنی بکریاں ہٹا نہ لیں، اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔(۲۳) پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کے لیے (بکریوں کو) پانی پلا دیا پھر سایہ کی طرف ہٹ گئے پھر یوں کہا کہ اے میرے پروردگار! آپ جو کچھ خیر میرے لیے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔(۲۴)

موسیٰ (علیہ السلام) کا مدین کی طرف سفر

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے' جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد سے تھا' جب کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام)' حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی نسل سے تھے' یوں اہل مدین اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر آباد تھا' یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کا مولد اور مسکن تھا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) درخت کے پتوں سے قوت حاصل کرتے آپ یہاں نہ پہنچے یہاں تک کہ آپ کے قدموں کا موزہ بھی گر گیا۔ ابو مالک نے کہا، فرعون نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور انہیں کہا، ان جگہوں سے اسے تلاش کرو جاں سے پہاڑی راستے الگ ہوتے ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) راستے سے واقف نہیں۔ ایک فرشتہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا جو گھوڑے پر سوار تھا اس کے پاس نیزہ تھا، اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا، میرے پیچھے چلو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کی پیروی کی تو اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو راستہ دکھا دیا۔ یہ کہا جاتا ہے: اس نے آپ کو نیزہ دیا یہی آپ کا عصا تھا۔ ایک روایت یہ کی جاتی ہے: آپ کا عصا وہ تھا جو آپ نے مدین سے بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے حاصل کیا تھا، یہ قول اکثر علماء سے مروی ہے اور زیادہ صحیح ہے۔ مقاتل اور سدیؒ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کو آپ کی طرف بھیجا، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مدین اور مصر کے درمیان آٹھ ایام کا فاصلہ تھا، یہ ابن جبیرؒ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ مدین کا ملک فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعونیوں نے خوف زدہ ہو کر اچانک مدین کی طرف چل پڑے تھے' پہلے

سے ان کو کوئی منصوبہ نہ تھا' ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے کھا کر سفر کر رہے تھے' فرعون نے ان کی تلاش میں اپنے کارندے دوڑا دیئے تھے۔ اس نے کہا ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ لاؤ' ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے سوار کی صورت میں بھیجا اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا آپ میرے ساتھ چلیں یوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی یہ دعا قبول ہوئی کہ عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا۔ [1]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ایک کنوئیں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنوئیں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنے بکریوں کو کنوئیں کی جانب سے روک رہیں تھیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے پوچھا تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنے بکریوں کی روک رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رش میں اپنے بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں' اور ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں اگر وہ طاقتور ہوتے تو خود آ کر جانوروں کو پانی پلا دیتے' اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں' وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا پھر آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ [2]

موسیٰ (علیہ السلام) تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے تھے، اس کے باوجود انھوں نے ان کی بکریوں کو پلانی پلا دیا۔ ابن کثیرؒ نے یہاں ابن ابی شیبہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا: "

۱۔ احکام القرآن، تفسیر قرطبی

۲۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ٤٦ ص ٦٢۔٥٢' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٢٤١ھ)

موسیٰ (علیہ السلام) جب مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو پانی پلا رہے تھے۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو انھوں نے کنویں پر دوبارہ پتھر رکھ دیا، جسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو ہٹا رہی ہیں، ان سے پوچھا: "تمہارا معاملہ کیا ہے؟" انھوں نے اپنا ماجرا بیان کیا، تو آپ نے جا کر وہ پتھر اٹھایا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا کہ بکریاں سیراب ہو گئیں۔"[1] ابن کثیر نے فرمایا: "اس کی سند صحیح ہے، مستدرک حاکم نے بھی اسے صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔"

ثم تولی الی الظل آپ سمرہ (ببول) درخت کے سایہ کی طرف گئے، یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے اور اس سوال کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کو کھانا کھلائے اس کا ذکر اس قول میں ہے: انی لما انزلت الی من خیر فقیر آپ نے سات دن سے کوئی کھانا نہیں کھایا تھا، آپ کا پیٹ پشت سے لگ چکا تھا۔ دعا کی اور سوال کی وضاحت نہ کی۔ تمام مفسرین نے اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے اس کلام میں کھانے کو طلب کیا۔[2]

﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۟ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

۱۔[ابن کثیر: ۶/۲۲۷]

۲۔تفسیر قرطبی

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَیْرَ مَنِ
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾

پھر ان دونوں میں سے ایک لڑکی شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ اس کا اجر دیں موسیٰ (علیہ السلام) جب اس کے پاس پہنچے اور اپنا سارا قصہ سنایا تو تو اس نے کہا" کچھ خوف نہ کرو، اب آپ ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہیں۔ (۲۵) ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بولی کہ اے میرے باپ! ان کو ملازم رکھ لو بیشک ملازمت کے لیے بہتر آدمی وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور ایماندار ہو۔ (۲۶)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیّا اور دوسری کا نام صفورہ (یا صفوریا) تھا' اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب تھے۔ علامہ قرطبی کی بھی رائے ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب (علیہ السلام) کے بھتیجے یثرون تھے' حضرت شعیب نابینا ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے' اور ابو عبید کا بھی یہی مختار ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کا زمانہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب (علیہ

السلام) ہی تھے۔علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب (علیہ السلام) تھے۔ [1]

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ: تفسیر ابن کثیر میں ہے: "عمرؓ، ابن عباسؓ، شریح قاضی، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاقؒ اور کئی ایک نے فرمایا کہ اس کے والد نے پوچھا، تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے کہا، اس نے وہ پتھر اٹھا لیا جو دس آدمیوں سے کم اٹھا نہیں سکتے اور جب میں اس کے ساتھ آئی تو اس کے آگے چل رہی تھی، اس نے مجھ سے کہا، میرے پیچھے چلی آؤ اور جہاں راستہ بدلنا ہو مجھے کنکری کے ساتھ اشارہ کر دو، میں سمجھ جاؤں گا کس طرف جانا ہے۔" تفسیر ابن کثیر کے محقق حکمت بن بشیر نے فرمایا، عمر اور ابن عباسؓ کا قول ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2]

علامہ سیوطیؒ نے الدر 126/5 میں لکھا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جب اس لڑکی نے اپنے والد محترم سے کہا یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ تو والد محترم نے پوچھا وہ کتنے طاقتور تھے؟ لڑکی نے جواب دیا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب کنوئیں پر آئے تو وہاں ایک چٹان تھی جسے بڑے سے بڑا طاقتور بھی نہیں ہٹا سکتا تھا مگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے اٹھا دیا۔ والد محترم نے پوچھا ان کی امانتداری کا کیا واقعہ ہے؟ لڑکی نے کہا میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی تو انہوں نے فرمایا میرے پیچھے پیچھے چلو۔

۱۔(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۹۸۰، الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۹۴۲ دار الکتب العربی ۲۴۱، ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۴)

۲۔[ابن ابی حاتم: ۱۶۸۴۳] دوسرے ائمہ کے اقوال بھی طبری (۲۷۶۰۹) یا ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیے ہیں، مگر یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی نہیں، اس لیے اس کا ماخذ اسرائیلی روایات ہی ہے۔

﴿ قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ
تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِکَ ۚ وَمَاۤ
اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡکَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِکَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکَ ؕ اَیَّمَا الۡاَجَلَیۡنِ
قَضَیۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ ﴿۲۸﴾ ﴾

اس (شیخ) نے (موسیٰ (علیہ السلام) سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری ملازمت کرو پھر اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے ہے اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔(۲۷) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی' ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے۔(۲۸)

بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی صالح آدمی کو اپنی بیٹی کے رشتے کی پیش کش خود کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ایسا ہونا چاہیے۔ بیشمار لڑکیاں اس لیے نکاح سے محروم بیٹھی ہیں کہ ان کے والد انتظار میں ہیں کہ کوئی ہم سے رشتہ پوچھے، جبکہ لڑکوں کے والدین انکار کے خوف سے رشتہ مانگنے کی جرات نہیں کرتے۔ نتیجہ اس کا لڑکے لڑکیوں دونوں کا نکاح سے محروم رہنا ہے۔ صحابہ کرام میں سے عمرؓ کا عمل اس کا بہترین نمونہ ہے۔ ان کی بیٹی حفصہؓ خنیس بن حذافہؓ کے فوت ہونے سے بیوہ ہوگئی، جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بدری صحابہ میں سے تھے۔ عمرؓ نے فرمایا: "میں عثمان بن عفانؓ کے پاس گیا اور انھیں حفصہ کا رشتہ پیش کیا، انھوں نے کہا، میں اس بارے میں سوچوں گا، کچھ راتیں گزریں تو مجھے ملے اور کہنے لگے: "میری رائے یہی ٹھہری ہے کہ میں ان دنوں نکاح نہ کروں۔" عمرؓ فرماتے ہیں: "پھر میں ابوبکر صدیقؓ سے ملا اور ان سے کہا: "اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمرؓ کا نکاح آپ سے کر دوں۔" ابوبکرؓ خاموش رہے، مجھے کچھ جواب نہیں دیا، میں دل میں ان پر عثمانؓ سے بھی زیادہ ناراض ہوا۔ چند راتیں گزریں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے نکاح کا پیغام بھیج دیا، تو میں نے حفصہ کا نکاح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کر دیا۔"[1]

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی کنواری بالغہ بیٹی کا اس کے مشورہ کے بغیر جہاں چاہے نکاح کر دے۔ امام مالکؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور یہ اس باب میں بہت قوی دلیل ہے۔ امام شافعیؒ اور دوسرے علماء نے بھی اس مسئلہ میں امام مالک کی موافقت کی ہے اور امام

۱۔ [صحیح بخاری، النکاح، باب عرض الرجل ابنتہ أو أختہ علی أھل الخیر: ۵۱۲۲]

ابوحنیفہؒ نے یہ کہا ہے کہ جب لڑکی بالغہ ہوجائے تو اس کی مرضی کے بغیر اس کا کوئی نکاح نہیں کرسکتا البتہ جب لڑکی نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرسکتا ہے اور وہ نکاح لازم ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کا موقف مضبوط ہے۔ [1]

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ
الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ
مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ
اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ
الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ
عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ
يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ
سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ

---

[1] (الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۵۲، دارالفکر ۱۴۱۵ھ، جز ۳۱ ص ۲۴۲-۱۴۲، دارالکتاب العربی ۱۴۲۱ھ)

مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۳۲﴾

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر دی اور اپنے بال بچوں کو لے کر چلے تو انہوں نے (کوہ) طور کی طرف ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنے بال بچوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے لیے (راستہ کی) کوئی خبر لاؤں یا آگ کا ایک انگارہ لے آؤں تا کہ تم اسے تاپو۔(۲۹) پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) اس (آگ) کے پاس پہنچا تو میدان کے داہنے کنارے پر مبارک جگہ میں ایک درخت سے ندا کی گئی۔اے موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین (تمام جہانوں کا پروردگار) ہوں۔(۳۰) اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔(ارشاد ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں سے ہو۔(۳۱) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو (اور پھر نکالو تو) وہ بلا کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور اور خوف (دُور کرنے) کے لیے اپنے بازو کو اپنے

ساتھ ملالو۔سو یہ تیرے پروردگار کی طرف سے دو معجزے ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے (سامنے پیش کرنے کے) لیے کیونکہ وہ (بڑے) نافرمان لوگ ہیں۔(۳۲)

بقعہ مبارک میں غیبی آواز

اس معاہدے کے بعد اس شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) سے کر دیا اور عہد و پیمان کے مطابق آپ اس کے گھر رہنے لگے۔ مدت پوری کرنے کے بعد جب اپنے اہل وعیال کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہ طور کے قریب رات کے وقت راستہ بھٹک گئے۔ سخت سردی پڑ رہی تھی، دیکھا کہ پہاڑ کی جانب سے روشنی آ رہی ہے، سمجھے کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جنھوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ اس لیے اپنے بیوی بچوں سے کہا کہ تم سب یہیں ٹھہرو، میں راستہ پوچھ کر آتا ہوں یا کم از کم تمہیں گرمی پہنچانے کے لیے آگ کا انگارہ لے کر آتا ہوں، وہاں جب پہنچے تو بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ وادی تو تجلی الٰہی کے سبب ایک مبارک وادی بن چکی تھی، جس کے دائیں جانب موجود ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں جو سارے جہان کا پالنہار ہے۔ آپ کے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اسے زمین پر ڈالیے، تو ڈالتے ہی وہ ایک ڈراؤنا سانپ بن کر تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگی۔ موسیٰ (علیہ السلام) یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور پیچھے کی طرف بھاگ پڑے اور واپس مڑ کر نہیں دیکھا، تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! واپس آیئے اور خوف نہ کھایئے، آپ ہر شر و بلا سے مامون و محفوظ ہیں۔ یہ سب سے بڑا معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا تھا۔ واپس آ کر جب پہلی جگہ کھڑے ہوئے تو پھر آواز آئی کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان

میں ڈال کر نکالیے، وہ نور کی مانند خوبصورت چمکتا ہوا ظاہر ہوگا اور اپنے دل سے سانپ کا خوف دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے سے لگا لیجیے، پھر آواز آئی کہ آپ کے رب کی جانب سے یہ دو معجزے ہیں جو آپ کے نبی مرسل ہونے کی دلیل ہیں، انھیں لے کر آپ فرعون اور فرعونیوں کے پاس جایئے، جنھوں نے کفر و سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ میرے سوا غیروں کی عبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بنی اسرائیل کو بھی اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡہُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۳۳﴾
وَ اَخِیۡ ہٰرُوۡنُ ہُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡہُ مَعِیَ رِدۡاً
یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ
بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ
اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ مُّوۡسٰی
بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّ مَا سَمِعۡنَا
بِہٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ مُوۡسٰی رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ
بِالۡہُدٰی مِنۡ عِنۡدِہٖ وَ مَنۡ تَکُوۡنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ ؕ اِنَّہٗ لَا

يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کر دیا تھا سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ (۳۳) اور میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) زبان کے اعتبار سے زیادہ فصیح ہیں۔ آپ ان کو بھی میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ (۳۴) اللہ نے فرمایا: ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ سے تمہارے ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو وہ تم پر دست درازی نہ کر سکیں گے، ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے غالب رہیں گے۔ (۳۵) اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا جادو ہے اور یہ باتیں ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو کبھی سنی نہیں۔ (۳۶) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کے لیے آخرت کا اچھا گھر (بہشت) ہے۔ بلاشبہ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ (۳۷)

اپنی تائید ونصرت کے لیے ہارون (علیہ السلام) کے تعاون کی درخواست

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ہاتھوں ایک فرعونی مارا جا چکا تھا' اور جب ان کو معلوم ہوا کہ اس وجہ سے فرعونی سرداران کو قتل کرنے کی فکر میں ہیں تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مصر سے ہجرت کر کے مدین کی طرف چلے گئے تھے' اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا وہ لوگ تو میرے خون کے پیاسے ہیں' ایسا نہ ہو کہ مجھے قصاص میں قتل کر ڈالیں' پھر حضرت موسیٰ کو یاد آیا کہ جب بچپن میں انہوں نے فرعون کی ڈاڑھی نوچ کی تھی تو انہوں نے آزمائش کے لیے آپ کے سامنے ایک انگارہ اور ایک کھجور یا موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارے کو منہ میں ڈال لیا تھا' جس کی وجہ سے آپ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی اور آپ کو روانی سے بولنے کی دشواری ہوتی تھی' اس لیے آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں' اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے' ان سے میرا بازو مضبوط کر دے اور ان کو میرے کار تبلیغ میں میرا شریک بنا دے تا کہ میں آسانی سے فریضہ رسالت ادا کر سکوں' اور تیرے بندوں کو تیری عبادت کی طرف بلا سکوں' اس جگہ میرے معاون اور میرے وزیر ہو جائیں۔ اس سے میرا بازو مضبوط ہوگا اور میرے دل کو تقویت ہوگی' کیونکہ دو آدمیوں کی بات ایک آدمی کی بہ نسبت زیادہ موثر ہوتی ہے' اور اگر میں نے تنہا فرعون اور اس کے حواریوں کو تبلیغ کی تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ ۔: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول فرمائی اور تین باتوں کا وعدہ فرمایا، پہلا یہ کہ ہم ہارون کو نبی بنا کر تمہارا بازو ضرور مضبوط کریں گے (سین تاکید کے لیے

ہے)، وہ تمہارے ساتھ فرعون کے دربار میں جائیں گے۔ بعض سلف نے فرمایا، کسی بھائی پر اس کے بھائی کا اتنا بڑا احسان نہیں جتنا بڑا احسان موسیٰ (علیہ السلام) کا ہارون (علیہ السلام) پر ہے کہ ان کی شفاعت سے انھیں نبوت مل گئی، اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں موسیٰ (علیہ السلام) کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: (وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا) [الاحزاب: ۶۹] "اور وہ (یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے ہاں بہت مرتبے والا تھا۔" فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ: دوسرا وعدہ یہ کہ فرعونیوں کے مقابلے میں تم دونوں کو ہم ایسا غلبہ اور دبدبہ عطا کریں گے کہ ہمارے معجزے تمہارے ساتھ ہونے کی وجہ سے وہ تم تک پہنچ نہیں پائیں گے اور نہ کسی قسم کی دست درازی کر سکیں گے۔ چنانچہ بعد میں ایسے ہی ہوا کہ فرعون اور اس کے سرداروں کو تمام تر اسباب و وسائل اور اسلحہ و افواج کے باوجود کبھی اس بات کی جرات و ہمت نہ ہو سکی کہ ان پر کسی طرح ہاتھ اٹھا سکیں۔ یہ تفسیر "بایتنا" کو "فلا یصلون" کے متعلق کرنے کی صورت میں ہے۔

بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ: یہ تیسرا وعدہ ہے کہ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی آخر کار غالب ہونگے۔ "بِاٰيٰتِنَآ" کو "الْغٰلِبُوْنَ" کے متعلق کرنے سے معنی یہ ہوگا کہ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی ہمارے معجزات کی بدولت غالب رہو گے۔

موسیٰ (علیہ السلام) پر جادو کا الزام

موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی معجزات لے کر فرعون کے پاس پہنچے، موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی مرسل ہوں اور یہ معجزے میری صداقت کی نشانیاں ہیں اور پھر دونوں معجزات کا اس کے سامنے مظاہرہ کیا، تو فرعون کہنے لگا کہ یہ موسیٰ تو کہیں سے جادو سیکھ کر آ گیا ہے، بڑا شعبدہ باز ہو گیا

ہے اور اس نے اپنی شعبدہ بازی سے ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا ہے، لاٹھی کو سانپ اور ہاتھ کو روشن اور چمکتا ہوا ظاہر کر رہا ہے۔ ہم اور ہمارے باپ دادا نے آج تک ایسا جادو نہیں دیکھا تھا، یا یہ نہیں سنا تھا کہ کوئی انسان نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، یا یہ کہ اس دنیا کا کوئی دوسرا معبود ہے جو انسانوں کو اپنے پیغمبر بنا کر معجزات کے ساتھ انھی جیسے انسانوں کے پاس بھیجتا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کی معاندانہ باتوں کا جواب دیتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ تم گمراہ، کافر اور جہنمی ہو، بلکہ نہایت نرمی کے ساتھ اپنے بارے میں کہا کہ میرا رب زیادہ جانتا ہے کہ اس نے تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے روشنی اور ہدایت دے کر کسے بھیجا ہے اور کس کا انجام بہتر ہوگا؟ یعنی کسے موت کے وقت فرشتے رحمت و رضائے الٰہی اور جنت کی بشارت دیں گے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کفر و سرکشی کے ذریعے سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔

﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ
فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ
اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ
وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا
يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى

النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار، میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ اے ہامان، تو میرے لیے مٹی کو آگ میں پکوا کر اینٹیں تیار کرا پھر ان سے میرے لیے ایک بلند عمارت بنوا تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (۳۸) فرعون اور اس کے لشکر ملک میں خواہ مخواہ مغرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۹) پس ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا، پس دیکھ لو! ظالموں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ (۴۰) اور ہم نے ان کو پیشوا (رہنما) بنایا تھا وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (۴۱) اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن وہ برے لوگوں میں سے ہوں گے۔ (۴۲)

فرعون کی حماقت

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ ۔۔: اپنے اس دعوے کے ساتھ کہ مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی الٰہ معلوم نہیں، فرعون نے یہ دکھانے کے لیے کہ واقعی اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ پکی اینٹیں تیار کرے۔ یہاں قرآن مجید کے الفاظ کے انتخاب پر توجہ فرمائیں، عربی زبان میں پکی اینٹ کے لیے "آجُر، طُوْبٌ" اور "قَرْمَدٌ" وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، مگر ان سب کی ادائیگی میں ایک قسم کا ثقل پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے فرمایا: (فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ) "تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلا" اس جملے میں پختہ اینٹ بنانے کا طریقہ بھی بیان ہو گیا، ہامان کو اس کی تیاری کا حکم بھی اور اس جملے کے کسی لفظ میں کسی قسم کا کوئی ثقل بھی نہیں آیا، سب حروف متناسب اور سلیس ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ پختہ اینٹ بنانے کی ابتدا ہامان نے فرعون کے حکم سے کی، مگر اس کی کوئی پختہ دلیل نہیں کہ اس سے پہلے پختہ اینٹیں نہیں بنتی تھیں۔

فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا ۔۔: لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لیے اس نے یہ حکم دیا کہ پختہ اینٹیں تیار کر کے میرے لیے ایک بلند و بالا محل بنا، تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے رب کو دیکھوں، کیونکہ میں تو اسے جھوٹا ہی گمان کرتا ہوں۔ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ ہامان نے کاریگر اور مزدور جمع کیے، حتیٰ کہ پچاس ہزار مستری جمع ہو گئے۔ مزدور اور کارکن اس کے علاوہ تھے۔ اسی طرح اینٹیں پکانے والے، چونا بنانے والے، لکڑی اور لوہے کا کام کرنے والے بھی ان کے علاوہ تھے۔ ان سب نے وہ عمارت بنائی جو اتنی بلند تھی کہ مخلوق میں سے کسی نے اتنی بلند عمارت نہیں بنائی۔ جب وہ فارغ ہوئے تو فرعون اس کے اوپر چڑھا اور اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکنے کا حکم دیا، وہ واپس آیا تو خون سے لت پت تھا۔ کہنے لگا، میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا۔ فرعون گھوڑے کے ساتھ اس پر چڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورج غروب ہونے

کے قریب جبرائیل (علیہ السلام) کو بھیجا، انھوں نے اس عمارت پر اپنا پر مارا اور اسے تین ٹکڑوں میں کاٹ دیا۔ ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا، جس نے ان میں سے دس لاکھ آدمیوں کو ہلاک کر دیا، ایک ٹکڑا سمندر میں گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جا گرا اور اس عمارت کے بنانے میں جس نے کچھ بھی کام کیا تھا، کوئی باقی نہ رہا۔ طبری نے اسے اختصار کے ساتھ سدی سے بیان کیا ہے۔ قرطبی نے اسے ذکر کر کے اس کے کمزور ہونے کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے: "وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِصِحَّةِ ذٰلِكَ" کہ اس روایت کی صحت کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اسرائیلی روایات کی یہی مصیبت ہے کہ ان کی کوئی سند ہوتی ہے نہ ان کا سرا کہیں جا کر ملتا ہے۔ اس زمانے میں صرف مصر کے اندر دس لاکھ کے لشکر کی بات بھی قابل توجہ ہے۔ حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے اور اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ فرعون کی محض گیدڑ بھبکی تھی، جس کے ساتھ وہ اپنی قوم کو بیوقوف بنا رہا تھا۔ اینٹیں بنانے کا حکم بھی اس نے معاملے کو لٹکانے کے لیے دیا، ورنہ مصری لوگوں کو اینٹوں کی ضرورت ہی نہ تھی، جو لوگ اہرام مصر اتنے بڑے بڑے پتھروں سے بنا سکتے ہیں، جن میں سے ہر پتھر کا حجم عام کمرے کے مکمل حجم کے برابر ہے، انھیں اینٹیں پکانے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ صرف وقت گزاری کی کارروائی تھی، ویسے بلند و بالا پہاڑوں کے ہوتے ہوئے اینٹوں سے عمارت بنانے کا حکم دینا، جو کسی طرح بھی پہاڑوں جتنی بلند نہیں ہو سکتی، محض دھوکا تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے سرداروں سے کہا تھا: (ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ) [المؤمن: ۲۶] "(اور فرعون نے کہا) مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے۔"

فرعون کا تکبر اور ہلاکت

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور

سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا یادگار رہے کہ بد بخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ ﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی اس کے بعد کہ پہلی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا تھا (یہ کتاب) لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے تھی اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۴۳) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (کوہ

طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (رسالت کے) احکام دیئے تھے اور آپ اس واقعہ کے دیکھنے والوں میں سے بھی نہ تھے۔ (۴۴) لیکن ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بہت سی امتیں پیدا کیں۔ پھر ان پر ایک طویل مدت گذر گئی۔ اور آپ مدین والوں میں سے بھی نہ تھے کہ ان پر ہمارے احکام پڑھ کر سناتے۔ بلکہ ہم رسول بنا کر بھیجتے رہے۔ (۴۵) اور نہ آپ اس وقت جب ہم نے (موسیٰ (علیہ السلام) کو) آواز دی طور کے کنارے تھے لیکن (آپ کا بھیجا جانا) آپ کے پروردگار کی رحمت سے ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۴۶)

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو بحر قلزم میں ڈبکیاں دے دے کر غرق کیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو باسلامت بحر قلزم عبور کروایا اور پوری دنیا میں ان کی عزت کو دوبالا فرمایا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی حضرت ہارون (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے کر وادی طی میں پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہاں کئی اہم واقعات بھی رونما ہوئے۔ جن میں سب سے بڑا اور اہم واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات عنایت فرمائی جس میں بنی اسرائیل کے لیے نصیحت و عبرت کے واقعات، پہلی اقوام کی تباہی کے اسباب اور اس تورات کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت اور

رحمت کا باعث قرار دیا۔ تا کہ بنی اسرائیل اس سے رہنمائی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔ نزول تورات کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی وضاحت فرما دی گئی کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اس وقت بھی موجود نہ تھے جب اللہ تعالیٰ نے طور کے مغربی پہلو میں موسیٰ (علیہ السلام) کو نبوت اور دو عظیم معجزے عطا فرمائے تھے۔ طور کے مغربی پہلو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے موجود نہ ہونے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے جس واقعے کی تفصیلات بتائی جا رہی ہیں وہ کسی سے سنی سنائی اور پڑھی پڑھائی باتیں نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے جو قرآن مجید کی صورت میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی جا رہی ہے۔ بصیرت کی جمع بصائر، ہے جس سے مراد ایسے حقائق ہیں جن کو انسان ہدایت کی نیت سے پڑھے تو یقیناً ہدایت سے سرفراز ہوگا۔ قرن کی جمع "قرون" ہے حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ قرن کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا سو سال اور زرارہ بن اوفیٰ سے ایک سو بیس سال کی روایت ہے' اور قتادہ سے ستر سال کی روایت ہے اور حسن بصری سے ساٹھ سال کی روایت ہے اور ابراہیم سے چالیس سال کی روایت ہے۔ [1]

ان باقی اقوال کی بہ نسبت قرن کی تعیین میں وہی مدت صحیح ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمائی ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم نے موسیٰ کا معاملہ مکمل کیا یعنی انھیں کتاب سے نوازا اس وقت آپ طور پہاڑ کی جانب مغرب میں وہاں موجود نہیں تھے یعنی جب آپ وہاں موجود نہ تھے تو پھر آپ کو یہ ساری باتیں

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۹۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

وحی الٰہی کے بغیر کیسے معلوم ہوئی تو یہ چیز آپ کے لئے دلیل نبوت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد کی قومیں اٹھائیں اور طویل زمانہ گزرنے کے سبب لوگ تورات کو بھول گئے اور تعلیمات موسیٰ کے نقوش مٹ گئے تب ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا۔

اور آپ اہل مدین کی خبریں دیتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے شعیب سے مخالفت کی اور ان پر عذاب آیا حالانکہ آپ تو ان میں مبعوث نہ ہوئے تھے کہ انھیں اللہ کی آیات سناتے آپ تو اس سے ہزاروں برس بعد مکہ میں مبعوث ہوئے تو آپکو اہل مدین کی خبریں کیسے معلوم ہوئی سوا اس کے کہ ہم نے آپ کو رسول بنایا اور ان واقعات سے آگاہ کیا پھر یہ باتیں انھیں کیسے معلوم ہوئیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان واقعات سے متعلق آیتیں نازل کیں جن کے ذریعے سے آپ کو علم ہوا۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو یہ باتیں معلوم نہ ہوتیں۔ پھر کوہ طور کے پاس جب اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) سے ہم کلام ہوا اور انھیں ان کے نبی مرسل ہونے کی خبر دی اور حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی ہارون کے ساتھ فرعون کے پاس توحید کا پیغام لے کر جائیں، تو اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں موجود نہیں تھے، اگر وہ نبی نہ ہوتے تو یہ باتیں انھیں کیسے معلوم ہوتیں؟ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ باتیں آپ کو اس طرح معلوم ہوئیں کہ ہم نے بنی نوع انسان پر احسان کرتے ہوئے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا اور آپ پر قرآن نازل کیا جس میں مذکورہ بالا خبریں ہیں اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی خبریں ہیں، تاکہ اس کی آیتیں پڑھ کر آپ اہل مکہ اور تمام عربوں کو اللہ کے عذاب وعقاب سے ڈرائیں۔

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ
مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ
قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے ۔(۴۷) پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ "جیسی نشانیاں موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیوں نہیں ملیں" کیا جو نشانیاں پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انہوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے (موسیٰ اور ہارون) دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور کہنے لگے ہم تم دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے ۔(۴۸)

اور اگر ہم ان کی طرف کوئی رسول نہ بھی بھیجتے تو قیامت کے دن آپ کی قوم پر ان کے کرداروں کی وجہ

سے جب عذاب نازل ہوتا تو یہ یوں کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار اس عذاب کے نازل ہونے سے پہلے کوئی رسول ہمارے پاس کتاب دے کر کیوں نہیں بھیجا تھا تا کہ ہم آپ کی کتاب اور آپ کے رسول کی پیروی کرتے اور کتاب ورسول پر ایمان لانے والوں میں ہوتے اسی لیے ہم نے آپ کو قرآن کریم دے کی طرف بھیجا ہے تا کہ ان کے پاس کسی قسم کا کوئی عذر نہ رہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا یہودیوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کو جادوگر نہیں کہا تھا' اور یہ کہ ہم ان میں سے ہر ایک کا کفر کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انجیل اور قرآن دونوں کو جادو کہا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل دونوں کو جادو کہا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس لفظ کو سحران (بغیر الف کے) پڑھا جائے اور اگر اس کو ساحران (الف کے ساتھ) پڑھا جائے تو حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا یہ مشرکین عرب کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) دونوں جادوگر ہیں' اور سعید بن جبیر' مجاہد اور ابن زید نے کہا یہ ابتداء رسالت میں تہود کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) دونوں جادوگر ہیں' اور یہ تفسیر پہلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ ہر چند کہ یہود نبوت کے معترف تھے لیکن انہوں نے دین میں تحریف کر دی تھی اور کتاب میں بہت تغییر کر دی تھی اور وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے' اس لیے ہم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے' اور قتادہ نے کہا

یہ اس زمانہ کے یہودیوں کا قول ہے انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دونوں جادوگر ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جو تورات لے کر آئے تھے اس میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ذکر تھا اور انجیل اور قرآن کا بھی ذکر تھا اور یہود نے ان کا انکار کیا اور کہا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جادوگر ہیں اور انجیل اور قرآن جادو ہے اور جب یہود نے ان چیزوں کا کفر کیا ان کا تورات میں ذکر ہے تو کیا انہوں نے تورات کا کفر نہیں کیا۔ [1]

﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (تورات اور قرآن) سے زیادہ ہدایت بخش ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو۔ (۴۹) پھر اگر یہ لوگ آپ کا مطالبہ پورا نہ کریں تو آپ سمجھ

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳۱ ص ۷۲ ۔ ۹۶۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، جز ۳۱ ص ۱۶۲، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات پہ چلتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۵۰)

اے محمد ﷺ آپ ان کافروں سے فرمادیں کہ اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ تورات اور قرآن کریم جادو ہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت والی ہو، اگر تم ایسی کتاب لے آئے تو میں اس کی پیروی کرلوں گا۔ یہاں یہ تنبیہ فرمائی گئی کہ کفار ایسی کتاب لانے سے بالکل عاجز ہیں، چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، پھر اگر وہ کفار یہ تمہاری بات قبول نہ کریں اور ایسی کتاب نہ لاسکیں تو آپ جان لیں کہ یہ کفر کی جس سواری پر سوار ہیں اس کی ان کے پاس کوئی حجت نہیں ہے اور بس وہ اپنی خواہشوں ہی کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں جو خلاف ہدایت اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو اپنے دین کی طرف ہدایت نہیں دیتا۔

تا قیامت: دعاؤں کا طلب گار

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا